DUE DATE

Cl. No. ______________ *Acc. No.* ______________

Late Fine Ordinary books 25 p. per day, Text Book **Re. 1/-** per day, Over night book **Re. 1/-** per day.

اور اُس شخص سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں ۔ ق

سہ روزہ

دعوت

نئی دہلی

ہندتو

ایک مطالعہ، ایک جائزہ

25/-



انبیاء کی دعوت جھٹلانے والوں کا انجام

جن لوگوں نے
انبیاء علیہم السلام کی ہدایت
سے منہ موڑا، انھیں جھٹلایا اور
اُن کی نافرمانی کی، ان سب کو خواہ وہ کسی
نبی سے تعلق رکھتے ہوں، اللہ تعالیٰ نے وہ سزا
دی کہ آج بھی ہزاروں سال گزرنے کے بعد سامانِ عبرت ہے۔

فرمایا:

"کیا ان لوگوں کو اپنے پیش روؤں کی تاریخ نہیں پہنچی؟ نوح کی قوم، عاد، ثمود، ابراہیم کی قوم، مدین کے لوگ اور وہ بستیاں جنھیں الٹ دیا گیا، ان کے رسول اُن کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے، پھر یہ اللہ کا کام نہ تھا کہ اُن پر ظلم کرتا مگر وہ آپ ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے۔" (سورۃ التوبہ ۔ ۷۰)

"اے نبی، اگر وہ تمھیں جھٹلاتے ہیں تو ان سے پہلے قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور قوم لوط اور اہلِ مدین جھٹلا چکے ہیں اور موسیٰ کو بھی جھٹلایا گیا۔ ان سب منکرینِ حق کو میں نے پہلے مہلت دی، پھر میں نے ان کو پکڑلیا، اب دیکھ لو کہ میری عقوبت کیسی تھی۔" (الحج ۔ ۴۲، ۴۴)

مگر کتنے لوگ ہیں جو ان واقعات سے سبق حاصل کرتے ہیں یہ لوگ کیسا ہی رویّہ کیوں نہ اختیار کریں، مومنین کو یقین رکھنا چاہیے کہ اُن کا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی ہے وہ نہ اپنے فرماں بردار بندوں کو اس حالت میں رہنے دے گا کہ یہ اس کی شانِ رحیمی کے خلاف ہے اور نہ ان کفر و طغیان کے علم برداروں کو کھلا چھوڑ دے گا۔ ایک دن آئے گا کہ اُن کی گردنیں ماپی جائیں گی۔

یکے از ہمدرد
واسکوڈی گاما۔ گوآ

فہرست مندرجات

"اس شخص سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں" (قرآن)

سہ روزہ
دعوت
نئی دہلی

ہندتو — ایک مطالعہ، ایک جائزہ (خاص نمبر)

● جلد: ۴۲ ● شمارہ: ۴ ● دوشنبہ ● ۱۰ جنوری ۱۹۹۴ء مطابق ۲۷ رجب المرجب ۱۴۱۴ھ ● قیمت ۲۵ روپے ●

سعودی عرب و دیگر خلیجی ملکوں میں دس ریال

SEHROZA DAAWAT NEW DELHI ● HINDUTVA SPECIAL ● 10.1.1994. ● Rs. 25/-

اداریہ

پہلے یہ چند باتیں

ہندتو کی اصطلاح اگر بہت قدیم نہیں تو بالکل جدید بھی نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اصطلاح لفظ ہندو سے نکلی ہے اور یہ لفظ سرزمین ہند کے ان باشندوں کے لئے مخصوص کیا گیا تھا جو مسلمان، عیسائی، یہودی یا پارسی نہیں تھے۔ مگر بعد میں اس لفظ کی تعبیر و تشریح مختلف انداز سے کی گئی اور گزشتہ سو سوا سو سال کے عرصہ میں ہندتو کی اصطلاح کی بنیاد پر ایک سرگرم تحریک چل پڑی۔ اب چند برسوں سے، جیسا کہ دیکھا جا رہا ہے، ہندتو کی اصطلاح کا بہت زور ہے اور اس کی گونج ملکی سرحدوں سے نکل کر بیرونی دنیا میں بھی سنائی دینے لگی ہے۔ ہر چند کہ 'ہندتو' کی اصطلاح، لفظ 'ہندو' ہی سے نکلی ہے، مگر محسوس ہوتا ہے کہ قدیم ویدک دھرم سے، جسے بالعموم ہندو دھرم کہا جاتا ہے، اس اصطلاح کا عملاً بہت زیادہ تعلق نہیں ہے۔ قدیم ویدک ہندو دھرم کی اچھائیاں، اس کی ایشور بھکتی اور جذبۂ انسانیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ اس کا دھیان گیان بھی دنیا بھر میں مشہور ہے اور اس کے ماننے والے امن پسند ہیں اور بقائے باہم کے اصول پر یقین رکھتے ہیں۔ مگر جن لوگوں نے ماضی قریب میں 'ہندتو' کی اصطلاح وضع کی تھی یا آج کل جو لوگ اسے ایک تحریک کی شکل میں چلا رہے ہیں، ان کے بارے میں مذکورہ بات نہیں کہی جا سکتی۔ ان کے طور طریق یکسر مختلف ہیں۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ قدیم ویدک یا ہندو دھرم اور جدید ہندتو دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ جدید ہندتو ایک سیاسی تحریک معلوم ہوتی ہے جو قدیم ہندو دھرم اور اس سے وابستہ جذبات کو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کر رہی ہے۔ پھر یہ کہ یہ مقاصد بھی دو اور دو چار کی طرح واضح نہیں ہیں یا یوں کہا جائے کہ ہندتو کی تحریک چلانے والے انھیں واضح کرنا نہیں چاہتے جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ گزشتہ سو سال میں بالخصوص آزادیٔ ملک کے بعد سے ان کے نعروں اور سیاسی اصطلاحوں میں رد و بدل واقع ہوتا رہا ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ 'نیشن'، 'کلچر' اور 'اسٹیٹ' یہ تین ان کے مقاصد ہیں تو یہ چیزیں بجائے خود مقصود نہیں ہیں بلکہ کسی خاص مقصد کو حاصل کرنے کے ذرائع ہیں۔ پوری تحریک کے ناز و انداز، طریق کار اور تضادات پر غور کرنے کے بعد کہنا پڑتا ہے کہ مومنٹ چلانے والے کوئی نہ کوئی بات چھپا رہے ہیں۔ لہٰذا یہاں یہ بات اچھی طرح واضح رہنی چاہئے کہ آئندہ صفحات میں جس 'ہندتو' پر روشنی ڈالی گئی ہے، وہ جدید ہندتو کی ہی تحریک ہے۔ ہندو دھرم کو، جس پر کہ ملک کی بہت بڑی اکثریت یقین رکھتی ہے اور دوسرے فرقے بھی جس کا احترام کرتے ہیں، موضوع بحث نہیں بنایا گیا ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہ تحریک خود ہندو دھرم کے ماننے والے دانشوروں اور سنجیدہ حلقوں میں تشویش کا باعث بنی ہوئی ہے جس کا اظہار ملکی پریس میں چھپنے والی تحریروں میں ہوتا ہے۔

گزشتہ خصوصی شمارہ 'ہندوستانی مذاہب' پیش کرتے ہوئے اس کی 'چند باتوں' میں کہا گیا تھا "آج ملک میں جس 'ہندتو' کی بات کی جا رہی ہے یہاں اس سے بحث نہیں کی گئی ہے۔ وہ گفتگو اور اظہار خیال کا الگ موضوع ہے اور انشاء اللہ اس سلسلہ میں بھی کوئی خصوصی اشاعت پیش کی جائے گی"۔ لہٰذا زیر نظر شمارہ اسی وعدے کی تکمیل ہے۔ اس میں 'ہندتو' کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے، ہندتو کے علمبرداروں کی تحریروں، تقریروں اور بیانات کی بنیاد پر لکھا گیا ہے اور حتی الامکان اس کے حوالے بھی دیدئے گئے ہیں۔ لیکن اگر اس میں کوئی بات کمزور یا خلاف واقعہ نظر آئے تو اسے ادارہ کے علم میں لایا جانا چاہئے بلکہ خود ہندتو تحریک کے ذمہ داروں اور اس کے حامیوں سے بھی گزارش ہے کہ اس سلسلہ میں اپنی رائے کا اظہار کریں۔ ان کی مثبت تنقید اور ان کے احساسات کو سہ روزہ دعوت کے کالموں میں جگہ دی جائے گی۔ اس نمبر میں کوئی بات غلط فہمی کی بنیاد پر کہدی گئی ہو تو اس کی اصلاح بھی کر لی جائے گی۔ ہمارا مقصد افہام و تفہیم یعنی سمجھنا و سمجھانا ہے محض نکتہ چینی یا بیجا بحث و مباحثہ نہیں۔

ہندتو ایک وسیع موضوع ہے جس پر بہت کچھ کہا اور لکھا جا سکتا ہے چنانچہ جب اس خصوصی اشاعت کا پروگرام بنایا گیا تو مختلف گوشوں اور پہلوؤں پر بہت سا مواد تیار ہو گیا جس میں سے زیر نظر شمارے میں بہت کچھ دیدیا گیا ہے جو اس تحریک کو سمجھنے کیلئے کافی ہو سکتا ہے لیکن اگر ضرورت محسوس ہوئی تو اس سلسلے کی ایک اور اشاعت جلد ہی پیش کر دی جائیگی۔ "ہندوستانی مذاہب" کا دوسرا حصہ شائع کرنا بھی پیش نظر ہے جسمیں جین مت اور بدھ دھرم کی مزید تفصیل کے علاوہ آریہ سماج اور بابا گرونانک کے سکھ مت کا تعارف کرایا جائے گا۔

پرنٹر، پبلشر خلیل احمد نے دعوت ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی جانب سے جمال پرنٹنگ پریس، جامع مسجد، دہلی ۱۱۰۰۰۶ میں چھپوا کر دفتر "دعوت" سی-۲۴۰، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵ سے شائع کیا۔ ایڈیٹر: پرواز رحمانی

ہندتو کیا ہے؟

نوعیت اور دھرم میں اس کا مقام

محمد احمد

"ہندو" لفظ سے ہی 'ہندو مذہب' اور 'ہندتو' جیسے الفاظ وجود میں آئے ہیں۔ چنانچہ 'ہندتو' کو سمجھنے اور اس کی صحیح تعریف کرنے کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے ہندو لفظ پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ اس کے پس منظر کو سمجھ لیا جائے کہ ہندو کون ہے اور اُن کا مذہب کیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ

لفظ ہندو کی پیدائش

ہندو لفظ کی پیدائش کو لے کر دانشوروں میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابھی تک کوئی بھی دانشور، اس کی کوئی پختہ دلیل نہیں دے سکا ہے کہ 'ہندو' لفظ کا استعمال کب سے شروع ہوا۔ لیکن ان سب کے باوجود اس بات پر سبھی متفق ہیں کہ ہندو لفظ ویدوں، اپنشدوں اور قدیم سنسکرت اور پالی گرنتھوں میں نہیں ملتا۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی مشہور کتاب "ڈسکوری آف انڈیا" میں لکھا ہے کہ

ہمارے پرانے ادب میں تو ہندو لفظ کہیں آتا ہی نہیں "ہمیں بتایا گیا ہے کہ اس لفظ کا حوالہ جو کسی ہندوستانی کتاب میں ملتا ہے وہ آٹھویں صدی عیسوی کا ایک تانترک گرنتھ ہے اور وہاں ہندو کا مطلب کسی خاص مذہب سے نہیں بلکہ خاص لوگوں سے ہے۔

(ہندوستان کی کھوج، ہندی ترجمہ، صفحہ ۲۵)

پنڈت جی نے جس تانترک گرنتھ کا تذکرہ کیا ہے اس کا نام 'میرو تنتر' मेरुतन्त्र ہے۔ اس کے ۳۳ ویں باب میں لکھا ہے۔

हिंदूधर्म प्रलोप्तारो जायन्ते चक्रवर्तिन ।
हीन च दूषयत्येव हिंदूरित्युच्यते प्रिये ॥

یعنی شک، ہون وغیرہ چکرورتی راجہ ہندو مذہب کو ختم کرنے والے ہوں گے۔ جو بروں (دشٹوں) کی سرکوبی کرتا ہو اسے ہندو کہا جاتا ہے۔

سنسکرت کے ادبھوت अद्भुत، روپ کوش، رام کوش، شبد کلپ درم शब्दकल्प-द्रुम کے علاوہ کالیکا پران میں بھی ہندو لفظ ملتا ہے۔ لیکن انکا شمار قدیم سنسکرت ادب میں نہیں ہوتا ہے۔ یہ سبھی دسویں صدی کے بعد کے بنائے جاتے ہیں۔ ہیمنت کوی کوش، میدنی کوش मेदिनी कोष، بارہسپتیہ شاستر बार्हस्पत्य शास्त्र، بھوشیہ پران یا ریحانت ہرن ناٹک وغیرہ کتابوں میں بھی ہندو لفظ ملتا ہے لیکن قدیم سنسکرت لٹریچر نہیں ہیں۔

سندھو سے ہندو

ڈاکٹر ڈی۔ سی۔ سرکار کی مرتب شدہ کتاب "سلیکٹ انسکرپشن" (SELECT INSCRIPTJON) میں کہا گیا ہے کہ دریائے سندھ کے مغربی اور مشرقی علاقے اور اس کے باشندوں کو ایران کے بادشاہ دارا (۵۲۲-۴۸۶ B C) اور زیرک (۴۸۶-۴۶۵ B C) ہندو کے نام سے پکارا کرتے تھے۔

(جلد ۴ صفحہ ۱۰، جلد ۵ صفحہ ۱۲)

اس خیال کے ماننے والوں کی اکثریت ہے کہ ہندو کی وجہ تسمیہ 'سندھو' (دریائے سندھ) ہے۔ سندھو کے وجہ سے ہی یونانیوں نے اس علاقے کے لوگوں کو 'انڈوائی' کہا جو بعد میں انڈین، بن گیا پنڈت نہرو کے مطابق 'لفظ، ہندو' واضح طور پر سندھو سے نکلا ہے۔ اور یہ" انڈس" کا پرانا اور نیا نام ہے۔ اسی سندھو لفظ سے ہندو اور ہندوستان بنے ہیں۔ اور 'انڈوس' اور 'انڈیا' بھی"

(ایضاً صفحہ ۲۵)

رگ وید میں لفظ 'سندھو' جمع اور واحد دونوں صورتوں میں دو سو سے زائد بار استعمال ہوا ہے۔ جدید سنسکرت زبان کے خالق 'پانتی' نے سندھو لفظ کا استعمال ملک کے معنی میں کیا ہے۔ اشٹھ دھیائی (अष्टाध्यायी) (۴-۳-۹۳) میں اس نے سندھو کے معنی، وہ شخص یا جس کے پہلے کے لوگ سندھو ملک میں رہتے ہوں' بتایا ہے۔

مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو لفظ فارسیوں (ایرانیوں) کا دیا ہوا ہے۔ کئی جدید اسکالر 'ہندو' کو فارسی کا لفظ مانتے ہیں۔ فارسی لغت میں ہندو اور ہند سے بنے کئی الفاظ ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہندوی، ہندسہ ہندوانہ، ہندوکش ہندہ وغیرہ، آخر ہندو یا ہند لفظ ایرانیوں کو کیسے ملا؟ اس کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر راج بلی پانڈے کہتے ہیں:

" یقیناً فارس (ایران) کے مشرق کا ملک بھارت ہی ' ہند ' تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ ہندو لفظ فارس والوں کو کیسے ملا؟ فارس کے مشرق کا خاص جغرافیائی علاقہ اور منظر " دریائے سندھ " اور اس کے جنوب اور اس کے مخالف طرف دریاؤں کا حال ہے۔ مشرق سے دریائے سندھ میں ملنے والی تین دریاؤں جھیلم (झेलम) راوی (रावी) اور ستلج (सतलुज) اور مغرب کی طرف سے بھی تین دریا سوواستو (सुवास्तु) کبھا (कुभा) (کابل) اور گومتی (گومل) ہیں۔ اِن چھ خاص دریاؤں کے ساتھ دریائے سندھ کے ذریعہ سیراب صوبہ کا نام ہپت ہندو (سپت سندھو) تھا یہ لفظ سب سے پہلے جیند اوستا (چھند اوستھا) قدیم فارسی کی مذہبی کتاب میں ملتا ہے۔ فارسی قواعد کے مطابق سنسکرت کا 'स' لفظ ' ह ' میں تبدیل ہو جاتا ہے اسی وجہ سے سندھو بدل کر ہندو ہوگیا۔ پہلے ہندو (हिन्दु) یا ہند کے رہنے والے ہیندو (हैन्दव) یا ہندو کہلائے "

(ہند دھرم کوش ، صفحہ ۷۰۳ ، ۷۰۲)

اہل فارس کی گاتھا ' گرنتھ ' شتیر ' کے ۱۶۳ ویں آیت میں بھی ہند لفظ ملتا ہے۔

मन मरदे अम हिन्द जिजाद

یعنی میں ہند میں پیدا ہوا ہوں۔ (ویاس جی گستاشپ بادشاہ کو اپنا تعارف کراتے ہوئے کہتے ہیں) جیند اوستا میں تو ہپت ہندو ، لفظ ملتا ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ بھوشیہ پُران ، پرتی سرگ پرب باب ۵) میں بھی ہپت ہندو " لفظ کا استعمال ہوا ہے سپت سندھو نہیں۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کے فارسی زبان کے قاعدہ کے مطابق ' स ' (س) ' ह ' (ہ) میں بدل جاتا ہے تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ دریائے سندھو کا نام ابھی تک ہندو دریا کیوں نہیں ہوگیا ہے اور سندھی لوگ آج تک ہندی کیوں نہیں کہلاتے ہیں۔

فارسی کی طرح ہی یونانی زبان میں جب سندھو لفظ داخل ہوا تو اندوا اور سندھ سے ' اند ' ہوگیا۔ یورپ والوں نے انگریزی زبان میں ' د ' کو ' ڈ ' سے لکھا جو کی ' D ' ہوگیا اور اس طرح ' انڈ ' ، انڈو ، انڈیا اور انڈین الفاظ نکلے۔

عربی میں ہندی ؟

ستیہ دیو ورما نے قرآن کریم کے اپنے سنسکرت ترجمہ کے دیباچہ میں ، واسدیو وشنو دیال نے اپنی کتاب The Essence of the Vedas and Allied Scriptures میں صفحہ ۴-۳ پر سوامی بھومانند کی کتاب Ecclesia Divina کے حوالے سے اور تن سکھ رام گپت نے اپنی کتاب ' ہندو دھرم پرتیچئے ' کے صفحہ ۱۳ پر یہ لکھا ہے کہ عربی کے مشہور شاعر لبی بن اخنب بن طرفہ نے اپنے مجموعہ کلام ' سیر الاکل ' میں ہند اور وید الفاظ استعمال کئے ہیں۔ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ شاعر قبل اسلام ۲۳۰۰ سال یعنی B.C ۱۸۰۰ کا تھا۔ ورما جی نے ان کے اشعار کو بھی نقل کیا ہے اور حوالہ میں سیر الاکل صفحہ ۲۵۷ لکھا ہے۔ یہ اشعار دلّی کے لکشمی نارائن مندر یعنی برلا مندر کے ستون پر بھی کندہ ہیں۔

(مضمون کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں)

یہی چیز کچھ اشتہاروں میں بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ ظاہر ہے عربی زبان وادب کے اساتذہ و ماہرین اسے دیکھ کر تعجب میں پڑ جائیں گے یا اسے نظرانداز کر دیں گے۔ کیونکہ ایک تو ان اشعار کا کوئی مطلب نہیں نکلتا اور دوسرے جس زمانے کی یہ بات کہی جارہی ہے۔ اس وقت عربی نظمیں لکھی ہی نہیں جاتی تھیں۔ قابلِ ذکر یہ ہے کہ ان کے معنی میں دیگر باتوں کے علاوہ ہندو ' ہندوستان اور وید کی تعریف کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں مولف نے جو تحقیق کی ہے اس میں نہ تو اس نام کا کوئی مجموعہ کلام ملا اور نہ ہی اس نام کا کوئی شاعر۔ ہاں اس نام سے ملتا جلتا ایک شاعر کا نام عربی زبان وادب میں ضرور ملتا ہے۔ وہ ہے لبید ابن رابعہ کا جو اسلامی دور کے شاعر ہیں۔ ان کا انتقال (۶۶۱-۶۶۰) ۴۰ ہجری میں ہوا تھا۔ (طبقات ابن سعد ، جلد ۶ ، صفحہ ۲۱) ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ذاتی یا قومی مقاصد کے لئے انھیں گھڑ لیا گیا ہے اور عام کیا جارہا ہے۔

لفظ ہندو پر اختلاف

ہندو لفظ پر کچھ ہندوؤں اور زیادہ تر آریہ سماجیوں کو اس بات پر اعتراض ہے کہ لفظ ہندو ہماری ذات کا مفہوم ادا نہیں کرتا ، کیونکہ سنسکرت کے قدیم ادب میں یہ لفظ نہیں ملتا ہے کچھ لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ لفظ دوسروں کا دیا ہوا ہے۔ اور یہ غلامی کی علامت ہے۔ اس کے برعکس ایک گروہ یہ بھی کہتا ہے کہ ہندو نام میں کیا رکھا ہے۔ اور اس لفظ سے محبت کیوں کی جائے۔ اس کی جگہ پر آریہ اور ہندوستان کی جگہ ' بھارت ' یا آریہ ورت کا استعمال ہونا چاہئے۔ اس لفظ پر اعتراض کرنے والوں میں ایک نام سوامی دیانند سرسوتی کا بھی ہے۔ انھوں نے ہندو کی جگہ آریہ لفظ رائج کرنے پر زور دیا۔ یہاں تک کہ کچھ آریہ سماجی لیڈروں نے ایک بار ایک مقدمہ میں سپریم کورٹ کے سامنے یہ بات رکھی تھی کہ وہ ہندو نہیں بلکہ آریہ ہیں۔ لیکن ججوں نے ان کے اس دعویٰ کو ماننے سے انکار کردیا تھا۔

رام دھاری سنگھ دنکر اپنی کتاب سنسکرت کے چار ادھیائے میں کہتے ہیں۔

"انیسویں صدی عیسوی میں جب ہندوستان میں بیداری کی لہر پھیلی تو بہت سے لوگ ہندو نام چھوڑ کر اپنے کو آریہ کہنے لگے۔ کیونکہ ان کے خیال میں یہ نام مسلمانوں کا دیا ہوا ہے اور فارسی میں اس کے معنی اچھے نہیں ہیں۔ وہ رجحان آج بھی تھوڑا بہت پایا جاتا ہے۔ لیکن بات درحقیقت ایسی نہیں ہے۔" (صفحہ ۱۱۲-۱۱۱)

اس کے برعکس وی ڈی ساورکر جیسے رہنما اپنے آپ کو ہندو کہنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ وہ یہ مانتے ہیں کہ ہندو لفظ دنیا کا دیا ہوا ہے اور سندھو سے ہندو بنا ہے۔ وہ اپنی کتاب 'ہندتو' میں رقمطراز ہیں:

"دنیا ہمیں جو نام دیتی ہے۔ وہ اگر ہماری رغبت ودلچسپی کے خلاف نہ ہوں تو ایسے نام کے ذریعہ دوسرے سبھی ناموں کو دبا دینا زیادہ آسان ہے لیکن دنیا اگر ہمیں ایسا نام دیتی ہے جس سے ہمارے ماضی کی عظمت محسوس ہوتی ہو تو وہ نام یقیناً ہمارے دوسرے ناموں کو بھلا دے گا یہ چیز اور اس کے ساتھ وہ صورت حال جس سے ہمارا باہری دنیا سے رابطہ قائم ہوا اور بعد میں اس کے ساتھ سخت مخالفت بھی ہوئی۔ ان دونوں وجوہات سے ہمارا ہندو نام ایک بار ابھر کر سامنے آیا اور اتنے زور سے آیا کہ ہمارا پسندیدہ 'بھارت کھنڈ' نام بھی پس پردہ چلا گیا۔

دوسرے ملک کے لوگ ہمارے سندھو یا ہندو نام سے ہی واقف تھے اور ہمیں اسی نام سے مخاطب کرتے تھے" (جن گیان مئی ۱۹۶۲، صفحہ ۱۰۳) لفظ ہندو سے پرہیز کرنے والوں سے ساورکر سوال کرتے ہیں کی جس فارسی زبان میں لفظ 'ہندو' کا معنی اچھا نہیں ہے بلکہ توہین آمیز ہے اسی فارسی زبان میں آریہ کا معنی "گھوڑے کی دُم" ہے۔ تب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہمیں آریہ لفظ سے نفرت کرنی چاہیے؟

(ساورکر جیون درشن، صفحہ ۱۳۳)

یہاں اس کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ساورکر جی کو آریہ کا معنی فارسی لغت میں گھوڑے کی دم دکھائی پڑتا ہے وہیں سنسکرت لغت کو وہ نظر انداز کر دیتے ہیں، حقیقت میں یہ لفظ [illegible] مادہ سے بنا ہے جس کے معنی غیر ملکی یا اجنبی کے ہیں۔ وامن شیوارام آپٹے نے سنسکرت ہندی لغت میں صفحہ ۱۵۹ پر آریہ کا معنی باعزت، بہتر اور عمدہ کے علاوہ ایران کے لوگ بھی بتایا ہے۔ یہ لفظ خود بتا رہا ہے کہ آریہ غیر ملکی باشندے تھے۔

حقیقت میں ہندو کوئی توہین آمیز لفظ نہیں ہے۔ پنڈت شری مادھو آچاریہ کا کہنا ہے کہ اگر حقیقت میں ہندو لفظ فاتح یونانیوں، (यवना) کی طرف سے استعمال کیا ہوا غلامی کی لعنت کی علامت ہوتا تو مہارانا پرتاپ جیسے ہندتو کی زوردار علامت اپنے آپ کو فخریہ طور پر "ہندو پتی" کے لقب سے نہیں پکارتے۔ چھترپتی شیواجی کے درباری بھوشن ان کا تذکرہ راکھی ہندوواتی، ہندووان کو تلک راکھیو، ہندن کی چوٹی راکھی۔ جیسے الفاظ سے نہیں کرتے اور گرو گووند سنگھ بھی اپنی نظم میں "جگے دھرم ہندو، سبھی منڈ بھجے" (जग धर्म हिन्दू सर्वा मण्ड भज) کہہ کر ہندو لفظ کی قدر نہ کرتے۔

(ہندو دھرم پریچے صفحہ ۳۲)

مندرجہ بالا تفصیلات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہندو لفظ سندھو سے اور ہند دراصل سندھ سے بنا ہے۔ اور یہ لفظ توہین آمیز ہرگز نہیں ہے۔

ہندتو، کو سمجھنے کے لئے یہ جان لینا ضروری ہے کہ ہندو کون ہے اور اس کی خصوصیات کیا ہیں؟

ہندو کون؟

ہندو کون ہے اس کی مختلف تعبیریں کی گئیں ہیں۔ ادبھوت روپ کوش میں لکھا ہے۔

[illegible]

یعنی بدمعاشوں کی سرکوبی کرنے والوں کو ہندو ( ) اور ہندو ( ) کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں الفاظ مذکور ہیں۔ ہیمنت کوی کوش میں ہے۔

[illegible]

یعنی ہندو اسے کہا جاتا ہے جو نارائن وغیرہ دیوتاؤں کا بھگت ہو رام کوش میں ہے:

[illegible]

[illegible]

یعنی ہندو نہ تو برا انسان ہوتا ہے اور نہ غیر مہذب (اناریہ) اور نہ غیبت کرنے والا ہوتا ہے۔ جو سچے مذہب کا مطیع، عام اور وید دھرم سے وابستہ ہے وہی ہندو ہے۔

شبد کلپ درم کے مطابق

[illegible]

یعنی جو کمتری کو تسلیم نہ کرے وہ ہندو ہے۔ وردھ سمرتی نامی ایک قدیم کتاب میں ہے۔

[illegible]

یعنی جو حسن اخلاق والا ویدک راستوں پر چلنے والا بت پرست اور تشدد سے بچنے والا ہے وہی ہندو ہے۔

مادھو دگو یلجئے کے مطابق ہندو وہ ہے جو ان پانچ چیزوں کو مانتا ہو۔

'ओंकार मूल मन्त्राद्रिय पुनर्जन्मदृढ़ाशय ।
गोभक्तो भारत गुरू हिन्दु हिंसनदूषक ॥

یعنی اونکار کو مول منتر ماننے والا، پنر جنم میں یقین رکھنے والا گایوں کا خادم جس کا گرو ہندوستانی (भारत गुरू) ہو اور تشدد کو برا سمجھنے والا ہندو ہے۔

ساورکر کے مطابق

"आसिन्धो सिन्धुपर्यन्ता यस्य भारत भूमिका ।
पितृभू पुण्यभूश्चैव स वै हिन्दुरिति स्मृतिः ॥

یعنی وہ سبھی لوگ ہندو ہیں جو سندھو دریا سے سمندر تک وسیع خطہ کے باشندے ہیں۔ اور جو ہندوستان کو اپنے باپ دادا کی زمین اور تیرتھ مانتے ہیں"

جئے دیال گوئنکا کا بھی یہی خیال ہے۔ وہ کہتے ہیں "ہمالیہ سے سمندر تک کے علاقہ کا نام ہندوستان اور اس میں بسنے والی قوم کا نام ہندو ہے"

پریجات ہرن (परिजात हरण) نامی قدیم ڈرامے میں کچھ اس طرح ہے۔

हिनास्त तपसा पापाम् दैहिकान् दुष्टमानसान्
हेतिभि शत्रुवर्गंच स हिन्दु' अभिधीयते ।।

یعنی جو اپنی عبادت سے جسمانی گناہوں اور نفس کو ناپاک کرنے والے عیبوں کو ختم کرتا ہے اور جو اپنے ہتھیاروں سے اپنے دشمنوں کا قتل کرتا ہے، وہ ہندو ہے۔

رام دھاری سنگھ دنکر اس کی ناویل کرتے ہوئے لکھتے ہیں یہ تعریف اس وقت گڑھی گئی ہوگی جب باہری حملوں سے اپنے مذہب اور دولت دونوں کی حفاظت کے لئے ہندو سماج اٹھ کھڑا ہو گیا تھا؛ دنکر صاحب نے اس کے لئے کوئی تاریخی ثبوت نہیں دیا ہے۔

آچاریہ ونوبا بھاوے کا ماننا ہے۔

"جو ورنوں اور آشرموں کے نظام کو تسلیم کرے، گائے کا خادم ہو، شروتیوں (ویدمنتروں) کو ماں کی طرح قابل ستائش سمجھے والا، سب مذہب کا احترام کرنے والا، دیوتاؤں کے بتوں کی نافرمانی نہ کرتا ہو پنر جنم کو مانتا اور اس سے نجات پانے کی کوشش کرتا ہو، اور جو تمام مخلوقات کے ساتھ مناسب رویہ اختیار کرتا ہے۔ اسے ہندو مانا گیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ تشدد سے جو غمگین ہوتا ہے اسی لئے اسے ہندو کہا گیا ہے"

ٹھاکر گنگا سنگھ "ہمارا ہندتو" عنوان سے گفتگو کے انداز میں یہ بتانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہندو کون ہے؟ اس گفتگو کی کچھ خاص باتیں یہاں پیش ہیں

آپ ہندو ہیں؟
ہاں۔
آپ کے پاس اس کی کیا سند ہے؟
سند! سند تو میں نہیں جانتا۔ مگر میں اپنے کو ہندو مانتا ہوں،
اپنے اس یقین کے سوا اور بھی کوئی سند ہے کیا؟
ہاں میں گائے کو اپنی ماں سمجھتا ہوں اور اس کے لئے خون بہانے کو تیار ہوں۔
اور؟
اور گنگا میں غسل کر کے اپنے کو پاک سمجھتا ہوں۔
اور؟
اور اپنے مذہب کی کتابوں کو مانتا ہوں۔
آپ کسے مذہبی کتاب کہتے ہیں؟
سب کا اصل تو وید ہے، مگر خصوصی طور پر گیتا، رامائن اور بھاگوت پران وغیرہ،
دوسرے مذاہب کے تعلق سے آپ کا کیا خیال ہے؟
میں سب کا احترام کرتا ہوں۔ مذمت نہیں کرتا۔
اور؟
اور دنیا مجھے کیا کہتی ہے، اس کی مجھے پرواہ نہیں۔ مجھے بھگوان کا خوف ہے۔ میں ان کا محبوب بننا چاہتا ہوں۔
کیا آپ مسلمانوں سے نفرت کرتے ہیں؟
نہیں میں کسی سے نفرت نہیں کرتا ہندو دھرم میں تو مخلوق خدا کی شکل ہے۔ یا اپنی روح ہی ہے۔ سبھی محبت کے مستحق ہیں اور سبھی اپنے جیسے ہیں۔ پھر ہندو کسی سے نفرت کیوں اور کیسے کرے۔
کیا آپ ہندو دھرم کو کبھی چھوڑ بھی سکتے ہیں؟
نہیں کبھی نہیں۔ بلکہ میں تو چاہتا ہوں کہ اگر مجھے نجات حاصل نہ ہو تو بھگوان کرے کہ میں کئی جنموں میں بھی ہندو ہی بنتا رہوں،
کیا ہندو مذہب کے علاوہ دوسرے مذاہب میں نجات یا ایشور سے ملن نہیں ہوتا؟
ہوتا کیوں نہیں۔ مگر میرے لئے ہندو مذہب ہی پسندیدہ ہے،
آپ کی کسوٹی کیا ہے؟
شاستر (کتابیں) سنت اور روح کی آواز۔ ان تینوں کسوٹیوں پر جو بات کھری اترتی ہے، اسے کرنے میں مجھے کوئی تامل نہیں ہوتا بلکہ بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے؛

(کلیان، ہندوسنکرتی نمبر، صفحہ ۷۷)

اس گفتگو سے ہندوؤں کی ذہنیت سے متعلق مختلف قسم کی معلومات سامنے آتی ہیں۔ لیکن ہندو کون ہے؟ اس کی صحیح تعریف ان سبھی میں نہیں آپائی ہے۔

تن سکھ رام گپت نے اس کی مکمل تعریف کرنے کی کوشش اس طرح کی ہے۔

" عملی طور پر ہندو وہ ہے جو ہندو ماں باپ سے پیدا

ہوا ہو چاہے جنیو پہنے یا نہیں، مذہب کے شاستروں پر عقیدہ رکھتا ہو یا نہیں پیدائش موت اور کرم واد (جو کرے گا ویسا پائے گا کے عقیدہ کو مانتا ہو یا نہیں۔ چار رینوں (قرض) رشی پتری (ا، دیو، بھوت یا منش رین) سے نجات پا نا چاہتا ہو یا نہیں، زندگی کی چار قدروں اور پرو شارتھوں ((انسان کے خاص مقاصد) دھرم، ارتھ (دولت)، کام (خواہش) موکش کی پیروی کرتا ہو یا نہیں۔ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہندو ماں باپ سے پیدا بچوں میں اپنے ماحول کے اثرات سے اس کا احساس رہتا ہے کہ وہ ہندو ہیں۔

(ہندو دھرم پریچے، صفحہ ۳۸)

اس طرح لفظ ہندو کی تعریف میں بڑا تنوع معلوم ہوتا ہے۔ ان میں آپس میں ٹکراؤ بھی ہے۔ اس لئے بعض لوگوں نے یہ کہہ کر بات ختم کرنے کی کوشش کی ہے کہ بس ہندو وہ ہے جو اپنے آپ کو ہندو کہے۔ لیکن ساورکر کا یہ کہنا بھی حقیقت سے مناسبت رکھتا ہے کہ "جب تک وہ (مسلمان اور عیسائی) اس راہ (ہندتو) پر نہیں چلتے، تب تک ہم انھیں ہندو کہہ کر مخاطب نہیں کر سکتے۔

(ہندتو)

ہندوازم کیا ہے

نیچے ہندتو کی جدید تعبیر سے ہٹ کر ہندازم اور ہندتو (قدیم) کو ایک معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ ہندوازم یا ہندتو (قدیم) کی بھی مختلف تعبیریں ہیں۔

ویبسٹرس انسائیکلوپیڈیا گائیڈ ٹو سلف ایجوکیشن

کے صفحہ ۲۰۱۲ پر ہندوازم (یعنی ہندتو) کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ "یہ ایک وسیع لفظ ہے جس میں نہ صرف ہندوؤں کے مذہبی رسوم داخل ہیں۔ بلکہ ان کے سماجی اداروں کا بھی اس میں دخل ہے، ہندتو میں عام طور پر برہمن ازم کو شامل کیا جاتا ہے جو کہ کئی وجوہات کے بنا پر اس کے بہت قریب ہے۔ لیکن برہمیت (خالق برہما کا مذہب) کی اپنی اصل شکل توحید والی ہے، جب کہ ہندتو کی شکل شرک والی ہے۔ ہندتو چھ فلسفیانہ طریقہ پر منحصر ہے، جو کہ ایک عظیم دیوتا برہما کی پوجا سے وابستہ ہے۔ یہ طریقے ہیں:۔

(۱) ویدانت (۲) میمانسہ (۳) سانکھ (۴) نیائے (۵) یوگ اور (۶) ویشیشک آکسفورڈ ڈکشنری میں صفحہ ۴۱۱ پر ہندتو کا مطلب بتایا گیا ہے کہ "وسیع رسوم، مقرر ذات پات کے نظام، پنر جنم میں یقین اور دنیاوی نجات کی خواہش جیسی چیزوں کے ذریعہ تیار کیا گیا مذہب، کلچر اور تہذیب"۔

پنڈت رام گووند تر ویدی کے مطابق "ہندوپن کو ہندتو کہا جاتا ہے۔ ہندوپن کے اندر ہندو دھرم، ہندو مریادا (قدریں) ہندو تہذیب، ہندو تمدن، ہندو روایات، ہندو فن وغیرہ سبھی آجاتے ہیں، ہندتو کی شکل اتنی وسیع ہے کہ اس کی حفاظت کے لئے وہ بھی اپنی جان دینے کو تیار ہیں: جو ہندتو کی دی ہوئی چند باتیں مانتے ہیں۔ جنوب کے غیر آریہ کہلانے والے غیر برہمن (قدیم دراوڑ) بھی اپنے کو ہندو کہنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ آریہ سماجی، سکھ، جین، بودھ وغیرہ سبھی لوگ ہندو مہاسبھا میں شامل ہیں۔ یہاں ناستک (خدا کو نہ ماننے والے) بھی اپنے کو ہندو کہتے ہیں۔ ورن آشرم کو ماننے والے بھی ہندو ہیں۔ اور نہ ماننے والے بھی ہندو ہیں۔ خدا کو نہ ماننے والے بودھ بھی ہندو ہیں اور وید کو نہ ماننے والے جینی بھی اور بت پرستی کے مخالف آریہ سماجی بھی ہندو ہیں"۔

(ہندتو کا ویاپک سروپ، کلیان، ہندو سنسکرتی صفحہ ۳۳۹)

مہنت دگو جے ناتھ کے مطابق "ہندتو ایک مثالی بھارتیہ راشٹریہ سماجواد ہے۔ جس نے تمام ہندوستانی سماج کو ایک دھاگے میں پرو لیا ہے بودھ مذہب کے نام پر صرف بودھ مسلک کے ماننے والے آگے بڑھیں گے۔ سناتن دھرم کے نام پر صرف سناتنی آگے بڑھیں گے۔ مگر ہندتو کے نام پر سبھی ایک ساتھ آئیں گے اور ان میں سناتنی، سکھ، بودھ، جینی سبھی رہیں گے۔ یاد رکھئے کتنے فرقے ختم ہو چکے ہیں، ختم ہوں گے اور ہو رہے ہیں، لیکن ہندتو ان سب کے اوپر ہے اور امر ہے۔ وہ نہ کبھی ختم ہوا ہے، نہ ہونے والا ہے اگر کسی دن ہندوستان کے اس راشٹریتا (قومیت) کے ختم ہونے کی بات سوچی جا سکتی ہے تو اسی کے ساتھ یہ بھی سوچ لینا چاہئے کہ اس روز ہندوستان ہی ختم ہو جائے گا"۔

شیام رتن گپت کہتے ہیں:۔ "دراوڑ اور آریہ تہذیب کے ملن کو ہم ہندتو کہتے ہیں۔ حالانکہ دراوڑوں کے مقابلہ آریوں کا اس میں زیادہ فیصلہ کن رول رہا ہے"۔

ڈاکٹر راج بلی پانڈے کے مطابق "بھارت ورش میں بسنے والی قدیم قوموں کا اجتماعی نام ہندو اور ان کے کل مذہب کی روح "ہندتو" ہے جتنی قومیں باہر سے آئیں انھوں نے ہندو قوم اور ہندوازم کو قبول کر لیا۔ اس ملک میں روایت اور روایت کے مخالف مختلف تحریکیں اٹھیں۔ لیکن وہ سب مل جل کر ہندوازم میں ہی ضم ہو گئیں"۔

(ہندو دھرم کوش، صفحہ ۷۰۳، ۷۰۲)

اس طرح ہندتو کی ان تعبیرات سے ہم مندرجہ ذیل نکات پاتے ہیں:۔

(۱) یہ ایک وسیع لفظ ہے۔

(۲) یہ اپنے آپ میں ایک الگ چیز ہے جو برہمن ازم کے بہت قریب ہے۔

(۳) یہ ایک لفظی ہتھیار ہے، جس کا استعمال ہندو عقائد کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔

(۴) یہ تمام ہندو فرقوں کو ایک دوسرے سے قریب رکھنے اور ان میں ہم آہنگی پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔

(۵) یہ دوسری قوموں اور فرقوں کو اپنے میں ضم کرتا ہے۔

(۶) یہ ہندو مذہب کی جان ہے۔ ہندو دھرم اور ہندتو ایک دوسرے کو تکمیل (Complementary) کرتے ہیں۔

سوال یہ اٹھتا ہے کہ اس لفظ کی ضرورت کیوں پیش آئی، جب کہ ہندو دھرم، ہندو درشن اور ہندو کلچر جیسے الفاظ موجود تھے۔ اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ باہری قوموں سے اپنے معاشرہ، اپنے مذہبی عقائد اور رسوم اور اپنے اقتدار کو محفوظ رکھنے اور اپنے سماج کی طرف سے اٹھنے والے اعتراضات اور تحریکات سے آریہ، برہمن یا ہندو مذہب کی بقا و حفاظت کے لئے حالات کے مدنظر جو قانون، ضوابط، فلسفہ اور اصول متعین کئے جاتے رہے، اسے ہندتو کہا گیا۔ ظاہر ہے اس کی بنیاد آریہ یا برہمن یا ہندو مذہب کو بنایا جاتا رہا ہے اور اس کا نام ہندو ازم یا ہندتو رکھا گیا۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو عوام کو اس سے مطمئن نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ بات اور ہے کہ اس سلسلہ نے جو راہ کھولی، اس سے بہت سی ایسی باتیں بھی　　ہندتو کے اندر داخل ہو گئیں جو ان کے پہلے کے مذہب میں نہ تھیں، اس پر جب اعتراض ہوئے تو انھیں طرح طرح سے سمجھایا گیا۔ اور ویدوں کے منتروں کی تشریح کے لئے برہمن آرنیک بھاشیہ وغیرہ کتب تیار کی گئیں۔ اس سلسلہ میں کوئی حوالہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ کھلی ہوئی باتیں ہیں۔ آج بھی جدید ہندتو کے انتہا پسندانہ شکل فسطائیت پر، جو بابری مسجد کی شہادت پر کھل کر سامنے آیا اعتراضات ہوئے ہیں جس کو لے کر کافی اختلافات پیدا ہوئے ہیں۔ بہرحال جدید ہندتو کے اس رُخ کا ابھی تک کسی 'ہندتو وادی' نے معقول توضیح نہیں کی ہے۔

ہندتو کی نوعیت اور اس کی بنیاد

درحقیقت 'ہندتو' ہندو دھرم کو وسیع شکل دیتا ہے۔ قدیم ہندتو کی کوئی بھی بات ہندو دھرم سے الگ نہیں ہو سکتی۔ لیکن آخر ہندو دھرم ہے کیا چیز، جس پر 'ہندتو' منحصر کرتا ہے۔ ساورکر جی یہی سوال اٹھاتے ہوئے اپنی کتاب "ہندتو" میں لکھتے ہیں:۔

اب سوال اٹھتا ہے کہ ہندو دھرم کیا ہے؟ وہ کون سے بنیادی اصول و ضوابط ہیں جن کی ہندو پیروی کرتے ہیں۔ لیکن اس طریقے سے اس سوال کا حل کرنا تو ایک چکر کے پیچھے خود گمراہ ہو جانا ہے۔ اس طریقہ سے مندرجہ بالا سوال کا جواب ڈھونڈنے والے مختلف اشخاص کہنے لگ جاتے ہیں 'ہندو' تو کوئی ہے ہی نہیں۔ ہندو دھرم سے مراد ہے ہندو لوگوں کا مذہب۔ اور ہندو لفظ کی پیدائش سندھو سے ہونے کی وجہ سے اس کا اصل مفہوم ہی ان لوگوں سے ہے جو دریائے سندھ سے سمندر (مہا سندھو) تک پہلے اس علاقے کے باشندے ہیں۔ ہندو مذہب کا مطلب اس مذہب یا اُن مذاہب سے ہے جو اس ملک اور اس قوم کے اپنے ہیں۔ ان مختلف مذہبی اصولوں اور اخلاقیات میں ہمیں اگر کوئی یکسانیت نہ دکھائی پڑے تو یہی کہنا ہوگا کہ ہندو مذہب کوئی عام مذہب نہ ہو کر ایسے مختلف مذاہب اور فرقوں کا مجموعہ ہے جن میں باہم علیحدگی ہی نہیں ورنہ تضاد بھی موجود ہے۔ مگر اس عام ہندو مذہب کا پتہ لگانے میں ناکام رہ کر کوئی شخص کسی حالت میں بھی یہ نہیں کہہ سکتا کے ہندو نہ تو ایک مشن (قوم) ہے اور نہ ہی ایک انسانی سماج۔ ہندو سماج پر کوئی یہ کہہ کر ضرب نہیں لگا سکتا کے فلاں فرقہ ہندو نہیں ہے۔

(جن گیان مہان ہندو نمبر
صفحہ ۱۳۱ ر ۱۳۰)

ساورکر کے اس بیان سے جہاں اُن کا اپنا ہندتو نمودار ہوا وہیں یہ بات بھی معلوم ہوئی کے ہندو مذہب مختلف عقائد، مسلک، فکر اور افکار کا مجموعہ ہے۔ مگر اس مجموعہ میں بھی کچھ اُبھری ہوئی باتیں اور خصوصیات ہیں۔ سوامی وویکانند کہتے ہیں:۔

ہندو دھرم کی تین بنیادی باتیں ہیں۔ خدا میں، ویدوں میں کرم اور پنر جنم کے اصولوں میں یقین۔

(وودھ پرسنگ، صفحہ ۱۰)

مہاتما گاندھی نے ہندومت کی درج ذیل تعریف کی ہے۔

" اگر مجھے ہندومت کی تعریف کرنے کو کہا جائے تو میں صرف یہ کہوں گا کہ یہ غیر تشدد ذرائع سے حق کی تلاش ہے۔ آدمی خواہ خدا میں یقین نہ کرے، پھر بھی وہ اپنے کو ہندو کہہ سکتا ہے۔ ہندو دھرم حق کی انتھک تلاش ہے۔ ہندو مذہب حق کو ماننے والا مذہب ہے۔ حق ہی خدا ہے۔ اس سے واقف ہیں کہ خدا سے انکار کیا گیا ہے لیکن ہم نے حق سے کبھی انکار نہیں کیا۔"

ان باتوں سے یہ معلوم ہوا کہ ہندو دھرم یا مذہب کی کوئی تسلیم شدہ تعریف نہیں ہے پھر بھی ہندو دھرم کی اصل　　حقیقت وید ہے اس میں وید سے ہی ہر چیز منسلک کی جاتی ہے۔ جب کہ ہندتو کا دوسرا ہی معاملہ ہے۔ اس میں یہ ضروری نہیں کہ جو شخص ویدوں کو نہیں مانتا وہ ویدوں کو مذہبی صحیفے کے طور پر تسلیم کرے۔ لیکن عظیم روایت اور فلسفے کے طور پر اور کم از کم عملی طور پر اس کو (ویدوں کو) تسلیم کرنا ہوگا۔ کیونکہ ہندتو کے بیشتر اجزا وید اور اس سے متعلق ادب پر انحصار کرتے ہیں۔

ہندتو اور دھرم

"دھرم" لفظ خود بتا دیتا ہے کہ جس بنیاد پر ہندتو کھڑا ہے اس کی جڑوں کی مضبوطی اور وسعت کتنی ہے۔ لفظی اعتبار سے "دھرم" لفظ سنسکرت کے "धृ" مادّے میں "मन्" لگنے سے بنتا ہے۔ اس سے تین طرح کی باتیں نکل سکتی ہیں۔

۱۔ ध्रियते लोकः अनेन इति धर्मः
جس سے لوک (دنیا) اختیار کیا جائے، وہ دھرم (مذہب) ہے۔

۲۔ धरति धारयति वा लोकम् इति धर्मः
جو لوک کو اختیار کرے، وہ دھرم ہے۔

۳۔ ध्रियते यः स धर्मः
جو دوسروں سے اختیار کیا جائے وہ دھرم ہے۔

واضح رہے کہ دھرم (مذہب) لفظ ایک وسیع المعنی لفظ ہے پنڈت نہرو کے مطابق ہندستان میں دھرم کے لئے پرانا وسیع لفظ "آریہ دھرم" تھا۔ حقیقت میں دھرم کے معنی مذہب یا ریلیجن سے زیادہ وسیع ہے۔ مغربی نظریہ کے مطابق "مذہب کا مطلب انسان کا اپنے سے خارج میں ایک طاقتور اقتدار پر اعتقاد رکھنا ہے جس کے ذریعہ وہ اپنی جذباتی ضروریات کی تسکین کرنا چاہتا ہے اور جس کو اظہار عبادت اور خدمت خلق کے کاموں میں ظاہر کیا جاتا ہے"
(دی فلوسفی آف ریلیجن صفحہ ۱۸۴)

ہندتو کے نزدیک لفظ دھرم وسیع تو ہے۔ لیکن یہ مختلف ادوار میں الگ الگ معنوں میں مستعمل ہوتا رہا ہے۔ امرکوش میں اس کے ۱۸ سے زائد معنی بتائے گئے ہیں۔ منو سمرتی میں دھرم کی ۱۰ علامتیں بتائی گئیں ہیں۔

धृति क्षमा दमोऽस्तेयं शौचमिन्द्रियनिग्रहः ।
धीर्विद्या सत्यमक्रोधो दशकं धर्मलक्षणम् ।

یعنی صبر، درگذر، دم (نفس پر قابو)، چوری نہ کرنا، باطنی اور ظاہری پاکی، حواس پر قابو، علم، صحیح عقل، سچ اور غصہ نہ کرنا، دھرم کی یہ دس علامتیں ہیں۔

ویشیشک سوتر میں کنادنے دھرم کی تعریف کرتے ہوئے یوں لکھا ہے۔

यतोऽभ्युदयनिःश्रेयससिद्धिः स धर्मः ।

یعنی دھرم وہ ہے جس سے سبھی لوگوں کو اس دنیا میں کامیابی کے ساتھ ہی پرلوک (آخرت) کی کامیابی بھی نصیب ہو۔

اس دھرم کی اصل یا جڑ وید ہے۔ منو کے مطابق

वेदोऽखिलो धर्ममूलम् (२-६)

یعنی سارے وید رگ، یجر، سام اور اتھر وید دھرم کے

اصل ہیں۔

شری مدبھاگوت میں لکھا ہے۔

वेदप्रणिहितो धर्मो अधर्मस्तद्विपर्यय (6-1-44)

یعنی ویدوں میں کہا ہوا دھرم (مذہب) ہے اور اس کے برعکس سب اَدھرم (غیر مذہب) ہے۔

منوسمرتی کے مطابق

चोदना लक्षणोऽर्थो धर्म।

یعنی وید میں جس کی ترغیب دی گئی ہو وہ مادہ دھرم (مذہب) ہے۔ اسی میں یوں ہے

वेदोखिल तत्वम्

یعنی جو وید میں کہا گیا ہے، وہ دھرم ہے، منوسمرتی کے ہی مطابق

क्रियासाध्यत्वे सति श्रेयस्करत्वमिति लौकिका।

یعنی یہ دنیاوی انسانوں کا خیال ہے کہ عمل کے ذریعہ ثابت ہوکر فلاح یاب ہونا دھرم (مذہب) کی علامت ہے۔

دھرم (مذہب) کے بارے میں منوسمرتی کے ہی مطابق

'सत्याज्जायते, दयया दानेन च वर्धते, क्षमाया तिष्ठति क्रोधात्नश्यति।

یعنی دھرم (مذہب) کی پیدائش 'حق' (   ) سے ہوتی ہے۔ رحم اور خیرات سے وہ بڑھتا ہے۔ معافی میں وہ رہتا ہے۔ اور غصہ سے وہ ختم ہوتا ہے۔ وید (چھندوگیہ اپنشد) میں دھرم (مذہب) کے تین شعبہ بتائے گئے ہیں۔ त्रयो धर्मस्कन्धा

यज्ञोऽध्ययन दानमिति प्रथमस्तप एव द्वितीयो ब्रह्मचार्याचार्य कुलवासी तृतीयाऽत्यन्त मात्मानमाचार्य कुलेऽवसादयन् सर्वएते पुण्यलोका भवन्ति ब्रह्म संस्थामृत त्वमेति।

یعنی دھرم (مذہب) کے تین شعبے ہیں۔ یگیہ۔ مطالعہ اور خیرات یہ پہلا شعبہ ہے۔ تپ دوسرا شعبہ ہے جو برہمچاری آچاریہ گل (استاد کے خاندان) میں رہنے پر اپنے جسم کو انتہائی کمزور کر لیتا ہے، وہ تیسرا شعبہ میں آتا ہے۔ یہ سبھی 'پنیہ لوک' کے مستحق ہوتے ہیں۔ اور برہم میں ٹھیک طور پر قائم ابدیت کو حاصل کر لیتے ہیں۔

ان کے علاوہ مختلف کتابوں میں دھرم (مذہب) کی مختلف تعریفات کی گئی ہیں۔ جن کے بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ یہاں صرف خاص خاص باتیں بتائی گئی ہیں۔ پرانو رہیا کئی شخصیات کا نام ہی 'دھرم' ہے یہاں ان کی خصوصیات کا ذکر نہیں کیا جارہا ہے۔

ہمارے لئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم 'دھرم' کے مفہوم کو سمجھیں۔ کیونکہ اسی پر 'ہندتو' ٹکا ہوا ہے۔ ذیل میں اس سلسلے میں دانشوروں کے اقوال دئے جارہے ہیں۔

ڈاکٹر رادھا کرشنن کے مطابق دھرم چار ورنوں اور چار آشرموں کے (ارکان کے) ذریعہ زندگی کے چار مقاصد (دھرم ارتھ، کام، موکچھ) کے حصول میں لگے رہنے والے لائق انسانوں کے مکمل فرائض کا نام ہے۔

ڈاکٹر راج بلی پانڈے کے مطابق "دھرم راہ حق کی نصیحت ہے اور ترقی کے لئے ضوابط ہے"

سوامی ویکانند کے مطابق "دھرم انسان کے اندر موجود دیوتو (देवत्व,) (ملکوتی خوبیوں) کا ارتقاء ہے"

"دھرم نہ تو کتابوں میں ہے اور نہ ہی مذہبی اصولوں میں یہ صرف احساسات میں بستا ہے۔ دھرم اندھا اعتقاد نہیں ہے دھرم دنیا سے الگ (आलौकिक कला,) نہیں ہے بلکہ زندگی کا فطری مادہ ہے" سوامی جی کا یہ بھی کہنا ہے کہ "انسان فطرتاً پاک اور نیک ہے۔ ہندتو کا ذرّہ ذرّہ افضل ہے۔ قدیم فکر اور افکار میں دنیا نوسیت اور اندھا اعتقاد ہو سکتا ہے۔ مگر انھیں میں حقیقت پوشیدہ ہے۔

ہندتو کے طرز پر سوامی کرپاتری جی نے دھرم کی اس طرح تعریف کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس میں سارے مسلکوں اور فرقوں کو

ایک ساتھ پرو یا جا سکے۔

۱۳ اچھے اور برے اعمال کی خواہش سے لبریز ذرہ ہی دھرم ہے۔ یہ جینیوں (विवसनो) کا عقیدہ ہے (روح اور خدا کا لمحاتی ملن ہی دھرم ہے۔ یہ بودھوں (सौगतो) کا مقصود ہے۔ یوگ اور علم وغیرہ سے برے اعمال کو روکنے کے ذریعہ مخلوق کی نجات ہی دھرم ہے۔ یہ سانکھیہ یوگ کے ماننے والوں کا عقیدہ ہے۔ حلال اور حرام اعمال کے کرنے و ترک کرنے کے ذریعہ حاصل خصوصی صفت دھرم ہے۔ یہ نیائے درشن کے ماننے والوں کا عقیدہ ہے۔ عمل کے مطابق نتائج ہی دھرم ہے۔ یہ پربھاکر وغیرہ مانسک کا عقیدہ ہے۔ وید کے حکم کی پیروی ہی دھرم ہے۔ یہ جیمنی کے پیرو مانسکوں کا عقیدہ ہے۔" (دیکھیں: بھارتی درشن۔ کے لئے ہندوستانی مذاہب نمبر مارچ ۹۳) آخر میں نتیجہ کے طور پر سوامی کرپاتری جی لکھتے ہیں۔

बलवदनिष्टा प्रयोजकत्वे सति श्रेय साधन तथा तद

प्रमाणतत्वमत्र धर्मत्वम् ।

یعنی سخت (طاقت ور) برائی سے محفوظ کرنے والا اور اس کے بلند ہونے سے وید کا حکم سند کے طور پر ماننا دھرم ہے۔ یہی عالموں کی ایک دوسرے کے بیچ ہم آہنگی کا تصور ہے۔

(کلیان دھرمانک، صفحہ ۹)

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ دھرم کی بے شمار قدریں اور شکلیں ہیں۔ یقیناً یہی ہندتو کی قدریں اور اس کی بنیادیں ہیں جس پر ہندتو کی عمارت بنتی اور بگڑتی ہے۔ یہی ہندتو کی فطرت ہے مندرجہ بالا تفصیلات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس کی فطرت لچکدار ہے۔ دھرم کی ان تعریفوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود ہندتو کے جال میں پھنس گیا ہے۔

ہندتو (قدیم) کیا نہیں ہے

اس بات پر تمام ہندو پنڈت اور دانشور متفق تھے کہ ہندتو وہ نہیں ہو سکتا ہے جو اَدھرم اور کودھرم ہو ادھرم کا مطلب ہے جہاں دھرم نہ ہو باج ار۔ ہرم مخالف عوامل کارفرما ہوں۔ اس کی ایک اور تعریف ہے؛ جو وید اور ان مخالف اخلاق ہوں وہی ادھرم ہے۔ اس کے برعکس ایسا بھی کہا گیا ہے کہ ادھرمی کو کچھ مدت تک ترقی ہو سکتی ہے لیکن بالآخر وہ خود ختم ہو جاتا ہے۔

अधमेणैधते राजन् ततो भद्राणि पश्यात । तत सपत्नान् समूलस्तु विनश्यात ।।

یعنی اے راجا، انسان اَدھرم سے بڑھتا ہے۔ پھر مال دولت پاتا ہے، پھر دشمنوں کو فتح کرتا ہے آخر میں وہ پوری طرح ختم ہو جاتا ہے۔ یہ 'ادھرم'، منھ، ہاتھ، جانگھ اور پیر سے نہیں بلکہ برہما کے پیٹھ سے پیدا ہوا ہے۔

(بھگوت پران۔ ۳۔ ۱۲۔ ۲۵)

اَدھرم کی پانچ شاخیں ہیں:۔

(الف) وِی دھرم (ب) پر دھرم (ت) دھرما بھاس (धर्माभास) (ج) اُپدھرم (ہ) چھل دھرم' بھگوت پران

(۱۵-۷-۱۳۹-۱۲)

(الف) وی دھرم کا مطلب ہے

विगत धर्मेण विधर्म

یعنی جو اپنے دھرم سے گر جائے۔ یعنی جو مذہب تبدیل کرے وہ ویدھرمی ہے۔

(ب) پر دھرم کا مطلب ہے اپنے ورن آشرم دھرم کو چھوڑ کر دوسرے انسان کا ورن آشرم دھرم اختیار کرنا۔ ایسے دھرم کی طرف رغبت ادھرم ہے۔

(ت) دھرما بھاس:۔ اپنے آپ کسی کام کو دھرم کا نام دے کر کرنا جب کہ وہ دھرم نہ ہو دھرما بھاس ہے ایسے کام ادھرم ہیں جن کی تصدیق دھرم سے نہ ہوتی ہو اور اسے دھرم مان لیا گیا ہو۔

(ج) اپدھرم، ڈھونگ یا دکھاوے کو کہتے ہیں۔ دکھاوے کے طور پر کیا گیا کام ادھرم ہے۔

(ہ) چھل دھرم دھرم کے رائج مضبوم کو چھوڑ کر دوسرے مفہوم نکالنا چھل دھرم کہلائے گا۔

درج بالا چھ قسموں کے ادھرم کو چھوڑنا ہی دھرم مذہب ہے۔ اس کے علاوہ کودھرم (कुधर्म) ہے۔ جو برے اعمال اور اخلاق کا نام ہے۔ 'کودھرم' لفظ کا ایک معنی اور بھی ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو دھرم دوسرے دھرموں (مذاہب) میں رکاوٹ کھڑی کرے۔ وہ کودھرم ہے۔

مہابھارت میں کہا گیا۔

आदराधा तु यो धर्म स धर्म सत्यविक्रम

धर्म यो बाधत धर्मो न स धर्म कुधर्मतत्

یعنی جو دھرم دوسرے دھرم کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کرے وہ دھرم نہیں 'کودھرم' ہے۔ جو دھرم تمام دھرموں کی راہ میں رکاوٹیں نہیں کھڑی کرتا۔ وہ حقیقت میں دھرم ہے۔

ڈاکٹر رادھا کرشنن نے مہابھارت کے حوالوں سے اس سلسلہ میں کئی باتیں لکھی ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔ "سمجھ لو کہ دھرم کا خلاصہ یہی ہے اور پھر اس کے مطابق عمل کرو۔ دوسروں سے ویسا اخلاق ہرگز نہ کرو جیسا تم نہیں چاہتے کہ کوئی تمہارے ساتھ کرے ہمیں دوسروں کے ساتھ ایسا کچھ نہیں کرنا چاہیے جو اگر ہمارے لئے کیا جائے تو ہمیں برا لگے؛ دوسروں کو اپنے جیسا ہی سمجھنا چاہیے۔ جو اپنے نفس، قول اور عمل سے مسلسل دوسروں کی فلاح میں لگا رہتا ہے اور جو ہمیشہ دوسروں کا دوست رہتا ہے۔ وہ دھرم کو ٹھیک ٹھیک سمجھتا ہے:"

(دھرم اور سماج صفحہ ۱۱۰)

اس کے خلاف جو اعمال ہیں وہ ادھرم ہوں گے۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قدیم ہندتو کے تحت کوئی ادھرم نرم نہیں آتا۔ دھرم۔ ادھرم کی ان چیزوں کو جب لحاظ کر کے ہندتو کے تحت کوئی بات پیش کی جاتی تھی، تو اسے زیادہ تر اکثریت تسلیم کر لیتی تھی اور ہندتو رہنما بن کر بڑھتا چلا جاتا تھا۔ اس کی ترقی کی وجہ ہندو دھرم اور کلچر کی وہ قدریں تھیں جو تمام انسانیت سے کچھ حد تک مناسبت رکھتی تھیں اس کے باوجود ہندو دھرم کو اپنے اندر کے لوگوں اور باہری لوگوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ اس میں اس کو شکست بھی کھانی پڑی جس کی اصل وجہ دھرم کی تسلیم شدہ قدروں سے تجاوز کرنا غلط روش اور برہمن ازم کو ترجیح دینا تھا۔ اس وقت کے اس ہندتو کو قدیم ہندتو کے نام سے جانا جاتا ہے۔

جدید ہندتو اور ہندو واد

ظاہر ہے قدیم ہندتو کو کچھ ایک قدروں کی پابندی کرنی پڑتی تھی۔ وہ مذہب سے اس قدر وابستہ تھا کہ اس کی کوئی بات اپنے دھرم سے ہٹ کر نہیں ہوتی تھی یہاں تک کے اسے اپنی بات کی تائید کے لئے مذہبی کتابوں یا عقائد کا حوالہ دینا پڑتا تھا۔ یہ بات اور ہے کہ وہ اپنے مقصد کا معنی مفہوم کہیں نہ کہیں سے نکال لیتے تھے۔ شرک اور بت پرستی کو اس کے مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس میں اکثر انھیں کافی زیادہ زحمت اٹھانا پڑتی تھی۔ درشن دیگر فلسفوں اور دوسری باتوں و چیزوں کی پیدائش کو اسی سیاق میں سمجھنا چاہئے۔

ان باتوں اور کچھ دوسری وجوہات کے بنا پر 'ہندتو' کو دھرم سے الگ کر کے اس کے آزادانہ اور 'غیر ذمہ دارانہ' اصول متعین کرنے کی کوشش کی گئیں۔ ساورکر جی نے تو اپنی 'ہندتو' نام کی کتاب میں صاف لکھا ہے:

"ہندو توکے تمدنی موقف کے سلسلہ میں کسی کو اعتراض کرنے کا موقع نہیں مل سکتا۔ لیکن ہندتو اور ہندو دھرم ان دونوں کو ایک ہی مان لینے کی بھول کی وجہ سے غلط فہمی ضرور پیدا ہوتی ہے۔۔۔۔۔"

ہم نے یہ بھی بتایا ہے کہ ہندو دھرم کو سناتن دھرم کہنا یا ہندتو، کو ہندو دھرم مان لینا بھی غلط ہے۔ درحقیقت ہندتو کو ہندو دھرم اور ہندو دھرم کو سناتن دھرم سمجھنے کی دوہری بھول کا ہی یہ بڑا نتیجہ سامنے آرہا ہے کہ جو فرقے سناتنی نہیں ہیں ان کے دل میں غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس بھول کو دور کرنے کی کوشش میں ہی کچھ لوگ ۔۔۔ بھی خطرناک غلطی کر بیٹھتے ہیں اور وہ اعلان کر بیٹھتے ہیں ۔۔۔ ہندو ۔۔۔ ہی نہیں ہیں۔ (جن گیان، مہان ہندو نمبر، صفحہ ۱۴)

ساورکر جی جو اپنے ہندتو کو ثابت کرنے کے لئے ہندو دھرم کو سناتنی ماننے سے بھی انکار کر رہے ہیں۔ اسے سناتنی ماننے سے انھیں ہندو مذہب کی قدیم کتابوں اور اس کی قدروں کا پابند ہونا پڑے گا۔ جو انھیں منظور نہیں ہے۔ یہ جدید ہندتو ہے۔ اس نظریہ کے ماننے والے آر ایس ایس سے وابستہ لوگ زیادہ ہیں۔ ایسے لوگوں کی بھی ایک بڑی تعداد ہے جو اس جدیدیت کا انکار کرتے ہیں۔ اور اسے نقلی ہندتو کا نام دیتے ہیں۔ یہ لوگ جدید ہندتو کے ماننے والوں کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ اس کو بھی نہیں چاہتے کہ ہندتو میں تشدد کو شامل کیا جائے جیسا کہ پچھلے سال چھ دسمبر کو کھل کر سامنے آیا۔

ایسی بات نہیں ہے کہ یہ تشدد اچانک ظاہر ہوا۔ بلکہ اس کے لئے زمین ۱۹۲۵ء سے آر ایس ایس کے قیام سے ہی باقاعدہ طور پر تیار ہونا شروع ہو گئیں تھی۔ اور اس کے بانی ڈاکٹر کیشو راؤ ہیڈگوار نے ہندوؤں سے اٹھ کھڑے ہونے کی اپیل کی تھی اور کہا تھا۔

"اپنا دھرم اور اپنا کلچر کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو۔ جب تک اس کی حفاظت کرنے کی طاقت ہمارے پاس نہیں ہوتی تب تک دنیا میں کوئی اس کی عزت نہیں کرے گا۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی آخر میں سوال پیدا ہوتا ہے طاقت کا۔"

(سنگھ ورکچھ کے بیج: ڈاکٹر کیشو راؤ ہیڈگوار صفحہ ۱۶)

آر ایس ایس کے لیڈر بالا صاحب دیورس بھی اپنی تقریروں میں یہ بات ذرا دوسرے انداز سے کہتے رہے ہیں کہ پہلے ہم اہل نیں اور علم معرفت (   ) کے پیچھے قوت کھڑی کریں۔

(ایضاً صفحہ ۱۶)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جدید یا انتہا پسند ہندتو کا بیج ساورکر نے ۱۹۲۲ء میں ہی 'ہندتو' نام کی کتاب لکھ کر بو دیا تھا۔ یہ کتاب سولینی کی فاشسٹ تحریک سے متاثر ہو کر لکھی گئی بتائی جاتی ہے

اس کے علاوہ جدید ہندتو کے اور بھی محرکات رہے ہیں تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ یہاں یہ ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جدید ہندتو کا جواز فراہم کرنے کے لئے اس کے پیروکاروں کے پاس ایسے دلائل نہیں ہیں جو کہ پختہ اور مستحکم ہوں۔ اس لئے ہندتو، کی جگہ حالیہ دنوں میں ہندو واد کے لفظ کا استعمال بھی کیا جانے لگا ہے۔ الفاظ کا پھیر بدل جدید ہندتو کا ایک خاص طریقہ ہے۔

جدید ہندتو کی بنیاد

جدید ہندتو کی تائید میں انسان اپنے ضمیر کو بطور دلیل کے عام طور سے پیش کیا جاتا ہے۔ ہندتو اپنے کو دھرم سے

الگ نہیں کرسکا ہے لیکن ہندو دھرم سے اس کی مطابقت بہت ہلکی ہے۔ کیونکہ یہ دھرم کے چار ماخذوں میں سے ایک کو بھی اور وہ بھی چوتھے ماخذ کو اپنی تائید میں پیش کرتا ہے۔ ہندو دھرم کے درج ذیل چار ماخذ بتائے جاتے ہیں:

वेदोऽखिलो धर्ममूलं स्मृतिशीले च तद्विदाम्, आचारश्चैव साधूनां आत्मनस्तुष्टिरेव च

یعنی (۱) شروتی یا وید
(۲) اسمرتی یا سمرتی کو جاننے والوں کا اخلاق
(۳) دھرماتما لوگوں کا اخلاق
(۴) انسان کا اپنا ضمیر

منوسمرتی (۲-۱۶) میں "اچھے ضمیر" کو بھی مذہب کا ایک ماخذ تسلیم کیا گیا ہے۔ یاگیہ ولکیہ سمرتی (۱-۷ و ۲-۱۲) میں "اچھے ضمیر" سے مراد وہ چیز ہے جو آپ (ضمیر) کو اچھی لگے اور اس خواہش میں احتیاط شامل رہے۔ منو (۱-۲)
وہ کام کرنے کو کہتے ہیں جو ضمیر کو مطمئن کرے سنسکرت کے اس اسلوک سے اس کی (اچھے ضمیر) وضاحت اچھی طرح ہوتی ہے۔

युक्तियुक्तं वचो ग्राह्यं बालादपि शुकादपि ।
युक्तिहीनं वचस्त्याज्यं वृद्धादपि शुकादपि ॥

یعنی جو بات معقول ہو اسے تسلیم کرنا چاہئے، خواہ وہ کسی بچے نے کہی ہو یا کسی طوطے نے، لیکن جو بات معقول نہ ہو، وہ چاہے کسی بوڑھے نے کہی ہو یا خود منی شکدیو نے اس کا انکار کیا جانا چاہیئے۔

ڈاکٹر رادھا کرشنن نے تو یہاں تک کہا ہے کہ
"اخلاق یا رواج بھی یقین کرنے کے لائق تھا اگر وہ مہذب لوگوں کے ذریعہ تسلیم شدہ ہوں۔ انسان کا اپنا ضمیر بھی (Authentic) مستند ہے (دھرم اور سماج صفحہ ۱۳۲)

یہاں اس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ منو اور پراشر آزادانہ خواہش پر پابندی لگانے کی وکالت کرتے ہیں۔ وہ یہ ضابطہ بناتے ہیں کہ جب لوگوں کی عادتوں میں خاص قسم کی تبدیلی لانی ہو تب کونسل بلائی جائے۔ عام طور پر کونسل (پریشد) میں سو عقلمند برہمن ہونے چاہیئے۔ مگر ہنگامی حالت میں روشن ضمیر (अन्तर्दृष्टि सम्पन्न) اور (जितेन्द्रिय, خواہشات پر قابو رکھنے والا) ایک برہمن بھی کونسل (پریشد) کے طور پر کام کرسکتا ہے۔

(پراشر سمرتی ۳-۸)

منوسمرتی میں ہے کہ اگر کمیٹیاں نہ بلائی جاسکیں تو ایک اونچے برہمن کی رائے ہی کافی ہے۔ سمرتی چندریکا کے مطابق مذہبی لوگوں کے ذریعہ چلائی گئی روایت بھی ویدوں کی طرح ( ) مستند ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ ضمیر کی آزادی بھی ہندتو میں ایک خاص مفہوم رکھتی ہے۔

جدید ہندتو ساورکر اور ہیڈگوار جیسے ہندو رہنماؤں کے اسوہ سے بھی تقویت حاصل کرتا ہے اس کی دلیل میں مہابھارت کا یہ اسلوک پیش کیا جاتا ہے۔

धर्मस्य तत्वं निहितं गुहायां महाजनो येन गतः स पन्थाः ।

یعنی جس طرح کے طور طریقے اور اخلاق بڑے اور مہذب لوگ ( ) اپناتے ہیں وہ بھی دھرم کا ایک ماخذ ہے۔ اس طرح آر ایس ایس کے لوگ خود سند کا درجہ پا لیتے ہیں۔ یاگیہ ولکیہ کا کہنا ہے۔
"اگر کوئی بات سمرتی کے مطابق بھی ہو مگر لوگ اس کو برا سمجھتے ہوں تو اس کے مطابق طور طریقہ نہیں اپنانا چاہیئے"
(یاگیہ ولکیہ سمرتی ۱-۱۵۶)

اس طرح ان پر بظاہر اسمرتیوں کی پابندیاں بھی نہیں ہیں۔ اس سلسلہ میں اور بھی حوالے دیئے جاسکتے ہیں۔

جدید ہندتو کو شاید اس کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی ہو کہ اپنی ہر بات کو وید کے مطابق ثابت کرے۔ اور ضرورت ہو بھی کیوں؟ اس کی ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ ہندوؤں کے بیچ بھوجک پنچ راترک پشوپت، اُدوَیت وادی اور دیگر کئی ایسے فرقے رہے ہیں جو یہ نہیں مانتے کہ وید سے مذہب پیدا ہوا ہے۔ رہی جدید ہندتو کی رام کے نام کے ساتھ وابستگی تو یہ محض دکھانے کے لئے ہے۔ یہ ہندتو عملی طور پر وہ سب کچھ کرتا ہے جو قدیم مذہبی شخصیات کے معروف تعلیمات اور مذہبی قدروں کے خلاف ہے۔ سبھی جانتے ہیں کہ رام کے ساتھ اس طرح کی وابستگی ذاتی اور سیاسی اغراض کے لئے ہے۔ اس سے خود بخود واضح ہو جاتا ہے کہ جدید ہندتو کا مذہبی اقدار سے کوئی خاص اور سنجیدہ سروکار نہیں ہے۔ ان کے سامنے اپنے خالق اور پالنہار کی رضامندی اور خوشنودی نہیں ہے بلکہ اپنے مفادات ہیں۔ جن کے حصول کے لئے کسی بندھن کے وہ قائل نہیں ہیں۔

अया मुबारे कल अरज पशैय नोहा मिनल हिन्दे ।
व अरादकल्लाह मयो नज्जेल जिकर तुन ॥ १॥
वहल तज्जलोयतुन एनाने सहबी अरब अतुन जिकरा ।
वहा जेही यो नज्जेलुर्रसूल मिनल हिन्दुन ॥2॥
यकूलुनल्लाह या अहलल अरज आलमीन कुल्लहुम ।
फतबेउ जिकर तुल बेद हक्कुन मालम योनज्जेल तुन ॥3॥
वहो ना आलमुस्साम वल युजर मिनल्लाहे तन जीलन ।
फए नम्मा यो अरबीयो मुत बेअन यो वश्शेरीयो न जातुन ॥4॥
वइसनैन हुमा रीक अतर नासेहीन क अ खुवतुन ।
व असनात आला ऊदन वहो वाम शाए रतुन ॥5॥
(सेअरूल: आकूल,पृष्ठ 257)

مہرشی منوجی کا نظامِ معاشرت و تمدن

محمد الیاس حسین۔ دہلی

مہرشی منوجی کی مشہور کتاب "منوسمرتی" درحقیقت ذات پات اور چھوا چھات پر مبنی نظام معاشرت و تمدن کا سنگ بنیاد اور ہندوؤں کے نزدیک دھرم کی روح سمجھی جاتی ہے۔ منو نے اس کتاب میں ذات پات اور برادری کے نظام کو منظم اور منصوبہ بند شکل عطا کی ہے اور انسان کو پیدائش کی بنیاد پر چار ورنوں — برہمن چھتری، ویشیہ اور شودر میں تقسیم کرکے تمام طبقات کے حقوق و فرائض کا تعین کیا ہے۔ منو کے بقول ان معین کردہ حقوق و فرائض کی خلاف ورزی یا اس سے انحراف گناہ ہے اور جرم بھی۔ جو شخص جس ورن (ذات کا ہے، وہ اسی ورن کے حقوق کا استعمال اور فرائض کی بجا آوری کرے — یہ منو کا حکم ہے۔ منو کے دیئے ہوئے احکام کی اتباع کرنا چاروں ورنوں کا اوّلین فریضہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ورن آشرم دھرم (ذات پات پر مبنی نظام معاشرت و تمدن) میں نہ تو کوئی اپنا ورن بدلنے کا مجاز ہے اور نہ اپنا پیشہ ہی بدل سکتا ہے۔ منو نے کہا ہے کہ انسان کا پیشہ اور ورن اس کے جنم کی بنیاد پر طے ہوتا ہے۔ عمل یا 'کرم' کی بنیاد پر نہیں —

آج ہندوستانی سماج کا ایک طبقہ جو صدیوں سے منو کے اس رائج قانون کو اپنے استحصال اور دبائے کچلے جانے کی وجہ سمجھتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ اخلاق اور عمل ہی انسان کی عظمت و بزرگی یا اس کے ناکارہ پن اور نکمے پن کی بنیاد ہے نہ کہ پیدائش۔ وہ آج سماجی عدل اور اونچ نیچ کی تفریق سے پاک مساوات پر مبنی معاشرہ کی تشکیل کا مطالبہ کر رہا ہے —

ایک دوسرا طبقہ بھی موجود ہے جس نے اس قانون کے سہارے صدیوں سے اپنی ذات کی فضیلت قائم و برقرار رکھنے کی کامیاب کوشش کی ہے، اور اب سماجی عدل کے مطالبہ کو اپنی توہین سمجھ کر منو کے قائم کردہ ذات برادری کے نظام پر مشتمل ہندتو کے قیام کی بات کر رہا ہے —

منو کا قائم کردہ ذات پات کا نظام (ورن ویوستھا) یا ہندتو کیا ہے، اس نظام معاشرت میں برہمن، چھتری، ویشیہ اور شودروں کے کیا حقوق و فرائض ہوں گے اور سماج میں کس کی کیا حیثیت ہوگی — یہاں ہم انہیں سوالات پر غور کریں گے —

ورن ویوستھا (ذات پات پر مبنی معاشرت و تمدن) کے سب سے بڑے مؤید منو نے تخلیق انسانی کی غیر معقول توجیہہ پیش کرتے ہوئے کہا۔

लाकना तु निवृद्ध्यर्थ मुखबाहू रूपाघत ।
ब्राह्मण क्षत्रिय वैश्य शुद्र च निरवर्तयेत् ॥
(मनुस्मृति, अध्याय । श्लोक ३१) १

یعنی عالم کی افزائش کے لیے منہ سے برہمن، بازو سے چھتری ران سے ویشیہ اور پیروں سے شودر پیدا کیے گئے —

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ منو نے یہ نہیں بتایا کہ چنڈال، مہتر وغیرہ برہما کے کس عضو سے پیدا ہوئے ہیں۔ ؟

یہاں یہ بتا دینا نامناسب نہ ہوگا کہ برہمن کے لفظی معنیٰ ہیں: عارف باللہ، خدا کی علم و معرفت کا حامل، بڑا بھائی، وشنو، اگنی (آگ دیوتا) مالک وغیرہ — چھتری کے معنیٰ ہیں: طاقتور، شجاع رعب و دبدبہ والا، صاحبِ اقتدار، حاکم، سپاہی، جودھا وغیرہ۔ ویشیہ کے معنیٰ کسان، سوداگر، تاجر — اور شودر کے معنیٰ ہیں۔ نیچ، کمترین، خراب، اچھوت، غیر ملکی حکمرانوں کی داشتاؤں کی اولاد وغیرہ — (پیریار آئی۔ وی۔ رام سوامی، منو کا قانون ص ۲ دلت ساہتیہ اکیڈمی، بنگلور)

تخلیق انسانی کے مقام و منبع کی تعین کرنے کے بعد منو نے اعلیٰ ذاتوں کی افضلیت اور علو مرتبت کو ان کے لیے مخصوص قرار دینے کے مقصد سے کہا کہ انسانی جسم کا ناف سے اوپر کا حصّہ پاک ہے اور اس میں بھی منہ پاکیزہ ترمقام ہے۔ (منوسمرتی ۹۲ : ۱) پیر انسانی جسم کا سب سے ناپاک حصّہ ہے —

چاروں ورنوں کی مذہبی حیثیت اور حقوق و فرائض کی تعین کرتے ہوئے منو کہتے ہیں —

अध्यापनमध्ययन यजन याजन तथा ।
दान प्रतिग्रह चैव ब्राह्मणानामकल्पयत् ॥
मनु० १ ८८)

یعنی وید پڑھنا پڑھانا، یگیہ تا کرانا اور دان لینا دینا — یہ چھ اعمال برہمن کے لیے مقرر کیے گئے —

(پیریار آئی۔ وی۔ رام سوامی، منو کا قانون ص ۶ دلت ساہتیہ

اکیڈمی، بنگلور)

प्रजानां रक्षणं दानमिज्याध्ययनमेव च ।
विषयेष्वप्रसक्तिश्च क्षत्रियस्य समासतः ॥
(मनु० १ ८९)

(۲) یعنی رعیت کی حفاظت، صدقہ، خیرات، یگیہ، ویدوں کا مطالعہ اور شہواتی لذات میں انہماک سے اجتناب ـــــ یہ کام چھتریوں کے لیے طے کیا گیا ہے ــ (منواسمرتی، باب ۲، اشلوک ۳۱ ص ۳۲)

पशूनां रक्षणं दानमिज्याध्ययनमेव च ।
वणिक्पथं कुसीदं च वैश्यस्य कृषिमेव च ॥
(मनु० १ ९०)

(۳) یعنی جانور پالنا، صدقہ خیرات کرنا، یگیہ کرنا، ویدوں کا مطالعہ کرنا، تجارت اور زراعت کرنا ویشیوں (بنیوں) کے کام مقرر کیے گئے ــ

(۴) سب سے نچلی ذات شودر کے فرائض کی تعیین کرتے ہوئے منو کہتے ہیں۔ (رام چرت مانس از تلسی داس، سندر کانڈ، چھند ۶۲ مطبوعہ گیتا پریس۔ گورکھپور ـــ ۲۳واں ایڈیشن۔ سموت ۲۰۳۲ھ)

एकमेव तु शूद्रस्य प्रभुः कर्म समादिशत् ।
एतेषामेव वर्णानां शुश्रूषामनसूयया ॥
(मनु० १ ९१)

یعنی شودروں کے لیے خدا نے ایک ہی کام کا حکم صادر کیا ہے کہ وہ مذکورہ تینوں ورنوں (اعلیٰ ذاتوں) کی خدمت بغیر کسی حسد کے کریں کیونکہ برہمن کا ریاض، اس کا علم، چھتری کی ریاضت اس کا دماغ، ویشیہ کی مشقت ــ بزنس اور یگیہ اور شودر کا ریاض خدمت کرنا ہے (۱۱ : ۲۳۵)

مذکورہ اعمال کے مطابق چاروں ورنوں کا نام رکھنے کی ہدایت کرتے ہوئے منو کہتے ہیں کہ برہمنوں کا نام مبارک ہو، چھتری کے نام سے طاقت اور شجاعت کا اظہار ہو، ویشیہ کے نام سے دولت و ثروت کا مظاہرہ ہو، اور شودر کے نام سے ذم کا پہلو نکلتا ہو ـــ (منواسمرتی، باب ۲، ۱ شلوک ۳۱ ص ۳۲) مثلاً برہمن کا نام جگناتھ وشنو شرما، برہم دیو وغیرہ ہو ــ چھتری کا نام دیویندر، بہادر، بھیم، ارجن وغیرہ ــ ویشیہ کا نام کروڑی مل، لکشمی نرائن، کبیر ناتھ ہو ــ اور شودروں کا نام ہوری، دھنیا، چمرو، للوا، جیھرو، منگرو، جھیٹو بدھوا وغیرہ رکھا جائے ــ

منو نے برہمن کو کائنات भूमिदेव کا دیوتا کہا ہے (منوسمرتی ۹/۳۱۹) ــ کہتے ہیں کہ ساری دنیا خدا کے زیر تصرف ہے اور خود خدا منتروں کے تابع ہے۔ اسی لیے برہمن دھرتی کا خدا ہے۔ اگر دیگر تین ورنوں کے لوگ دھرتی کے اس خدا کو خوش رکھیں گے تو اوپر کا خدا خوش ہو جائے گا۔ چھتریوں اور ویشیوں کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ برہمنوں کو خوش دلی اور بطیب خاطر مرغوب غذا کھلائیں اور شودر دل و جان سے ان کی خدمت کرے (منواسمرتی: ۳/۲۳۱)۔ کیونکہ سب سے اعلیٰ تخلیق برہمن کی ہے۔ دنیا میں جو کچھ ہے، اسی کا ہے۔ اسی کے لُطف و کرم سے سارے متنفس زندہ ہیں۔ وہ جو دوسروں کا اناج کھاتا ہے، دوسرے کا دیا کپڑا پہنتا ہے اور کسی دوسرے سے لے کر کسی دوسرے کو دیتا ہے ـــ وہ ساری چیزیں اسی کی ہیں۔ (۱۰۱۔ ۹۹ : ۱۱)

منو کہتے ہیں کہ برہما کے منہ سے پیدا ہونے اور ویدوں کو بنانے کی وجہ سے برہمن پوری کائنات کا مالک ہے (۹۲۔۹۳ : ۱) چنانچہ برہمن اگر برے کام بھی کرے تو بھی قابلِ تعظیم و پرستش ہے۔ خواہ وہ احمق ہو یا عالم ــ بہرصورت وہ دیوتا ہی ہے ـــــ (۹ : ۳۱۷، ۹ : ۳۲۲)

تخلیقی اعتبار سے فضیلت، ویدوں کی تعلیم و تعلم اور دیگر مذہبی اعمال کی بنا پر برہمن تمام ذاتوں کا مالک ہوتا ہے (۳ : ۱۰)

شودر کے لیے برہمن کی خدمت جنت میں لے جانے والا سب سے افضل دھرم ہے (۹ : ۳۳۴) اس لیے بہشت میں جانے کے لیے شودروں کو لازم ہے کہ وہ دل و جان سے برہمن کی خدمت کریں (۱۰ : ۱۲۱) مگر شودر کی خدمت کرنا گناہ ہے (۱۱ : ۶۹)

برہمن خواہ کسی بھی نوعیت کے گناہ کا ارتکاب کرے، اسے جان سے نہ ختم کیا جائے اسے کسی بھی قسم کا ذہنی یا جسمانی آزار دیے بغیر ساری دولت اس کے حوالے کر کے اسے ملک بدر کر دیا جائے کیونکہ برہمنوں کو قتل کرنے سے بڑا کوئی اور گناہ نہیں۔ (۸ : ۳۸۱) برہمن کے ذریعہ ستائے جانے پر بھی کبھی اس کی مذمت نہ کریں ــ (۴ : ۲۳۶)

منو نے دشمن پر فتح حاصل کرنے کے بعد برہمن کی خدمت کرنے پوجا کرنے اور نذرانہ پیش کرنے کا حکم دیا ہے (۷ : ۲۰۱)

منواسمرتی کے شارحین کہتے ہیں کہ برہمن اور صرف برہمن ہی مذہب کا ترجمان ہو سکتا ہے مگر شودر نہیں ہو سکتا ــ

जातिमात्रोपजीवी वा कामं स्याद्ब्राह्मणब्रुवः ।
धर्मप्रवक्ता नृपतेर्न तु शूद्रः कथंचन ॥
(मनु० ८ २०)

یعنی محض برہمن ذات کے نام پر روزی کمانے والا یا برائے نام برہمن بھی راجہ کی طرف سے مذہب کا ترجمان ہو سکتا ہے، مگر شودر نہیں ہو سکتا ــ

برہمن کو دیگر ورنوں کا مال لینے کا حق دیتے ہوئے منو کہتے ہیں کہ برہمن کسی کا پورا کا پورا مال لے سکتا ہے کیونکہ برہمن سب کا مالک ہوتا ہے۔ اگر دفینہ دستیاب ہو تو راجہ اسے دیکھ کر اس میں سے نصف برہمن کو دے اور نصف خود اپنے پاس رکھ لے ـــ

(۸ : ۳۷ — ۳۸) مگر دوسرے ورن کے لوگ برہمن کا مال نہیں لے سکتے۔ (۱۱:۱۸)

منو کہتے ہیں کہ اگر اچانک کوئی کام آپڑے تو برہمن بے جھجک شودر کا مال لے لے کیونکہ شودر کا اپنا کچھ نہیں ہوتا، سب کچھ اس کے آقا برہمن کا ہوتا ہے۔ (۸ : ۴۱۷) دولت جمع کرنے کی اہلیت رکھنے والا شودر بھی دولت جمع نہ کرے کیونکہ دولت کا ارتکاز کرکے وہ برہمنوں کو ستانے کا ارتکاب کرتا ہے۔ (۱۰:۱۲۹)

شودر خواہ زرخرید ہو یا آزاد۔ بہرصورت اس سے خادم کا ہی کام لیں کیونکہ برہما نے اسے دوسرے ورنوں کی خدمت کے لیے ہی پیدا کیا ہے۔ اگر اس کا مالک اسے آزاد بھی کر دے تو بھی وہ خدمت کے فریضہ سے مستغنی نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اس کی فطرت ہے۔ (۸ : ۴۱۳-۱۴)

امر واقعہ یہ ہے کہ منو کے وضع کردہ قوانین نے اچھوتوں اور شودروں کو ویدوں کے زمانہ میں ہی ذہنی غلامی کی ایسی دلدل میں پھنسا دیا جس سے نکلنے کے لیے انہیں آج بھی ہاتھ پیر مارنا پڑ رہا ہے۔

منو نے خدمت گذار شودر کو اس کے حق الخدمت کے عوض جھوٹا (پس خوردہ) اناج اور اوڑھنا بچھونا اور پہننے کے واسطے پھٹے پرانے کپڑے دینے کا حکم دیا ہے۔ (۱۰ : ۱۲۵)

شاستروں (ہندو شریعت) کے مطابق عمل کرنے والا شودر برہمن کا جھوٹا کھائے۔ (۵ : ۱۴۰)

ویشیہ اور چھتری کے یہاں اگر برہمن آئیں تو وہ مہمان ہوں گے اور برہمن مہمانوں کو پہلے کھانا کھلانا ان ورنوں کا اوّلین فریضہ ہے۔ لیکن اگر ویشیہ، چھتری یا شودر برہمن کے یہاں آئیں تو وہ مہمان متصور نہیں ہوتے ہیں۔ لہٰذا برہمن سب سے پہلے چھتریوں کو کھانا کھلائے پھر ویشیہ اور شودروں کو خدمت گذاروں کی صف میں بٹھا کر کھانا کھلائے۔ (۳ : ۱۱۰-۱۱)

جس کی ریاست میں منصف کے منصب پر شودر فائز ہو، اس راجہ کی قوم کیچڑ میں پھنسی گائے کی طرح تکلیف اٹھاتی ہے (۸:۲۱)

شودروں اور دہریوں سے بھرا ہوا ملک جس میں ایک بھی برہمن آباد نہ ہو، بہت جلد قحط سالی اور بیماری سے تنگ آکر تباہ ہو جاتا ہے۔ (۸ : ۲۲)

اہل علم برہمن ضیافت کے حق سے محروم شودر کا پکایا ہوا کھانا نہ کھائے۔ البتہ اگر اسے کھانے پینے کی تنگی لاحق ہو تو کچا اناج لے لے۔ (۴ : ۲۲۳)

برہمنوں کو اچھوتوں سے تعلق نہ رکھنے کی ہدایت کرتے ہوئے منو کہتے ہیں کہ: پتت (ذلیل)، چنڈال، ملکس، بھنگی، احمق اور دولت کے غرور میں مبتلا نچلی ذات کے لوگوں سے برہمن تعلق نہ رکھے اور نہ ہی انہیں مذہب کی تلقین کرے (۴ : ۷۹)

شودر کے شاگرد اور شودر کے استاد ترک کیے جانے کے قابل ہیں۔ (۳ : ۱۵۶) یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ دان ویرکرن اور ایک لویہ (एकलव्य) (مہابھارت کے کردار) ایسے ہی تلامذہ کی صف میں آتے ہیں جنہیں برہمن اساتذہ کے غصہ اور عتاب کا شکار ہونا پڑا۔

شودروں کا یگیہ کرانے والا برہمن جتنے برہمنوں کو چھو لیتا ہے، اتنے برہمنوں کو کھانا کھلانے کا پورا اجر اسے نہیں ملتا اور ویدوں کا عالم برہمن بھی اگر لالچ میں پڑ کر شودر پروہت کا عطیہ قبول کرے تو وہ پانی میں ڈالے ہوئے مٹی کے کچے برتن کے مانند گل کر ختم ہو جاتا ہے۔ (۳ : ۱۷۸، ۸۹)

یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ منو نے ایک طرف تو شودروں کو ویدوں کے مطالعہ، یگیہ (قربانی اور اس کے متعلقہ دیگر رسوم) کرنے اور کرانے اور خیرات یا دان لینے اور دینے کی اجازت نہیں دی۔ دوسرے، اگر کسی برہمن نے شودر کا یگیہ کرا دیا یا اس سے خیرات قبول کر لیا تو وہ برہمن خود برہمن ذات کے لیے اچھوت ہو گیا۔ ایسی صورتحال میں کسی شودر کے پروہت (پجاری) ہونے کی بات تو سوچی بھی نہیں جا سکتی۔ البتہ ادھر تبدیلی کی کچھ ہوا چلی ہے جس کے تحت وزیر اعلیٰ بہار لالو پرساد یادو، جنہیں منو کے بیشتر پیروکار حقارت سے "للوا" کہتے نظر آتے ہیں، نے مندروں میں ہریجن پجاریوں کے تقرر کی بات چھیڑی تھی۔ ادھر پٹنہ ریلوے جنکشن کے ہنومان مندر میں ایک ہریجن پجاری کا تقرر بھی ہوا ہے۔ مگر یہاں سوال یہ ہے کہ کیا اس پجاری کو عوام و خواص سے وہ عقیدت و احترام ملا ہے جو منو کے پیروکار پجاریوں کو صدیوں سے حاصل ہوتا چلا آرہا ہے؟ کہیں یہ صرف ایک سیاسی عمل تو نہیں ہے؟ اور کیا مذہبی طبقے نے اس کو دل سے قبول کیا ہے۔؟

اچھوتوں کو مذہبی تقریبات سے الگ تھلگ رکھنے کی ہدایت کرتے ہوئے منو کہتے ہیں کہ چنڈال (ڈوم)، بجرطے، حائضہ، خنزیر اور کتے وغیرہ برہمن کو کھاتے ہوئے نہ دیکھ پائیں۔ اگر یہ لوگ برہمن کا دسترخوان، ہوم (مذہبی تقریب) خیرات اور دیوتاؤں کے اعمال ہوتا دیکھ لیں تو یہ سارے اعمال بے نتیجہ و بے سود ہو جاتے ہیں۔ (۲ : ۲۲۹-۴۰)

بعد از مرگ رسومات مذہبی (شرادھ) کے موقعہ پر برہمنوں کے اعزاز میں کی گئی ضیافت کی خوشیوں سے شودر لطف اندوز ہو کر، مرغا پتے پر پھڑپھڑا کر، کتا اس پر نظر ڈال کر، شودر اسے چھو کر، بے اثر اور بے ثمر کر دیتا ہے۔ (۳ : ۲۴۱)

چنانچہ اسی طرح منو، اچھوتوں کو گاؤں سے باہر رہنے کا حکم

دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ چنڈال اور دھرت گاؤں سے باہر رہیں۔ یہ لوگ کسی دھات سے بنا برتن اپنے زیر استعمال نہ رکھیں بلکہ مٹی کے ظروف استعمال کریں، کتے اور گدھے ہی ان کی ملکیت رہیں۔ لاشوں سے اتارے ہوئے کپڑے یہ لوگ زیب تن کریں، مٹی کے ٹوٹے پھوٹے برتنوں میں کھانا کھائیں، لوہے کے زیورات پہنیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ گھومتے پھرتے رہیں ۔۔ مذہبی اعمال کی انجام دہی کے وقت متعلق لوگ نہ تو ان سے ملیں اور نہ ان سے ہم کلام ہوں۔ ان کا لین دین اور معاملات بھی ان ہی کی ذات برادری میں ہوتے چاہئیں۔ انہیں دوسرے کے ہاتھ سے مٹی کے ٹوٹے ہوئے برتن میں اناج دلایا جائے اور رات کے وقت یہ لوگ شہر میں نہ گھومنے پائیں۔ یہ لوگ لاوارث لاشوں کو شمشان میں لے جایا کریں۔ (۵۵ ۵۱ : ۱۰)

ان ہی باتوں کو عظیم شاعر تلسی داس نے ادبی زبان میں اس طرح پیش کیا ہے۔۔

ढोल, गवार, शुद्र पशु नारी ।
ये सब ताड़न के अधिकारी ॥

(رام چرت مانس از تلسی داس، سندر کانڈ، چھند ۶۳ مطبوعہ گیتا پریس، گورکھپور ۲۲واں ایڈیشن سموت ۲۰۳۴ء)

یعنی ڈھول، گنوار، شودر، جانور اور عورت ۔ ان سب پر حکومت کرنے کی ضرورت ہے۔"

غالباً اعلیٰ ذاتوں کے انہیں خیالات اور ان کے طرز عمل سے تنگ آکر ڈاکٹر امبیڈکر نے بمبئی میں "دلت پرلینڈ" کے روبرو "ہمیں تبدیلی مذہب کیوں کرنا ہے؟" کے موضوع پر ۳۱ مئی ۱۹۳۶ء کو تقریر کرتے ہوئے کہا تھا۔

"ہندو سماج میں آپ لوگوں (نچلی ذاتوں) کو بدترین دشمن ۔۔ غلاموں سے بدتر اور جانوروں سے بھی زیادہ نیچ سمجھا جاتا ہے۔

(آر۔ ایس۔ عادل: بابا صاحب امبیڈکر اور اسلام ص۱۱ مطبوعہ دلت مکتی سنگٹھن، ۱۵۰/C رجنا دہار، دلی، ایڈیشن ۱۹۹۲ء)

مسٹر پی شنکر انند نے بھی کہا ہے "ہندو مذہب وہ واحد مذہب ہے جو اپنے ہی بھائیوں کو اچھوت کی صف میں رکھتا ہے۔۔"

(پی۔ شنکر انند، نوبھارت ٹائمس دلی، ۱۲ دسمبر ۹۲ء)

یہی وجہ ہے کہ لوک سبھا کے سابق اسپیکر مسٹر روی رائے منو کے حامیوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دینے کا عزم کرنے کی بات کرتے ہیں۔ (روی رائے، سابق لوک سبھا اسپیکر۔ سنڈے میل (ہندی) ۱۳-۶ مارچ ۱۹۹۳ء)

اب ہم عورتوں کے بارے میں منو کے خیالات پیش کریں گے جن کا مقولہ ہے:

" यत्रनार्यस्तु पूजयन्ते तत्र रमन्ते देवता"

یعنی جہاں عورتوں کی پوجا ہوتی ہے، وہاں دیوتا قیام کرتے ہیں۔ شادی کے سلسلہ میں احکامات دیتے ہوئے منو کہتے ہیں:

शूद्रैव भार्या शूद्रस्य सा च स्वा च विशः स्मृते ।
ते च स्वा चैव राज्ञश्च ताश्च स्वा चाग्रजन्मनः ॥
(मनु ३ १३)

یعنی شودر اپنی برادری کی شودر عورت سے، ویشیہ اپنی ہم برادر عورت اور شودر عورت سے اور برہمن چاروں ورنوں کی لڑکیوں سے شادی کر سکتا ہے۔

اس اشلوک سے یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ شودر کو دوسرے ورنوں کی لڑکیوں سے شادی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ (۹: ۱۵۷)

اعلیٰ ذات کے لوگوں کو منو کی ہدایت ہے کہ وہ خوشحال اور فارغ البال شودروں کے یہاں بھی شادی نہ کریں کیوں کہ شودر سے پیدا ہوا برہمن لڑکی کا بیٹا، شودر ذات میں بھی شمار کیے جانے کے قابل نہیں ہوگا۔ (۸۸ : ۴ اور ۶۷ : ۱۰)

برہمن اگر محض جنسی خواہشات کی تکمیل کے لیے شادی کرنی چاہے تو دیگر ذاتوں کی لڑکیوں سے بھی شادی کر سکتا ہے (۳: ۷) لیکن برہمن اگر اپنی ذات اور غیر ذات۔ دونوں طرح کی لڑکیوں سے شادی کرنی چاہے تو ان عورتوں میں ورن کے مطابق رتبہ کی تعین کرے یعنی چھوٹی اور بڑی بیوی قرار دے (۹:۸۵)

اگر برہمن کے یہاں چاروں ورنوں کی بیویاں موجود ہوں اور چاروں صاحب اولاد نرینہ ہوں تو ان کے بیٹوں کے درمیان تقسیم جائداد کے معاملہ میں منو کہتے ہیں کہ جو لڑکا اپنی ذات کی بیوی سے پیدا ہوا ہو اسے ایک مضبوط بیل، ایک گھوڑا، زیور، گھر تیز تقسیم کی جانے والی چیزوں میں سے جو سب سے عمدہ ہو، برہمن بیوی کی اولاد کو دے کر باپ کی دولت کو ساڑھے سات حصوں میں تقسیم کیا جائے جس میں سے ۳ حصہ برہمن بیوی کی اولاد کو، ۲ حصہ چھتری بیوی کی اولاد کو، ۱½ حصہ ویشیہ عورت کی اولاد کو اور ایک حصہ شودر عورت کی اولاد کو دیں (۹:۱۴۹-۱۵۱) کیونکہ برہمن کے نطفہ سے شودر عورت کے بطن سے پیدا ہوا لڑکا زندہ ہوتے ہوئے بھی لاش کی مانند ہے۔ (۹:۱۷۸)

برہمن کی مختلف ذاتوں کی بیویوں کی دولت اگر ان کے باپ کی طرف سے عطیہ ہو تو ان عورتوں کے مرنے کے بعد ان کی دولت برہمن ذات کے بچوں کی شمار ہوگی۔ (۹ : ۱۹۸)

اگر کوئی شودر کسی بازاری برہمن عورت سے صحبت کرے تو اس کا عضو تناسل کاٹ ڈالا جائے اور اس کی جائداد ضبط کرلی جائے۔ نیز شودر اگر کسی محفوظ برہمن عورت سے ہم بستر ہو تو اس کی ساری دولت اور جائداد ضبط کرکے اس کا قتل کرا دے۔ (۸:۳۷۴)

مگر اعلیٰ ذات کے مردوں کی جنسی تسکین و خدمت کرنے والی

نچلی ذات کی عورت سزا دیئے جانے کے قابل نہیں ہے (۸:۲۶۵-۲۶۶)

شرادھ (بعد از مرگ رسوم کی تکمیل پر ضیافت وغیرہ) میں مدعو برہمن اگر شودر عورت سے ہم بستر ہو تو میزبان شودر کے سارے پاپ دھل جاتے ہیں۔ (۳:۱۹۱)

یہاں منو کے نظام تعزیرات کا ذکر کیے بغیر گفتگو مکمل نہیں ہوگی دراصل منو نے نظام تعزیرات کو بھی ورن ویوستھا کے رنگین چشمے سے ہی دیکھا ہے بلکہ یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ ذات پات پر مبنی نظام معاشرت و تمدن کے قیام کے لیے ہی انہوں نے اس نظام تعزیرات کو وضع کیا۔ جس کے نتیجہ میں انہوں نے ایک ہی طرح کے جرم کے لیے الگ الگ سزا دینے کی وکالت کی تھی۔ پیدائش کو بنیاد مان کر ایک طرح کے جرم کے لیے اعلیٰ ذات کے لوگوں کو بہت معمولی اور ادنیٰ ذات کے لوگوں کو سخت ترین سزا دینے کو درست سمجھنے والا قدیم ذہن آج بھی انسانی مساوات اور سماجی عدل و انصاف کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ انسان کے ذریعہ انسان کے استحصال کا یہ انتہائی نفرت انگیز طریقہ تھا۔

ذیل میں منو کے نظام تعزیرات سے متعلق کچھ اشلوکوں کا ترجمہ دیا جا رہا ہے۔

● اگر دو ورنوں کے صاحب اوصاف حمیدہ اور اہل علم گواہ یکساں تعداد میں موجود ہوں تو برہمن کی گواہی صحیح مانی جائے (۸:۷۳)

● جھوٹی گواہی دینے والے چھتری، ویشیہ اور شودر کو سزا دے کر ملک بدر کر دیں مگر برہمن کو (سزا دیے بغیر ہی) صرف ملک بدر کر دیں۔ (۸:۱۲۳)

● اچھوت، غلام، بوڑھے، بچے وغیرہ گواہی دینے کے قابل نہیں ہو سکتے۔ (۸:۶۶)

● برہمن کو سخت سست (कठोर वचन) کہنے والے چھتری کو سو پن (تانبہ کا ایک سکہ جو اسی کوڑیوں کے برابر ہوتا تھا)، (पण) (کرنسی کا نام)، ویشیہ کو ۱۵۰ پن جرمانہ عائد کریں اور اس جرم کے مرتکب شودر کو جسمانی سزا دیں۔ اور برہمن چھتری کو ایسی ہی سخت سست کہے تو ۱۲ پن کا جرمانہ عائد کیا جائے (۸:۲۶۷-۲۶۸)

● ۱۔ شودر اگر غصہ میں آکر برہمنوں کو ان کا نام اور ذات لے کر گالی دے تو اس کے منہ میں ایک بالشت (دس انگل) گرم گرم لوہے کی سلاخ ڈال دی جائے۔

۲۔ شودر اگر برہمن کو مذہب کی تلقین کرے تو راجہ اس کے منہ میں اور کان میں کھولتا ہوا تیل ڈلوا دے۔ (۸:۲۷۰)

۳۔ منو کہتے ہیں کہ نیچلی ذات کے لوگ اپنے جس حصہ جسم سے برہمن پر حملہ کریں ان کا وہی عضو سزا میں کاٹ ڈالا جائے۔

۴۔ اگر برہمن پہ ہاتھ اٹھائے تو ہاتھ، لات مارے تو پاؤں کاٹ دیا جائے۔

۵۔ نچلے طبقہ کا جو آدمی اعلیٰ ذات کے فرد کے ساتھ ایک نشست پر بیٹھے تو راجہ اس کی شرین کا گوشت کٹوا کر اور کر پہ داغ لگوا کر ملک بدر کر دے۔

۶۔ برہمن پر تھوکنے والے شودر کے دونوں ہونٹ، اس پہ پیشاب کر دینے والے کا عضو تناسل، برہمن کے اوپر ریاح خارج کرنے والے کا مقعد کٹوا دے۔

۷۔ اگر شودر برہمن کے بال، پاؤں، داڑھی، گلا یا فوطہ وغیرہ پکڑ لے تو اس کے دونوں ہاتھ کٹوا دے (۸:۲۷۹-۲۸۳)

● جو شودر کسی برہمن کو عمداً ستائے تو راجہ اسے جان لیوا طریقوں سے ہولناک سزا دے۔ (۹:۲۴۸)

● برہمن کو مارنے کی نیت سے جو شخص طیش میں آکر لاٹھی اٹھاتا ہے وہ سو سال تک تامسر نام کے نرک (دوزخ) میں رہتا ہے، اور جو غصہ میں آکر ایک تنکے سے بھی برہمن کو مارتا ہے وہ اکیس جنموں تک کتے کی دنیا ہی میں چکر لگاتا رہتا ہے۔ اس لیے کوئی صاحب ہوش و عقل آدمی برہمن پر کبھی ہتھیار حتیٰ کہ تنکا بھی نہ اٹھائے۔ (۴:۱۶۵-۱۶۸)

● برہمن کا قتل کرنے والوں کے لیے نجات کا واحد راستہ یہ ہے کہ وہ جنگل میں کٹیا بنا کر ۱۲ سال تک رہے اور ہاتھ میں مردہ انسانی سر لے کر بھیک مانگے اور اس سے جو کچھ میسر آئے اسی کو کھا کر زندگی گزارے۔ (۱۱:۷۲)

● برہمن کو جان سے مار ڈالنے کی دھمکی دینے پر سو سال تک اور لاٹھی سے مارنے پر ہزار سال تک دوزخ میں رہنا پڑتا ہے۔ برہمن کا زمین پہ بہا ہوا خون مٹی کے جتنے ذرات میں ملتا ہے اتنے ہزار سال تک وہ خون بہانے والا جہنم میں قیام کرتا ہے (۱۱:۲۰۶-۲۰۷)

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اونچی ذات کے لوگ نچلی ذات کے لوگوں پر ظلم کریں اور ان کا خون بہائیں تو انہیں کون سی سزا ملے گی؟ — منو سمرتی میں اس سوال کا جواب نہیں ملتا ہے۔

منو جی کے کچھ مزید احکام ملاحظہ ہوں — فرماتے ہیں:

● پست اقوام کا جو فرد لالچ میں آکر اعلیٰ ذات کے لوگوں جیسا کام کرے تو راجہ اس کا سب کچھ چھین کر اسے ملک بدر کر دے۔ (۱۰:۹۶)

● راجہ کا یہ فرض ہے کہ وہ ویشیہ اور شودر کو، خواہ جیسے بھی ہو ان کے اپنے اپنے ورن کے کاموں میں لگائے رکھے۔ (۸:۴۱۸)

● اگر راجہ ایسا نہیں کر سکتا ہے تو برہمن بزور طاقت شودروں وغیرہ کو اپنے کنٹرول میں رکھے گا اور راجہ کی طاقت کی پروا نہ کرے گا۔ اس لیے دیگر ورنوں کے لوگوں کو اپنے اپنے ورن کے کاموں میں لگائے رکھنے کے لیے وہ ان کے خلاف ہتھیار بھی اٹھا سکتا ہے۔ (۸:۳۴۸)

● برہمن اور چھتری میں سے برہمن کو بڑا بتاتے ہوئے منو کہتے ہیں کہ

ब्राह्मण दशवर्ष तु शतवर्ष तु भूमिपम्

पितापुत्रौ विजानीयाद् ब्राह्मणस्तु तयो पिता।

(मनु० २ १३५)

یعنی دس سالہ برہمن لڑکا، سو سالہ عمر چھتری باہم باپ بیٹے کی طرح ہیں۔ مطلب یہ کہ وہ بوڑھا چھتری اس برہمن لڑکے کو باپ جیسا سمجھے۔

یہاں قابل غور پہلو یہ ہے کہ اگر برہمن کے سامنے چھتری کی یہ پوزیشن ہے تو دوسری ذاتوں بالخصوص شودروں اور اچھوتوں کی کیا پوزیشن ہوگی اور اب تک ان کی کیا پوزیشن تھی۔

خلاصہ یہ کہ منو سمرتی چوتھے ورن (شودر) پر پہلے تین ورنوں کا استحصالی حق ثابت کرتی ہے۔ (اروند کار، سابق ایڈیٹر ملاپ، سنڈے میل ۱۲-۷، مارچ ۱۹۹۳ء) امر واقعہ یہ ہے کہ تمام اسمرتیوں میں منو اسمرتی سب سے زیادہ شودر مخالف ہے، اس میں برہمنیت کو اتنا زیادہ بڑھا چڑھا کر اسے اہمیت دے دی گئی ہے کہ بقول منو: اگر برہمن ساری خوبیوں سے عاری ہو جب بھی وہ قابل پرستش و تعظیم ہے نہ کہ تمام خوبیوں سے آراستہ شودر۔ (راجندر نرائن لال: इस्लाम स्वय-सिद्ध सम्पूर्ण जीवन - व्यवस्था। ص ۲۳۔ اسلامی ساہتیہ سدن رام نگر، بنارس)

آج کچھ نیتا نما سادھو اور سادھو نما نیتا ہندوستانی معاشرہ کو منو کے بنائے ہوئے اسی معاشرتی نظام کی طرف لے جانے کی بات کر رہے ہیں جس میں دلتوں کے سایہ سے بھی پرہیز کیا جاتا تھا۔ اس سماجی نظام میں عورتوں، دلتوں، پسماندہ اقوام اور ہریجنوں کو نہ صرف یہ کہ اقتدار سے بے دخل رہنا پڑے گا بلکہ ان کا درجہ جانوروں کی برابری میں آجائے گا، شودر، جانور اور عورت کو ایک کیٹگری میں رکھا جائے گا۔ منو اسمرتی کے مطابق تو صرف اونچی ذات کو ہی راج کرنے کا حق ہوگا۔ (سنڈے میل ۱۲-۷، مارچ ۱۹۹۳ء)

دھرم کا ایک خاص مقصد یہ بتایا جاتا ہے:

सर्वे भवन्तु सुखिन।

सर्वे सन्तु निरामय।

یعنی سارے لوگ سکھی و خوش رہیں، سب کا بھلا (کلیان) ہو اور بے خوف و خطر امن میں ہوں۔ یہاں سوال یہ ہے کہ کیا منو کا وضع کردہ ورن آشرم دھرم، چاروں ورنوں اور اچھوتوں کو یکساں طور سے آرام و سکون دے سکتا ہے؟ کیا پیدائش کی بنیاد پر کسی کو اونچا نیچا اور اچھوت کہنا زیب دیتا ہے اور یہ مبنی بر انصاف ہے۔ جب کہ سچائی تو یہ ہے کہ پیدائش کی بنیاد پر کوئی بڑا، چھوٹا اور اونچا نیچا نہیں ہوتا بلکہ پیدائش کے نقطۂ نظر سے سارے انسان برابر ہیں، بھائی بھائی ہیں۔ ان کی عظمت و بزرگی یا نکمے پن یا ناکارہ پن کی بنیاد پیدائش نہ ہو کر اُن کی دوسروں کے تئیں حسنِ اخلاق اور خوفِ خدا (ईशभय) ہے۔

●●



ہندوتو کے نعرے کی ضرورت کیوں پیش آئی

محمد احمد

مسز اینی بسینٹ نے ہندوازم کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے :

"ہندوازم کے بغیر ہندوستان کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ ہندوازم ہی وہ مٹی ہے جس میں ہندوستان کی جڑیں اتری ہوئی ہیں اگر یہ مٹی ہٹائی گئی تو ہندوستان بکھر جائے گا۔"

بلاشبہ یہ بات مبالغہ کے لہجے میں کہی گئی ہے۔ تاہم اس سے اس کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ درحقیقت اگر ہندوتو کا ابھار موجودہ شکل میں نہ ہوتا یا اس کو ایجاد نہ کیا گیا ہوتا تو ہندو دھرم آج کے مقابلہ کہیں زیادہ بدحالی سے دوچار ہوتا۔ پہلے ہی ہندو سماج کو اس نے 'درد' دیا، مگر اس کے لیے دوا کا اپنا نسخہ بھی اس نے تجویز کیا۔ یہ سلسلہ ایک زمانہ سے چلا آرہا ہے اور اس دوران ہندتو کے نتیجہ میں بھی حالات زمانہ کے اثر سے تغیر واقع ہوتا رہا ہے مگر آج کے دور میں ایسا پہلی بار ہوا ہے کہ اس نے فسطائیت کے شیر کی سواری کی ہے۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ گزشتہ ادوار میں تشدد کا دخل نہ رہا ہو۔ حالانکہ ایسا کبھی کبھار ہی ہوا ہے تاہم اس کی مقدار کافی کم رہی اور کہیں نہ کہیں مذہبی اور انسانی قدریں اس سے وابستہ رہیں۔

آج کے جدید ہندوتو نے بھی 'درد' دیا ہے مگر کیا اس درد کی دوا دینے میں بھی یہ کامیاب ہوسکے گا۔ اس سلسلہ میں طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا ہوگئے ہیں۔ اس شبہ کا بھی اظہار کیا جارہا ہے کہ کہیں یہ اپنی موت آپ نہ مرجائے۔ دوا دینے کی تو بات ہی دور رہی۔ ہندوتو نے جن حالات کی کوکھ سے جنم لیا تھا کہیں وہ اسی کی نذر نہ ہوجائے۔ اس سلسلہ میں کسی نتیجہ پر پہنچنے سے پہلے ان حالات کا جائزہ لینا ضروری ہے جن کی بدولت ہندوتو کے عفریت نے سر اٹھایا۔

ہندوتو کے نعرہ کی ضرورت

ہندوتو کا نعرہ بلند کرنے کی ضرورت آخر کیوں پیش آئی؟ اس سوال کے جواب پر ہی اس کی اہمیت وافادیت اور اس کے مستقبل کو سمجھنے کا انحصار ہے اور اس کے جواب سے یہ بھی ظاہر ہوگا کہ ہندو سماج اس سے کس حد تک متاثر ہوا ہے اور ہورہا ہے؟

ہندوتو کا بانگ بلند کرنے کی ضرورت کے مختلف اسباب رہے ہیں جن میں سے چند بطور خاص درج ذیل ہیں۔

(۱) برہمنیت کی کمزور پڑتی ہوئی گرفت
(۲) ہندو دھرم کا تنگ ہوتا ہوا دائرہ اور سماجی بکھراؤ
(۳) مذہب ومسلک کی تبدیلی
(۴) سماجی اور دیگر قانونی تبدیلیاں

یہاں ہم ان نکات پر علیحدہ علیحدہ گفتگو کریں گے۔ سب سے پہلے ہم اولین نکتہ کو لیتے ہیں :

براہمنتو یا برہمنیت کی کمزور پڑتی ہوئی گرفت

رام داس گوڑ اپنی تصنیف "ہندوتو" میں 'ورن آشرم دھرم' کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہیں :

"ہندوستان کی قدیم تہذیب میں اور ہندوستانی سماج میں اس تنظیم کو اولیت کا درجہ حاصل ہے جسے ہم "ورن آشرم دھرم" کہتے ہیں جو معاشی معاشرتی اور سیاسی حکومت کا ایسا مثالی نمونہ ہے جس کی نظیر ماضی میں نہیں ملتی۔ اس کے مطابق راجہ اور نظام تعزیرات کے بغیر بھی سارے کام انجام پذیر ہوتے تھے اور آج بھی چل سکتے ہیں۔ یہی ہمارا قدیم سوشلزم ہے اسی قدیم سوشلزم کی بنیاد پر بہت طویل عرصہ تک ہمارا معاشرہ خوشحال اور شاہراہ ترقی پر گامزن تھا۔ یہ سماج آج بھی تقریباً قائم ہے۔" ص ۹۳

بعض ہندوستانی مصنفین کی طرح کچھ مغربی مصنفین نے بھی ورن آشرم پر قائم نظام زندگی کی تائید میں تعریف کے پُل باندھے ہیں۔ کچھ مصنفین نے اس پر سخت تنقید بھی کی ہے "سڈنی لو" نے اپنی مشہور تصنیف "وژن آف انڈیا" Vision of India IInd Edition 1907, P. 262-63 میں ورن آشرم کی تعریف میں قلم توڑ دیا ہے۔ اس طرح ایک دوسرے مغربی مصنف "ابے ڈوبے" نے آج سے تقریباً ڈیڑھ سو سال قبل اس نظام کی تعریف کے گن گائے تھے۔ مگر "مین" نے اپنی کتاب Ancient law, 1930 P.17 میں اس کے تباہ کن اور خطرناک رواج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بھرپور تنقید کی ہے۔

"شیرنگ" نے Hindu Tribes & Castes جلد سوم

صـ۲۹۳ میں ہندوستان میں مروج ذات پات کے نظام کی مذمت کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی ہے ۔ P.V Kane کے مطابق بعض لوگوں نے ذات پات کے نظام کو عیار برہمنوں کی ایجاد تسلیم کیا ہے " ملاحظہ ہو : دھرم شاستر کا اتہاس جلد ا صـ۱۰۹ ۔

رگ وید میں کئی مقامات پر ورن کے معنیٰ رنگ ، یا روشنی بتایا گیا ہے ۔ ملاحظہ ہو : رگ وید ۷-۳۳-۱ ، ۵-۳-۲ ، ۱۵-۹۷-۹ ، ۴-۱۰۴-۹ ، ۴۰-۱۰۵-۹ ، ۷-۱۲۴-۱۰ ۔

رگ وید میں بعض مقامات پر ورن کا تعلق ایسے لوگوں سے بتایا گیا ہے جن کی جلد کالی ہے یا گوری ۔ جیسے ۴-۱۲-۲ ، ۶۰-۱۷۹-۱

تیتریہ براہمن तैत्तरीय ब्राह्मण (۱-۲-۶) میں آیا ہے کہ برہمن خدائی ذات ہے اور شودر شیطانی (اسُر) ذات ہے ۔

شروع میں 'آریہ' اور 'داس' یا 'دسیُو' (غلام) دو ہی طبقے تھے ۔ آریہ اپنے ذاتی اقتدار اور اغراض کے لیے دسیویوں दस्यु سے برسر پیکار رہے ۔ ہرگووند نے " بھارتیہ سماج کا وکاس " نامی کتاب میں صـ۱۹ پر لکھا ہے :

" رگ وید کے مطابق ایک لمبے عرصہ تک آریوں اور دسیویوں کے درمیان جنگ ہوئی ۔ شکست خوردہ دسیویوں میں سے داس (غلام) اور داسیاں (لونڈیاں) بنالی گئیں ۔ 'دسیو' दस्यु کے لفظی معنیٰ " تکلیف پہنچانے والا " ہے ۔ لفظ " داس " کو بھی مختلف مقامات پر اسی معنیٰ میں استعمال کیا گیا ہے ۔ لیکن آگے چل کر داس ، سُداس اور دِوودا س दिवोदास بن گئے ۔ 'داس' کو ہی بعد میں شودر کہا گیا ۔ 'شودر' لفظ کے معنیٰ غم کرنے والا ہے "

رگ وید میں آریوں اور دسیویوں کے درمیان دشمنی سے تعلق رکھنے والی بہت سی چیزیں ملتی ہیں ۔ اس سلسلہ میں داسوں یا دسیویوں کو شکست دینے اور آریوں کی مدد کرنے کی خاطر اِندر دیوتا اور دوسرے دیوتاؤں کی حمد اور ستائش کی گئی ہے ۔ ملاحظہ ہو :

رگ وید : ۸-۵۱-۱ ، ۳۰-۳-۱-۱ ، ۲۱-۱۱۷-۱ ، ۲-۱۱-۲ ، ۴-۱۱-۲ ، ۸-۱۱-۲ ، ۱۹-۱۱-۲ ، ۹-۲۹-۳ ، ۳-۷۰-۵ ، ۶-۵-۷ ، ۴۰-۸۸-۹ ، ۳-۱۸-۶ ، ۲-۲۵-۶ ،

رگ وید : ۸-۲۲-۱۰ کے مطابق دسیو اور داس دونوں ایک ہی ہیں ۔ دسیو لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ دیوتاؤں کے قواعد و ضوابط اور ان کے طور طریق کو تسلیم نہیں کرتے ۔ یگیہ نہیں کرتے ، صاف گو اور شیریں کلام نہیں ہیں ۔ گونگے یا چپٹی ناک والے ہیں داسوں اور دسیویوں کو گاہے گاہے " اسُر " کے خطاب سے بھی نوازا جاتا ہے ۔

ڈاکٹر جگدیش چندر جین اپنی کتاب سمپردائے واد (فرقہ واریت) طبع اول سنہ ۱۹۵۰ء ، صـ۱۸-۱۹ پر رقمطراز ہیں :

" آریہ لوگ جنگجو تھے اور جنگ میں فتحیاب ہونے کے لیے ، غلہ اور مویشیوں کے حصول کے لیے ، کھیتوں میں بارش کے لیے نیز اپنے اور اپنی اولاد کی درازیٔ عمر اور خوشحالی و استحکام کے لیے اِندر ، اگنی وغیرہ دیوتاؤں کو پکارتے تھے ۔ اس کے برعکس ہندوستان جیسے گرم آب و ہوا والے ملک میں عرصۂ دراز سے رہتے چلے آنے کی وجہ سے غیر آریہ لوگوں کا رنگ سانولا ، آنکھیں کالی ، بال کالے ، ناک چھوٹی اور چپٹی اور قد پستہ تھا ۔ ان لوگوں کو داس یا دسیو کہہ کر پکارا جاتا تھا ۔ یہ لوگ یگیہ وغیرہ نہیں کرتے تھے ۔ دیوتاؤں کو نہیں مانتے تھے اور ورت (روزہ) نہیں رکھتے تھے ۔ آگے چل کر دیگر آریہ ذاتوں کے ساتھ " ان لوگوں کو بھی شودر کہہ کر پکارا جانے لگا "

ویدک کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آریہ اور غیر آریوں کے درمیان سمجھوتہ ہوگیا تھا اور ان میں باہم قرابت داری کے رشتے قائم ہوگئے تھے مگر یہ چیز زیادہ دنوں تک برقرار نہ رہ سکی اور ورن آشرم پر مبنی نظام قائم کردیا گیا

ورن اور ذاتیں ست جگ میں نہیں تھیں ۔ یہ 'تریتا جگ' کی پیداوار ہیں "

ملاحظہ ہو : مہابھارت : ۳۵-۲۳۲

متسیہ پُران : ۵۱-۱۴۱

ورن کی بنیاد کرم پر ہوتی تھی ۔

برہمن کی پیدائش

پی وی کانے کا قول ہے : قدیم زمانہ میں لفظ " ورن " صرف داس (غلاموں) اور آریہ سے متعلق تھا اگرچہ برہمن اور چھتری لفظ رگ وید میں عام طور سے استعمال ہوئے ہیں مگر لفظ " ورن " کا ان سے کوئی تعلق نہ تھا ۔ (دھرم شاستر کا اتہاس ج ۲ ا صـ۱۱)

کانے جی کی بات صحیح نہیں معلوم ہوتی ۔ ورن آشرم پر مبنی نظام کا اول اول ذکر ہمیں رگ وید کے پُرشس سُوکت : ۱۰-۹۰-۱۲ ہی میں مل جاتا ہے ۔

ब्राह्मणोऽस्य मुखमासीद बाहू राजन्य कृत ।
उरू तदस्य यद्वैश्य पद्भ्या शूद्रो आजयत ।।

یعنی اس پُرشس (پرمیشور) کے منھ سے برہمن ، ہاتھوں سے چھتری ، ران سے ویشیہ اور پیروں سے شودر پیدا ہوئے ۔

اسی مفہوم سے ملتی جلتی بات رگ وید کے علاوہ یجروید : ۱۱-۳۱ ، اتھروید ۶-۶-۱۹ ، بھگودگیتا : ۴-۱۳ ، منوسمرتی : ۱-۳۱ ، مال وکاگنی منتر : ۱۳-۲-۱ ، ۹۶-۱ میں بھی آئی ہے ۔ کانے جی کہتے ہیں : رگ وید میں پرش سوکت کو چھوڑ کر کہیں بھی ویشیہ اور شودر لفظ نہیں آئے ہیں ، اگرچہ اتھروید میں کئی بار اور تیتریہ سنگھتا میں متعدد بار آئے ہیں ۔ بہت سے لوگوں کا کہنا ہے کہ پرشس سوکت رگ وید میں بعد کے زمانہ میں جوڑا گیا ہے (یعنی یہ الحاقی حصہ ہے) رگ وید میں برہمن لفظ کئی بار آیا ہے

مگر کسی مخصوص ذات کے معنیٰ میں استعمال نہیں ہوا ہے ....

رگ وید میں "برہم" لفظ کے معنیٰ ہیں : استدعاء (پرارتھنا) یا تعریف۔ اتھروید : ۴-۱۵-۲ میں لفظ "برہم" طبقہ برہمن کے معنیٰ میں آیا ہے۔ "برہم" لفظ کا برہمنوں کے لیے استعمال ہوجانا ایک فطری بات ہے کیونکہ برہمن ہی پرارتھنا، حمد اور دعائیہ کلمات کے خالق / مرتب ہوتے تھے ...... رگ وید کے دور میں چھتریوں اور برہمنوں کے درمیان کام کاج کے نقطۂ نظر سے کوئی فرق نہیں تھا" حوالہ مذکور ص ۱۱۰۔۱۱۱

آگے بڑھنے سے پہلے یہاں ورن اور ذات میں فرق کو سمجھ لینا ضروری معلوم ہو رہا ہے۔ شری نند لال ساگر نے اپنی تصنیف "ہندو سنسکرتی میں ورن ویوستھا اور ذات بھید" میں اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کی ہے جس کی کچھ خاص باتیں اس طرح ہیں :

۱۔ ورن اور ذات میں پہلا فرق یہ ہے کہ اول ورنوں کی تشکیل عمل میں آئی اور بعد میں ورنوں سے ذاتیں بنیں۔

۲۔ دوسرا خاص فرق یہ ہے کہ شروع میں ورن کی بنیاد کام (یعنی پیشہ / حرفہ) کو قرار دیا جاتا تھا چنانچہ اپنے کام کاج اور پیشے کو بدل کر کوئی بھی شخص دوسرے ورن میں جاسکتا تھا۔ برہمن، چھتری، ویشیہ اور شودر ہوسکتا تھا، ویشیہ برہمن، چھتری اور شودر ہوسکتا تھا۔ اور شودر برہمن چھتری اور ویشیہ ہوسکتا تھا۔ مگر آہستہ آہستہ جوں جوں ورنوں سے ذاتیں بنیں، ان کی بنیاد پیدائش کو سمجھا جانے لگا۔

۳۔ ورن اور ذات میں تیسرا فرق یہ ہے کہ ایک ورن میں مختلف ذاتوں کی شمولیت ہے مگر ایک ذات میں دوسری ذات نہیں آتی ہے۔ ورن صرف چار ہیں مگر چار ورنوں سے بنی ذاتوں کی تعداد بے شمار ہیں اور ان کے علاوہ ذیلی ذاتیں بھی ہیں۔ صرف برہمنوں کے ہی دو ہزار اپ جاتیاں (ذیلی ذاتیں) ہیں۔ سارسوت برہمنوں کی ہی ۴۶۹ شاخیں ہیں۔ چھتریوں کی ۵۹۰ اور ویشیوں اور شودروں کی تو اس سے زیادہ شاخیں ہیں۔

ہندو سنسکرتی میں ورن ویوستھا اور ذات بھید ص ۴۴-۴۵

برہمن گرنتھوں کے زمانہ میں چاروں ورن پیدائش کی بنیاد پر متعین اور جامد گروہوں میں منقسم ہوچکے تھے۔ جیسے جیسے ہنر، کاریگری، صنعت و حرفت کی تعداد میں اضافہ ہوا اور اس میں پیچیدگیاں پیدا ہوئیں، اسی بنیاد پر پیشوں کی بنیاد پر ذاتوں کا فروغ ہوا۔

(ڈاکٹر رادھا کرشنن)

رگ وید میں نائی (رگ وید : ۴-۱۴۲-۱۰) بڑھئی (رگ وید : ۴-۱-۶۱، ۱۰-۲-۳۲-۷)، لوہار (رگ وید : ۲-۲-۷۲-۱۰، ۲-۱۱۲-۹) چمار (رگ وید: ۳۸-۵-۸) سوت (اتھر وید : ۷-۵-۳)، لوہار یا کرمار (اتھر وید ۶-۵-۳) وغیرہ ذاتوں کا ذکر آیا ہے۔ تیتریہ سنگھتا (۲-۴-۵-۴) میں بڑھئی، کلال (کمہار)، لوہا اور نشاد (مچھوارے چڑی مار) وغیرہ ذاتوں کے نام آئے ہیں۔ یہ نام واج سنیئی سنگھتا वाजसनेयी संहिता (۳۰-۵-۱۳، ۱۶-۲۶-۲۸) اور کاٹھک سنگھتا काठक (۲۴-۱۷) میں بھی ملتے ہیں۔

برہمنیت یا براہمن واد کیا ہے؟

ڈاکٹر راج بلی پانڈے کے مطابق برہم کے معنیٰ ہیں: "وید کا پڑھنے والا یا پرماتما کو جاننے والا (عارف باللہ) رگ وید کی بہ نسبت دیگر سنگھتاؤں میں یہ عام استعمال کا لفظ ہوگیا۔ ان سنگھتاؤں (ویدوں) میں یہ لفظ برہم "پروہت" کے معنیٰ میں مستعمل ہے ....."

ویدک صحیفوں میں یہ ورن چھتریوں سے اونچا تسلیم کیا گیا ہے" ملاحظہ ہو : ہندو دھرم کوش ص ۴۶۰

اس وقت معاشرہ میں یگیوں यज्ञों کا کافی اونچا مقام تھا۔ معاشرہ کی ہر چیز یگیہ ہی کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ یہ قدیم ہندوتو کے پہلا زینہ تھا۔ وہ اپنے ابتدائی دور سے ہی ورن پر مبنی نظام کے ساتھ آیا اور چند طاقتور ہاتھوں کے ذریعہ اس کی پرورش و پرداخت ہونے لگی۔ یگیوں پر برہمنوں کی گرفت مضبوط ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ عام گھریلو قسم کے یگیہ بھی برہمن کا تعاون حاصل کئے بغیر انجام پذیر نہیں ہوسکتے تھے البتہ خاص خاص اعمال (شروت تو) اس کے بغیر کئے ہی نہیں جا سکتے تھے۔ ان اعمال کی باقاعدہ انجام دہی پر جو معاشی فائدہ حاصل ہوتا اس میں دکشنا (نذرانہ) کے علاوہ پروہت (پجاری) خود ججمان (جو شخص اپنے یہاں پروہت کو بلا کر اپنے خرچہ پر سب کام کراتا ہے ججمان کہلاتا ہے) کا سہیم و شریک ہوتا تھا۔ پروہت کا مقام کافی بلند ہوتا تھا" (ہندو دھرم کوش ص ۴۶۰، دی ڈکشنری آف ہندوازم ص ۵۱)۔

اس طرح جب پروہتوں کی اہمیت میں اضافہ ہوا اور دان دکشنا (عطیات اور نذرانوں) سے ان کی توضیع ہونے لگی تو پروہتوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہونے لگا۔ ٹھیک اسی وقت حکمراں طبقہ نے موقع غنیمت جان کر انہیں عطیہ وغیرہ دے کر ان کی تعظیم و توقیر کو بڑھایا۔ جب ان کا اثر و رسوخ قائم ہوگیا تو معاً انہیں یہ خیال آیا کہ کہیں دوسرے ورن (ذات) کے لوگ بھی اپنی خوبیوں، صلاحیتوں اور اعمال کے ذریعہ ترقی کرتے کرتے ان کا مقام حاصل کر کے ان کو ملنے والا دان دکشنا (عطیہ نذرانہ) ختم نہ کردیں (کیوں کہ ذات پات پر مبنی نظام کی بنیاد کرم تھا) اس لیے انہوں نے منتروں کے علم وغیرہ کو رازدارانہ قرار دیدیا۔ اور یہ طے کیا کہ ویدوں کا علم ان کے خاندان سے باہر نہ جانے پائے۔ اس وقت وید کے مشہور پرش سوکت (اہم ترین منتروں کے مجموعہ) کی تصنیف کر کے اسے ویدوں کا جزو لاینفک بنا دیا گیا۔ اس میں کہا گیا کہ پرجاپتی (خالق، برہما) کے منھ سے برہمن، بازو سے چھتری، رانوں سے ویشیہ اور پیروں سے شودر پیدا ہوئے۔ ملاحظہ ہو: سپجرائے

واد सम्प्रदायवाद از ڈاکٹر جیندر جین، ص ۲۷۔

ذات پات پر مبنی نظام برہمنی صحیفوں کی تصنیف کے زمانہ میں اتنا مستحکم ہوگیا تھا کہ دیوتاؤں میں بھی ذاتوں کی بنیاد پر تقسیم عمل میں آگئی تھی۔ چنانچہ 'اگنی' اور 'برہسپتی' دیوتا برہمن تھے جبکہ 'اندر' 'ورن' 'اوریم' چھتری تھے: 'وسو'، 'رُدر' 'وشوے دیو' اور 'مرُت' ویشیہ تھے۔ اور پُوشا نام کا دیوتا شودر تھا۔ اسی طرح یہ بھی کہا گیا ہے کہ برہمن موسم بہار ہیں، چھتری موسم گرما اور ویشیہ موسم برسات ہیں۔ ملاحظہ ہو: دھرم شاستر کا اتہاس' از پی وی کانے ج ا ص ۱۱۴۔

مطالعہ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ برہمنوں نے اپنی حیثیت اور مقام کو بلند کرنے کے لیے ورن آشرم (ذات پات پر مبنی معاشرتی نظام) کی بنیاد ڈالنے کے ساتھ ہی خود کو مختار کل مانتے ہوئے دیوتا ہی قرار دے لیا تھا۔ یہ برہمنیت کا نیا قدم اور قدیم ہندوتو کا دوسرا زینہ تھا۔ تیتتریہ برہمن (۳-۷-۳)، مہابھارت۔ شانتی پرب: (۱۴-۳۴۳، ۱۳-۳۴۳)، وششٹھ دھرم سوتر: (۲۱۵-۳۰)، منوسمرتی: (۱۱۷-۴) اور لکھت گرہست رتناکر: (۲۱) میں واضح طور پر کہا گیا ہے۔

"ویدوں کے زمانہ میں بھی برہمن دیوتاؤں ہی جیسے سمجھے جاتے تھے اور محض پیدائش ہی کی بنیاد پر وہ دیگر ذاتوں سے بہت بلند تھے۔"

پی وی کانے کے مطابق "دھرم شاستروں (ہندو نظام معاشرت وسیاست سے متعلق تصانیف) میں بھی ویدک دور میں برہمنوں کو بخشی گئی عظمت واہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اسمرتیاں اور پُران برہمنوں کی عظمت اور مدح و منقبت سے مملو ہیں۔ ان سب کے متعلق تفصیلات پیش کرنا یہاں ممکن نہیں ہے بطور بانگی ــ مشتے نمونہ از خروارے ملاحظہ ہو۔:

دیوتا تو عالم غیب میں رہنے والے دیوتا ہیں مگر برہمن مجسم ظہور والا دیوتا ہے۔ اس عالم ہست وبود کی تشکیل برہمنوں کے ذریعہ ہوئی ہے۔ برہمنوں کی مہربانی ہی کے طفیل دیوتا سورگ (جنت) میں مقیم ہیں۔ برہمنوں کے ذریعہ ادا کیے گئے الفاظ جھوٹے نہیں ہوتے۔"

ملاحظہ ہو: وشنو دھرم سوتر (۲۲/۲۰-۱۹)، تیتتریہ سنگھتا: (۱-۳-۷-۱)، تیتتریہ آرنیک (۲-۱۵)
شت پتھ برہمن: (۲-۴-۴-۱۲)، اور اتر رام چرت: ۵ تانڈیہ مہابراہمن ۶-۱-۶۔ منو نے برہمنوں کو انتہائی بلند تسلیم کیا ہے (۱۰۰-۱)

منو نے اِس ضمن میں نہایت مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔ ملاحظہ ہو: منوسمرتی (۲۲۱-۳۱۳-۹) برہمن پیدائش سے ہی قابل تعظیم واحترام ہے۔ (۸۴-۱۱)

پراشر نے کہا ہے: برت (روزہ)، تپ (تپسیہ، ریاضت) اور یگیہ کے اعمال ورسوم میں جو بھی نقص اور خامی رہ جائے وہ برہمنوں کی منظوری سے ختم ہوجاتی ہیں، برہمن جو کچھ بولتے ہیں، وہ دیوتا کی

کہی ہوئی بات ہوتی ہے۔ برہمنوں میں تمام دیوتاؤں کی خصوصیات اور اوصاف جمع ہیں۔ ان کے الفاظ لغو نہیں ہوتے" (۵۳-۵۲/۶)

(اسی سے ملتی جلتی بات 'شانا تپ' : ۳۱-۳۰/۱ میں بھی آئی ہے) مہابھارت میں بالعموم برہمنوں کی مدح ومنقبت بیان کی گئی ہے 'آدی پرب' (باب ۴۰-۳/۲۸) کے مطابق برہمن کو جب مشتعل کردیا جاتا ہے تو وہ اگنی، سورج وِشش (زہر) اور شستر (اسلحہ) ہوجاتا ہے برہمن تمام ذی روح مخلوقات کا گرو (استاد) ہے (یہی بات مہابھارت کے آدی پرب (باب ۲۳-۸۱ اور ۲۵، متسیہ پران ۲۸-۳۰، اور ۲۵ میں آئی ہے)۔ ون پرب : (۱۶-۳۰۲) کے مطابق برہمن نہایت اعلیٰ وارفع ہے اور وہ ریاضت مجسم ہے۔ برہمنوں کو سلام کرنے کی وجہ سے ہی سورج دیوتا۔ سورگ (بہشت) میں جلوہ افروز ہے (اسی سے ملتی جلتی بات رگ وید: ۹-۱۵۲-۲، ۹-۷/۵۰-۴ اور شتپتھ براہمن ۵-۱-۳-۲ میں آئی ہے) انُشاسَن پرَب : (۱۰ا۳۴) اور شانتی پرب : ۲۲ : ۵۶ میں بھی برہمنوں کی اہمیت بیان کی گئی ہے" حوالہ ایضاً ص ۱۵۵

ظاہر ہے، یہ باتیں برہمنوں نے اپنی اہمیت بڑھانے اور اپنے اقتدار کو مستحکم رکھنے کی خاطر وضع کیں۔ اپنی پوزیشن برقرار رکھنے کے لیے دوسری ذاتوں کے کام تقسیم کردیئے گئے۔ چنانچہ تیتریہ برہمن' (۱-۴-۳) میں آیا ہے: "وِدیاؤں یعنی علوم کی تدریس کے لیے برہمن' دفاع کیلئے چھتری، زراعت وتجارت کے لیے ویشیہ اور خدمت انجام دینے کے لیے شودر ہیں"

منو سمرتی (۸۹-۱) اور گیتا (۴۳-۱۸) میں چھتریوں کے کام درج ہیں (دیکھیں ہندوستانی مذاہب نمبر، دعوت)

وِشنو پران : (۲۷ ۲۶-۸-۳) کے مطابق : "چھتری کے لیے مناسب ہے کہ وہ برہمنوں کو حسب خواہش خیرات (دان) دے۔ مختلف قسم کے یگیہ ——— کرے' مطالعہ کا اہتمام کرے' اسلحہ ساتھ میں رکھے اور اہل زمین کی حفاظت کرے۔ وشنو اسمرتی، سنگھ اسمرتی، کامندکیہ نیتی سار कामन्दकीय नीतिसार اور دوسری کتابوں میں تقریباً اسی سے ملتی جلتی باتیں موجود ہیں۔ منواسمرتی : (۹۰-۱) اور گیتا (۴۴-۱۸) میں ویشیوں کے فرائض درج ہیں۔ دیکھیں (ہندوستانی مذاہب نمبر مارچ ۱۹۹۳ء۔ دعوت)

وشنو پران विष्णुपुराण : (۳۰-۸-۳)، اتری اسمرتی کامندکیہ نیتی سار कामन्दकीय नीतिसार میں ایسی ہی باتیں ملتی ہیں۔

منواسمرتی (۹۱-۱) کے مطابق شودروں کا صرف ایک ہی کام ہے کہ وہ اپنے سے اعلیٰ تین ذاتوں کی خدمت خوش دلی سے کریں۔ گیتا : (۴۴-۱۸) میں ہے : "تمام ذاتوں کی خدمت کرنا شودر کا فطری کام ہے"

ڈاکٹر بھیکن لال آتریہ اپنی تصنیف "بھارتیہ نیتی شاستر کے ص ۱۲۰ پر اتری اسمرتی کے حوالہ سے رقمطراز ہیں کہ کھیتی کرنا اعلیٰ ذاتوں کی خدمت اور بڑھئی وغیرہ کا کام شودر کے فرائض منصبی ہیں۔

"پراشر اسمرتی کے مطابق بھی اعلیٰ ذاتوں کی خدمت کرنا شودر کا اہم ترین فریضہ ہے"

اسی کتاب کے ص ۳۳۹ پر ہے :

کامندکیہ نیتی سار میں بھی اعلیٰ ذاتوں خدمت کرنا، بڑھئی، لوہار اور ناچنے گانے وغیرہ کا کام بھی شودر کا ہے۔ (۲۱-۴)

علاوہ ازیں شودروں کے لیے بطور خاص سخت قوانین بنائے گئے جن کی تفصیل میں جانے کی یہاں گنجائش نہیں، مختصراً اتنا ہی بتادینا کافی ہوگا کہ برہمنوں نے جہاں طرح طرح کی علمی باتیں بتائیں وہیں برہمنیت نے اپنے استحکام اور بقاء کے لیے غیر انسانی طریقوں کا سہارا لینے میں بھی کوئی دریغ نہیں کیا۔

پروفیسر شودت گیانی رقمطراز ہیں :

جس ملک میں نوع انسانی کو ترقی یافتہ بنانے کے لیے اعلیٰ درجہ کے اصول بنائے گئے اور اعلیٰ وارفع معاشرتی نظام تشکیل دیا گیا ہو، وہاں انسانی معاشرہ کے ایک ناگزیر جزو کو اچھوت کہہ کر ٹھکرایا جائے۔ یہ نہایت افسوس اور تعجب کا مقام ہے .... ویدوں اور اسمرتوں کے ماننے والے اعلیٰ ذاتوں کے ہندو خود اپنے سماج کے ایک حصہ کو کاٹ پھینکنے میں ذرا بھی نہیں جھجکتے بلکہ اپنے اس بُرے فعل کو شُرتی (یعنی وید) اور اسمرتی کے مطابق ماننے کی غلطی کرتے ہیں۔ اسی مسموم ذہنیت کی بنا پر سماج اور قوم کا کتنا نقصان ہورہا ہے۔ یہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو : بھارتیہ سنسکرتی ص ۱۷۴

حد یہ ہے کہ گاندھی جی تک یہ کہا کرتے تھے کہ ہم لوگ اپنے اسلاف کے گناہوں کو دھونے کے لیے ہریجنوں کی سیوا کرتے ہیں۔

ان تفصیلات سے یہ بات واضح ہوئی کہ برہمنوں کو ہندو سماج میں سب سے بلند مقام حاصل ہے۔ اس پوزیشن کو برقرار رکھنے کے لیے جو بھی اقدامات کیے گئے اور جو کیے جارہے ہیں اسے برہمنیت ब्राह्मणत्व या ब्राह्मणवाद کہتے ہیں۔ ہندوتو کا زیادہ تر حصہ اسی پر مشتمل ہے بلکہ بیشتر حضرات کی نظر میں یہ ہندتو ہی ہے، صرف نام کا فرق ہے۔

مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ برہمنیت کو جب بھی کچھ کمزور ہونے لگے تو اسے بچانے یا اسے ازسرنو قائم کرنے کیلئے جو بھی اقدام کیے گئے اور کیے جارہے ہیں، وہ زیادہ تر ہندتو کے نام پر کیے گئے اور کیے جارہے ہیں۔ اس کے لیے ہندوتو لفظ کی ضرورت نعرے کی شکل میں پڑی۔ خواہ وہ برہمنیت سے اکتا کر نوزائیدہ بودھ اور جین مذاہب پر ازسرنو

حاوی ہونے کا معاملہ ہو یا اسلام کی ہندوستان میں آمد کے نتیجہ میں اس کے اثرات سے ہندو دھرم یا برہمن دھرم کو محفوظ رکھنے کی حکمت عملی ہو یا سکھ مذہب کو ہندو مذہب میں ضم کرنے کی کوشش کا معاملہ ہو — اس ہندوتو کا نعرہ لگایا گیا اور لگایا جارہا ہے۔ درحقیقت ہندوتو کے نعرہ کی ضرورت برہمنیت یا برہمنواد کی حفاظت ہی کے لیے پیش آئی۔ برہمنیت کی حفاظت کے اس عمل کو تہذیب کی حفاظت کا نام بھی دیا گیا۔

ہندو مذہب کا تنگ ہوتا دائرہ اور سماجی انتشار

اس عنوان کے تحت ہم صرف ہندوتو کے نعرہ کے ان وجوہ کو تلاش کرنے کی کوشش کریں گے جو قدیم ہندوتو سے وابستہ تھیں اور جن کی وجہ سے ہندو مذہب کا دائرہ تنگ ہونے لگا اور سماجی انتشار کی نوبت آگئی۔ اس زمانہ میں ہندو مذہب یا برہمنیت کے خلاف پرست بغاوت کا علَم بلند کیا گیا جس کے نتیجہ میں آجیوک، بودھ، جین وغیرہ مذاہب اور فرقے وجود میں آئے۔ ان کی خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے کسی بیرونی مذہب یا مسلک کو اپنا پسندیدہ مذہب یا مسلک کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا بلکہ خود اپنا پسندیدہ نظام حیات تیار کیا۔ رام دھاری سنگھ دِنکر اپنی معروف کتاب ”سنسکرتی کے چار ادھیائے (تمدن کے چار ابواب)“ میں ”قدیم ہندوتو سے بغاوت“ باب کے تحت لکھتے ہیں:

بغاوت ایسی کوئی چیز نہیں ہوتی جس کا ظہور اچانک ہوجاتا ہو۔ مواد بہنے سے پہلے بہت دن تک زخم پکتا رہتا ہے۔ افکار بھی دوسروں کو چیلنج کرنے سے پہلے برسہا برس تک نیم بیداری کے عالم میں پھیلتے رہتے ہیں۔ ویدک دھرم مکمل نہیں ہے۔ اس بات کا ثبوت خود اُپنشدوں سے ملنے لگا تھا۔ اگرچہ ویدوں کے مستند ہونے میں اُپنشدوں نے شک وشبہ ظاہر نہیں کیا تاہم ویدک مذہب کے اعمال اور سورگ یعنی جنت کو غلط بتا کر گویا اپنشدوں نے ہی ویدوں پر تنقید شروع کردی تھی۔ ویدوں میں سب سے زیادہ اہمیت یگیہ کو دی گئی تھی۔ یگیوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہونے کی وجہ سے سماج میں برہمنوں کو کلیدی حیثیت حاصل ہوگئی تھی۔ چنانچہ اس صورت حال پر سماج نے تنقید کرنا شروع کردیا اور لوگوں کو یہ شبہ دامنگیر ہوگیا کہ انسان اور اس کی نجات کے درمیان برہمن کا حائل ہونا واقعی درست نہیں ہے۔ تنقید کے اسی روزافزوں رجحان نے بالآخر ۶۰۰ ق م میں ویدک دھرم کے خلاف کھلی بغاوت کا دروازہ کھولا جس کا منظم شکل میں ظہور جین اور بودھ مذہب کی شکل میں ہوا۔“ ص ۱۳۷

بودھ اور جین مذاہب کے ظہور سے قبل آجیوک فرقہ، قدیم ہندوتو سے بغاوت کرکے علیحدہ ہوگیا تھا۔ محقق سانولیہ بہاری لال ورما کے مطابق ”یہ فرقہ بودھ اور جین متوں سے بھی زیادہ قدیم تر ہے۔ اس وقت اس کا شمار بڑے مذاہب میں ہوتا تھا مگر امتدادِ زمانہ کے اثرات کے تحت کسی موثر قائد کے نہ ہونے کی وجہ سے یہ مت عوام میں مقبولیت نہ حاصل کرسکا اور آہستہ آہستہ دیگر فرقوں میں تحلیل ہوگیا۔“ وشودھرم درشن ص ۱۳۵۔

آجیوک سمپردائے (فرقہ) کو فروغ دینے کے سلسلہ میں گوشال کا نام بطور خاص لیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر ہارن لے وغیرہ بعض محققین نے گوشال ہی کو اس فرقہ کا بانی تسلیم کیا ہے۔

گوشال کے بعد اس فرقہ میں آچاریہ اینیک (अनेक) مل رام، مالیہ منڈت، روہ، بھاردواج، گوتم پُتر ارجن اور مکھلی پُتر گوشال मक्खलि पुत्र ہوئے۔ اس فرقہ کے فروغ میں شراوستی श्रावस्ती شہر (موجودہ بہرائچ ضلع میں) سے تعلق رکھنے والی ہالہ ہلا نامی خاتون نے بڑا اہم رول ادا کیا تھا۔

آجیوک فرقہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا کوئی اپنا صحیفہ (گرنتھ) دستیاب نہیں ہے۔ اس لیے انہیں سمجھنے کے لیے بودھ اور جین مذہب کے صحیفے ہی واحد ذریعہ ہیں۔ اس فرقہ کے متبعین میں دو گروہ ہوگئے تھے (۱) بھکشو اور (۲) گرہستھ۔

آجیوک لوگ روح کے قائل، پُنر جنم (عقیدہ تناسخ) اور نجات کے عقیدہ پر ایمان رکھتے تھے۔ آجیوک آچاریہ کا یہ خیال تھا کہ روح مجسم ہے۔ آجیوکوں کا جو خاص اصول تھا وہ یہ کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہوتا ہے یا انسان جو کچھ بھی کرتا ہے وہ خدا کی طرف سے طے شدہ ہوتا ہے۔ اسے اصطلاح میں نیتی واد नियतिवाद کہتے ہیں۔ ان کے عقیدہ کے مطابق دنیا میں رونما ہونے والا ہر واقعہ اسی تقدیری اصول کے تحت ظہور پذیر ہوتا ہے۔ انسان کی کوششوں کے نتیجہ میں اس کی نجات نہیں ہوتی۔ تمام ذی روح اتفاق اور قسمت کے طفیل آرام پاتے اور تکلیف جھیلتے ہیں

اس مذہبی فرقہ کو عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا مگر چونکہ یہ قدیم ہندوتو سے بغاوت کرکے وجود میں آیا تھا اس لیے یہ ہندوتو کے بھینٹ چڑھ گیا جس کے نتیجہ میں تیرہ سو سال سے زیادہ عرصہ تک زندہ رہ کر آٹھویں صدی عیسوی کے بعد آجیوکوں کا فرقہ آہستہ آہستہ شیو اور وشنو سمپردایوں (فرقوں) سے متاثر ہوکر انہیں میں ضم ہوگیا۔“ ملاحظہ ہو: ”بودھ اور جین دھرم“ از ششی سری واستو ص ۶۲۔

آجیوک سمپردائے کے ______ بعد غالباً لوکایت سمپردائے کا ظہور ہوا۔ جو برہمنیت یا قدیم ہندوتو کے خلاف اُٹھا تھا۔ اس کے بانی چارواک اور برہسپتی تھے۔ ایسا خیال کیا جاتا ہے۔ بعض اہل علم نے برہسپتی کو چارواک کا پیرو تسلیم کیا ہے۔ رام دھاری سنگھ دِنکر کے مطابق: ان لوگوں (چارواک اور برہسپتی) نے ویدوں کی

سخت مذمت کی ہے اور کہا ہے کہ: وید تو ٹھگوں، فریبیوں اور گوشت خوروں کی تصنیف ہے۔ ویدوں کے مصنف ایسے لوگ تھے جو یگیوں میں گھوڑوں کو ذبح کر کے کھا جاتے تھے۔

حوالۂ مذکور ص ۱۴۰۔

اس فرقہ کے مسلمات میں سے ایک چیز یہ بھی تھی کہ یگیہ میں مرا ہوا جانور اگر بہشت میں جائے گا تو ججمان (یگیہ کرانے والا) کیوں نہ اپنے باپ ہی کو قربان کر دے کہ بغیر کسی دقت کے وہ داخل بہشت ہو۔

'شرادھ کرم' (رسوم بعد از مرگ) کی مذمت کرتے ہوئے چارواک نے کہا ہے: اگر وفات پائے ہوئے لوگوں کی روح کو شرادھ ——— سے تسکین ہوتی ہے تو بیرونِ ملک کے سفر پر جانے والا مردِ زادِ راہ کے لیے سامان ڈھونے کے بجائے کسی برہمن کو کھانا کھلا دیتے یا صدقہ خیرات دے دیتے اور جہاں کہیں راستہ میں ضرورت ہوتی وہیں وہ چیز انہیں فوراً دستیاب ہو جاتی۔

شرادھ وغیرہ کا طریقہ برہمنوں کے دماغ کی پیداوار ہے' ان کی اپنی روزی روٹی کا ذریعہ ہے اور اسی ایک مقصد کے تحت انہوں نے مرے ہوئے لوگوں کے لیے پریت کرم (प्रेतकर्म) مردہ پھونکنے سے لے کر برہمنوں کی دعوت کرنے اور انہیں دان دکشنا دینے تک کے جملہ اعمال و رسوم) کا نظام وضع کیا ہے۔ چارواک کے مطابق اگر آتما (روح) جسم سے الگ ہوتی تو اپنے لوگوں کی محبت سے مجبور ہو کر دوبارہ ضرور لوٹ آتی۔ اس لیے جسم کا خاتمہ ہی نجات ہے۔ ان کے فلسفہ کو ناستک درشن (الحادی فلسفہ) کہتے ہیں۔

یہ فرقہ بھی ہندوتو کے دامِ فریب میں آ گیا اور اپنا کوئی الگ مقام نہیں بنا سکا۔ برہمنیت کو تسلیم نہ کرنے والے فرقے، مذاہب اور افراد ہندتو کے دشمن رہے ہیں۔

"عوام کے دل و دماغ سے ویدوں کا تسلط ختم کر دینے کی سچی مخلصانہ کوشش سوامی مہاویر (۵۲۷-۵۹۹ ق م) اور بدھ (۵۴۳-۶۲۳ ق م) نے کی۔ اس لیے ویدوں کے اصل باغی بھی یہی دو مہاتما سمجھے جاتے ہیں۔ مہاویر اور بدھ میں دو اور خصوصیات جمع تھیں۔ ایک تو یہ کہ وہ برہمنوں کو اونچا درجہ دینے کو تیار نہ تھے۔ دوسری یہ کہ وہ انسانوں کے درمیان فرق و امتیاز کے قائل نہ تھے۔

"سنسکرتی کے چار ادھیائے" از رام دھاری سنگھ دنکر ص ۱۴۰۔

جین مذہب

جین مذہب کے بانی مہاویر (وردھمان) ہی تھے۔ یہ اور بات ہے کہ جین مذہب کو ہندوتو سے متاثر کرا کے اس کی قدامت رشبھ دیو۔ جن کا نام وید میں ملتا ہے ۔ سے وابستہ کر دی گئی۔ کہا گیا کہ جین مذہب کے ۲۴ 'تیرتھنکروں' میں اول رشبھ دیو ہی تھے۔ قارئین یہ خود سمجھ سکتے ہیں کہ جس وید یا ویدک دھرم یا برہمنیت سے بغاوت کر کے یہ مذہب بنا تھا وہ خود کو وید کے کسی شخص سے کیوں کر وابستہ کرے گا۔ مگر ڈاکٹر رادھا کرشنن اس چیز کو نہیں مانتے، وہ کہتے ہیں:

"جین مذہب کی روایات بتاتی ہیں کہ اس مذہب کی بنا رشبھ دیو نے ڈالی جو کہ اب سے صدیوں پیشتر گذرے ہیں اس بات کے شواہد موجود ہیں کہ ۱۰۰ق م میں پہلے تیرتھنکر رشبھ دیو کی پوجا ہوتی تھی۔ یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ وردھمان اور پارشوناتھ سے بھی پہلے جین مذہب رائج تھا۔ یجروید میں رشبھ دیو، اجیت ناتھ اور ارشٹ نیمی अरिष्टनेमि ان تینوں تیرتھنکروں کے ناموں کا تذکرہ موجود ہے۔ بھاگوت پران سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ رشبھ دیو جین مذہب کے بانی تھے۔"

ملاحظہ ہو: Indian Philosphy Vol.I, Page 287

ظاہر ہے، ڈاکٹر رادھا کرشنن جی کے دلائل اس وقت کے ہیں جب جین مذہب قدیم ہندوتو کے زیر اثر لایا جا رہا تھا، جو مذہب، مذہب کے نام پر کیے جا رہے ظلم و ستم سے بغاوت کر کے خدا تک کا انکار گوارہ کر لے، اسے کیا پڑی ہے کہ اسی ویدک دھرم کے چکر میں پڑے۔ سانولیہ بہاری لال ورما لکھتے ہیں۔

"مذہب کے نام پر اس وقت جس طرح کی لغو اور لایعنی حرکتیں کی جا رہی تھیں، بے قصور لوگوں کو جس طرح قتل کیا جا رہا تھا؛ پرلوک (آخرت)، آتما (روح)، پرماتما (خدا) کے بارے میں جس طرح تخیلاتی پروازیں کیا کرتے تھے ان کے مابین باہم ربط اور تال میل نہ ہونے کی وجہ سے اندرونی مخالفت مہیب شکل اختیار کر رہی تھی۔ عورتوں اور شودروں کی جس انداز میں توہین اور بے عزتی ہو رہی تھی اور انہیں جس طرح دبایا اور کچلا جا رہا تھا، اخلاقی حدود کو جس طرح پامال کیا جا رہا تھا اس کی بنا پر لوگ اخلاقی طاقت سے محروم سے ہوتے جا رہے تھے۔ اس بے تدبیری اور بدانتظامی کو دیکھ کر سوامی مہاویر سوامی کا دل بہت متاثر اور فکر مند ہوا۔" (وشو دھرم درشن ص ۱۲۷)

جین مذہب نے اہنسا (عدم تشدد) کو عین (پرم) مذہب بتایا نیز تناسخ اور کرم کے تئیں اپنا یقین ظاہر کیا۔ اس کے مطابق اچھا عمل کرنے والا آدمی دیوتا ہو جاتا ہے اور "جن" जिन्न کہلاتا ہے اس میں خدائے تعالیٰ کا کوئی مقام نہیں ہے۔ تیرتھنکر حقیقی خدا سمجھے جاتے ہیں۔ قدیم ہندوتو نے اس مذہب کو آہستہ آہستہ اپنا بنا لیا۔

یہاں یہ بات خاص طور سے قابل توجہ ہے کہ اگرچہ مہاتما بدھ اور سوامی مہاویر نے اپنے اپنے مذاہب کے دروازے چاروں ورنوں (ذاتوں) کے لیے کھول دیئے تھے مگر ورنوں کی تعداد انہوں نے بھی چار ہی رکھی البتہ اتنا فرق ضرور ہو گیا کہ اب برہمنوں کی جگہ چھتریوں

کو ادلیت کے مقام پر رکھ کر ورن دیوستھا (ذات پات کے نظام) کو تسلیم کیا جانے لگا اور برہمنوں کی "دھجائی" یعنی دھتکاری ہوئی ذات کہہ کر مخاطب کیا جانے لگا۔

(سمپردائے واد، از ڈاکٹر جگدیش چندر جین ص ۴۰)

بودھ مذہب

مذکورۃ الصدر باتوں سے واضح ہوا کہ جین اور بدھ مذہب قدیم ہندوتو سے بغاوت کرکے معرضِ وجود میں آئے تھے یہ مذاہب برہمنیت کے تسلط سے بہت اکتائے ہوئے تھے اور یہ ویدوں کو نہیں مانتے تھے۔ بودھ مذہب کے بانی گوتم بدھ تھے جو سوامی مہاویر کے ہم عصر تھے۔ انہوں نے بھی مہاویر کی طرح قربانی والے یگیوں کی جگہ شانتی یگیہ، برہم یگیہ وغیرہ کا اور مختلف النوع کریا کرم (اعمال و رسوم) کی جگہ رحم، عفو و درگذر، امن و آشتی اور محبت کی تلقین کرکے عام انسانوں کے لیے مذہب کا دروازہ کھول دیا جس کے نتیجہ میں دبی کچلی ذاتیں — نائی، لہار، کمہار، چنڈال، بُنکر، طوائف وغیرہ ہزاروں عورتیں اور مرد بودھ مذہب کے دائرہ میں آکر تربیت حاصل کرنے لگے۔

پریاگ جوشی نے "جمودِ فلسفہ کو توڑا بدھ نے" کے زیرِ عنوان لکھا ہے کہ: بدھ نے اپنے متبعین کی عظیم الشان جماعت کو نہ تو اعداد کا مجموعہ محض سمجھا اور نہ انہیں بھیڑ تصور کیا۔ وہ اصول اور فلسفہ کے عملی راستہ سے اخلاق فاضلہ اور برترین کے عظیم نصب العین کی سمت میں چلنے والے ہم سفر تھے۔ روزنامہ نوبھارت ٹائمس نئی دہلی۔ ۱۷ مئی ۱۹۹۲ء

گوتم بدھ برہمنیت کے سخت مخالف تھے۔ ایک بار جب آشولاین مانوک आश्वलायन माणवक نے گوتم بدھ سے برہمن ورن کی عظمت و بزرگی کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا: اے آشولائن! دوسری ذاتوں کے افراد بھی خون اور منی کی آمیزش سے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر برہمن ذات کو دیگر ذاتوں کے مقابلہ میں کس طرح افضل قرار دیا جاسکتا ہے؟ حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ برہمن، چھتری، ویشیہ اور شودر — خواہ کوئی بھی ہو جو جانداروں کو ہلاک کرتا ہے، چوری کرتا ہے تلخ کلامی کا شیوہ اختیار کیے ہوئے ہے، حرص و آز میں مبتلا ہے اور حسد کرتا ہے وہ برے انجام سے دوچار ہوتا ہے اور جو ان گناہوں سے دور رہتا ہے وہ خوش انجامی سے ہمکنار ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں برہمنوں کو دوسرے لوگوں کی بہ نسبت کس طرح افضل تسلیم کیا جاسکتا ہے پنڈت (عالم) اور غیر پنڈت (غیر عالم) — دونوں بھائیوں میں شرادھ श्राद्ध وغیرہ کے موقع پر پہلے پنڈت ہی کو کھانا کھلایا جانا اور دیگر چیزوں سے اس کی تواضع کی جاتی ہے۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوتی ہے کہ انسان ذات

سے برہمن نہیں ہوتا۔" ملاحظہ ہو: مجھم نکائے۔ اسُلاین سُت۔

جین مذہب کی طرح بودھ مذہب بھی کرم وادی (محض اعمال پر زور دینے اور اسی پر انحصار کرنے والا) مذہب ہے اور خدا کو نہیں مانتا۔ اس کا مقصد انسانوں کے اعمال کو خالص اور عمدہ بنانا ہے۔ دونوں مذاہب میں یکسانیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ دونوں ہی مذاہب جانوروں کو ہلاک کرنے اور انہیں ایذا دینے کے خلاف ہیں۔ اگرچہ بعد کے ادوار میں بدھسٹوں نے مردہ جانور کا گوشت کھانے پر ناپسندیدگی کا اظہار ختم کر کے (وجہ جواز فراہم کر دیا) تاہم جینی ہر اس کھانے سے احتراز کرتے ہیں جو تشدد کی راہ اختیار کر کے تیار کیا گیا ہو یا بغیر تشدد کیے ہی وہ کھانا تیار کیا گیا ہو (مراد زندہ یا مردہ جانور کے گوشت سے ہے)

ان مذاہب کے مابین ایک فرق یہ بھی ہے کہ بدھسٹ کائنات کو قابل تغیر اور حادث وفانی سمجھتے ہیں اور ایسا نہیں مانتے کہ کائنات کی اصل میں کوئی ایسا جوہر ہے جو لافانی ہے اور قدیم ہے یعنی جس کا وجود ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا مگر جینی لوگ جاندار اور غیر جاندار تمام چیزوں کو لافانی (قدیم) مانتے ہیں۔ بودھ اور جین ــ دونوں مذاہب ہندو دھرم کے دائرہ میں نہیں آتے پنڈت جواہر لال نہرو کے مطابق:

"بودھ اور جین مذہب یقیناً ہندو دھرم نہیں ہیں اور نہ ہی ویدک دھرم ہیں ...... ہندوستان میں بدھسٹ اور جینی لوگ ہندوستانی طرز فکر اور کلچر کی سو فیصد پیداوار ہیں، پھر بھی ان میں سے کوئی بھی مت کی رو سے ہندو نہیں ہے۔"

ہندوستان کی کھوج ص۲۶

مگر کیا واقعی یہ ہندوتو سے خود کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہو سکے ہیں؟ پی وی کانے اس سوال کا جواب نفی میں دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: جب مہاتما بدھ پرماتما کی شکل میں بودھوں کے ذریعہ پوجے جانے لگے، جب بودھوں نے حیات دنیا میں خود غرضی پر مبنی خواہشات کو ترک کرنے اور جوگیانہ مسلک کی اتباع کے ذریعہ ممکنہ حصول نجات کے بنیادی اصول کا بائیکاٹ کر دیا جب بودھوں نے بھکتی کے اصول کو اپنا لیا تب ہندوؤں اور بودھوں کے درمیان بڑھی ہوئی دوری کم ہوئی اور پھر تو آہستہ آہستہ ختم سی ہی ہو گئی اسی بنیادی اصول سے ہٹ جانے کی وجہ سے بودھ مذہب ہندوستان سے رخصت ہی ہو گیا۔ برہمنوں نے ہندو دھرم کو بہت زیادہ وسعت دے دی۔ انہوں نے "آشرم" پر مبنی آئیڈیل ازم، متعدد دیوتاؤں کی پرستش، ویدک اور دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والے اعمال (جیسے کرم مارگ) کو اعلیٰ درجہ کی روحانی زندگی کے لیے جائز ٹھہرایا۔ اور انہیں سند جواز عطا کر کے تسلیم کر لیا۔"

دیکھیے: دھرم شاستر کا اتہاس ج۴ ص۵۰۷

ادھر حال کے دنوں میں بودھوں کے ہندوتو کے خلاف دوبارہ بغاوت کی ہے اور بہار کے بودھ گیا واقع "مہابودھی مندر" کو ہندوؤں کے تسلط سے آزاد کرانے کے لیے تحریک چلائی ہے۔ اس بودھ مندر پر ہندوؤں کا عرصہ دراز سے قبضہ چلا آرہا ہے۔

مذہب اور مسلک میں تبدیلی

اس عنوان کے تحت ہم ہندوتو کے نعرہ کے پس پردہ اُن وجوہ واسباب کو تلاش کرنے کی کوشش کریں گے جو جدید ہندوتو سے وابستہ ہیں۔ ہندوؤں میں قبول اسلام اور قبول عیسائیت کے بڑھتے رجحان کے سبب ہندوتو کے سامنے جو مشکلات کھڑی ہوئی ہیں، اُن پر گفتگو کرنے کے علاوہ ان فرقوں کا بھی ذکر کیا جائے گا جو خود کو ہندو نہیں کہتے یا ہندو کہلانے سے پرہیز کرتے ہیں۔ ہندوتو کے بطن سے پیدا شدہ سکھ مذہب یا مت کو بھی اسی عنوان کے تحت زیر بحث لایا جائے گا۔ سب سے پہلے ہم اسلام کو لیتے ہیں۔

۷۱۲ء میں سندھ پر مسلمانوں کا قبضہ ہونے سے بہت پہلے ہندوستان میں اسلام پہنچ چکا تھا۔ اس کی تعلیمات سے لوگ متاثر ہو رہے تھے، مگر اس کی عوامی مقبولیت کا دور صحیح معنوں میں ۱۱ ویں صدی عیسوی میں شروع ہوا۔ یوں تو گیارہویں صدی سے ہی ہندوستان کا مذہبی ماحول بڑی تیزی سے بدل رہا تھا۔ اس دوران ہندوستان کی سیاحت پر آنے والے مسلمان سیاح البیرونی نے اپنی تصنیف "کتاب الہند" میں یہاں کے بدلتے حالات پر تفصیل سے روشنی ڈالی تھی۔ ہرش وردھن کے دور میں ہندوستان بودھ یا شیو دھرم کا متبع تھا۔ مگر گیارہویں صدی میں حالات بدل چکے تھے۔ بودھ، شاکت اور تانترک لوگ بنگال میں داخل ہو چکے تھے جین مذہب اقصائے مغرب، گجرات اور راجپوتانہ جا پہنچا تھا اور ہندوستان کا اصل مذہب ہندو مذہب سمجھا جانے لگا تھا۔

برہمن مذہب کو ایک بار پھر نئی زندگی مل گئی تھی۔ چنانچہ البیرونی رقمطراز ہیں: "جن لوگوں سے ان (ہندوؤں) کا اختلاف ہے ان کو وہ ملیچھ (ہیچ) کہہ کر پکارتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ کسی طرح کا بھی تعلق نہیں رکھتے۔ ان کے یہاں شادی بیاہ نہیں کرتے حتیٰ کہ ان کے ساتھ کھانا پینا اور بیٹھنا بھی مناسب نہیں سمجھتے کیونکہ اس سے وہ بھرشٹ (یعنی ذلیل) ہو جاتے ہیں۔ ان کی جو چیز کسی دوسرے کے پانی وغیرہ سے مس کر جائے اسے وہ ناپاک سمجھتے ہیں اور پھر اس ناپاک چیز کو پاک صاف کر کے بھی استعمال میں لانا پسند نہیں کرتے۔

.... ہندوؤں کی یہ قومی خصوصیت بن گئی ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں ہماری قوم کے ہم رتبہ کوئی دوسری قوم نہیں۔ ہمارے ملک جیسا کوئی دوسرا ملک نہیں۔ ہمارے راجاؤں کے مثل کوئی راجہ نہیں، ہمارے علوم جیسے کہیں علوم نہیں ہیں اور ہمارے مذہب جیسا

کوئی مذہب نہیں ہے۔ یہ لوگ انتہائی مغرور، خود غرض اور بات چیت پر گھمنڈ کرنے والے ہیں۔ اگر وہ بیرون ملک سفر کریں تو ان کا یہ خیالِ خام دور ہو جائے ان کی بہ نسبت ان کے اسلاف کہیں زیادہ اعلیٰ ظرف تھے۔"

ڈاکٹر جگدیش چندر جین کے مطابق: "یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اسلامی تمدن ہندوستانی عوام کے لیے ایک نیا پیغام لے کر آیا تھا۔ اسلام شروع ہی سے ایک خدا کو ماننے والا مذہب تھا۔ اس کے اصول سیدھے سادے اور آسان تھے۔ ہندوستانی سماج قومی خصوصیت برقرار رکھتے ہوئے شخصی مذہب اور طور طریقوں کو تسلیم کرتا تھا جبکہ اسلام قومی خصوصیات کو کالعدم قرار دے کر اجتماعی طریقہ مذہب کی تبلیغ کرتا تھا۔ اسلام میں ہندوؤں کی طرح انسان انسان کے درمیان کوئی فرق نہیں تھا۔ اس کے مطابق کمتر سے کمتر آدمی بھی مسجد میں جا کر نماز پڑھ سکتا تھا۔ قرآن کی تلاوت کر سکتا تھا، سب کے ساتھ ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھا سکتا تھا اور کسی بھی قوم کی عورت کے ساتھ شادی کرنے کی اسے آزادی تھی۔

ادھر ہندو دھرم میں یہ سب باتیں نہیں تھیں۔ وہ مختلف مذاہب اور فرقوں میں بٹا ہوا تھا۔ مختلف دیوی دیوتاؤں میں عقیدہ رکھتا تھا۔ نیچی ذالوں کے ساتھ سخت سے سخت برتاؤ کیا جاتا تھا۔

سمیرا ئے وادیہ ۵۸۔

ظاہر ہے، اسلامی تعلیمات کو یکسر نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ساتویں صدی عیسوی موپلا لوگوں کے قبول اسلام کا واقعہ تاریخ میں ملتا ہے۔ ملک کے بڑے حصے میں اس نے ہندوتو کو کافی حد تک متاثر کیا

سر چارلس الیٹ نے اپنی کتاب Hinduism and Buddhism

طبع ۱۹۲۱ء میں دبی زبان سے یہ بات کہی ہے کہ رامانج، مدھوا اور لنگایت یا ویرشیو پر اسلامی تعلیمات کا کچھ اثر ہو سکتا ہے

ڈاکٹر تارا چند قدرے تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب

Influence of Islam on Indian Culture میں

رقمطراز ہیں:

"شنکر آچاریہ، نمبارک، رامانج، رامانند، ولبھا چارج اور جنوبی ہند کے آلوار سنت، ویرشیو اور لنگایت فرقہ یہ تمام کے تمام اسلام کے اثرات کے تحت پیدا ہوئے۔"

بی این پانڈے کی کتاب Islam and Indian Culture

میں بھی ہندتو پر اسلام کے اثرات کا تذکرہ ہے۔

مسلمانوں پر بھی ہندو دھرم کا اثر پڑا ہے۔ اس کی خاص وجہ یہ بھی ہے کہ جن لوگوں نے یہاں اسلام قبول کیا، ان میں سے بیشتر لوگ ماقبل اسلام کی کوئی نہ کوئی چیز اپنے ساتھ لیے رہے یا بعد میں وہ چیزیں ان کے پاس آگئیں۔

ہندو سماج میں تبدیلیٔ مذہب کی وجہ سے ایک بار پھر ہندتو کے نعرہ کی ضرورت پڑی ہے۔ بعض لوگوں کے خیال میں اسلام ہندتو کے لیے ایک بڑا خطرہ ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ہندوتو کا نعرہ آج پہلی بار لگایا جا رہا ہے بلکہ اس کا مقصد صدیوں پرانا ہے۔ فرق صرف اتنا ہوا ہے کہ اس نے اپنی شکل میں تھوڑی تبدیلی کر لی ہے اور فسطائیت پرست ہو گیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ پرانی روش سے بھی ایک محاذ پر کام لیا جا رہا ہے۔

پھر ایسا بھی نہیں ہے کہ ہندوتو اس سے پہلے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہا ہو۔ اسلام کو اپنے میں ضم کرنے کے لیے برابر کوشاں رہا مگر اس کوشش میں اسے کامیابی نہیں ملی۔ فاشسٹ ہتھیار کے ساتھ اس نے اب نئی کوششیں شروع کر دی ہیں۔ جدید ہندتو کی اس شکل سے لوگوں کی ایک بڑی تعداد مطمئن نہیں ہے۔ بابری مسجد کی شہادت کے بعد یہ بات ابھر کر سامنے آئی کہ جدید ہندوتو کے پاس حقیقی عوامی تائید بہت معمولی ہے۔ عوامی ردعمل سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ ہندوتو کے لیے یہ سنبھلنے کا وقت ہے۔

سوریہ کانت بالی اسی عنوان کے تحت رقمطراز ہیں:

جدید ہندتو نے اگر اپنی ذمہ داری تسلیم کر لی ہے کہ اسے اپنے ورثہ او حال کی بنیاد پر ہندوستان میں قوم پرستی کی نئی روح پھونکنی ہے تو ہندوتو کی علمبردار طاقتوں کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ انہوں نے ایک عظیم الشان اور مشکل کام اپنے ذمہ لیا ہے۔ توافق اور باہمی ربط و ضبط، تال میل ہی اس مقصد کو عملی جامہ پہنا سکتے ہیں۔ توافق اور باہمی تال میل، ضبط و تحمل، استدلال اور مسلسل گفتگو سے پیدا ہوتا ہے۔ لاٹھی کلہاڑی سے نہیں۔ اس کام میں دہائیاں نہیں، صدیاں لگ جاتی ہیں۔

(نوبھارت ٹائمس، نئی دہلی، ۲۴ر دسمبر ۹۲ء)

یہاں ایک بار پھر یہ ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ ہندتو کی فسطائی شکل ہی سے متنفر ہیں البتہ اس کے مقصد سے وابستہ ہیں ان کے زیادہ تر لٹریچر، اخبارات، رسالے اسلام اور مسلمانوں کے لیے آئے دن زہر اگلتے رہتے ہیں اور گمراہ کن مواد شائع کرتے رہتے ہیں سنجیدہ باتیں توازن برقرار رکھنے کے لیے محتاط انداز میں کبھی کبھار آجاتی ہیں۔ عیسائی مذہب اور عیسائیوں کے تعلق سے بھی یہی روش ہے مگر اصل نشانہ یہ نہیں، اسلام اور مسلمان ہیں۔

ہندوستان میں عیسائیت کی تبلیغ کرنے والی قدیم مشنری سوسائٹیوں میں تین کا نام بطور خاص قابل ذکر ہے۔ سب سے پہلے سولہویں صدی میں پرتگالی مشن آیا اس کے بعد سترہویں صدی ۱۶۰۶ء میں اٹلی والوں کی ٹیم پہنچی اور آخر میں اٹھارہویں صدی میں ڈنمارک کے مشنری بھی آئے۔ جنوبی ہند میں عیسائی مذہب کا تھوڑا بہت پروپیگنڈہ پہلے ہی سے تھا۔ ان مشنریوں نے بھی اپنا مرکز تبلیغ کافی عرصہ تک وہیں قائم رکھا مگر نہ تو ان کے پاس خدائی صحیفہ بائبل کی اصل تعلیم باقی تھی جس کی کشش سے لوگ ان کی طرف متوجہ ہوتے اور نہ

ہی عمدہ اخلاق ان کے پاس موجود تھا۔ کالے گورے کی تفریق علیحدہ سے پیدا ہو رہی تھی۔ ان حالات کو دیکھ کر پرتگالی مشن کا سربراہ فرانسس جیویر یہ کہہ کر جاپان چلا گیا کہ :

"اس ملک میں تو عیسیٰ کی پناہ میں جانے کی تلقین کو لوگ موت کی آغوش میں جانے کی تعلیم سمجھتے ہیں "

ان ناساعد حالات میں مشنریوں نے اپنا کام جاری رکھا اور ہنوز جاری ہے ملک کے قبائلی علاقوں کو بطور خاص اس نے دعوت و تبلیغ کا میدان بنایا ہے جہاں تبدیلیٔ مذہب کا عمل جاری ہے۔ شمال مشرق کی کئی ریاستوں میں تو وہ اکثریت میں ہو گئے ہیں ہندوتو کے لیے اسے بھی ایک چیلنج تصور کیا جاتا ہے۔

سکھ مذہب

جین اور بودھ مذہب کی طرح سکھ مذہب کی پیدائش کی ابتدا کی شکل کو بھی ہندو دھرم سے بغاوت کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے بانی گرو نانک جی تھے۔ ان کی پیدائش رائی موئی کی تل بنڈی (موجودہ ننکانہ صاحب۔ پاکستان) میں ویشیہ خاندان میں ۱۴ اپریل ۱۴۶۹ء کو ہوئی تھی۔ وہ بچپن ہی سے بڑے خاموش طبع اور تنہائی پسند واقع ہوئے تھے۔ ان کے چار سفر کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ پہلے سفر میں وہ ایمن آباد، ہری دوار، کاشی، گیا، دہلی اور جگناتھ پوری گئے۔ دوسرے سفر میں ماونٹ آبو، رامیشورم (تملناڈو) اور لنکا گئے۔ تیسرے سفر میں سرمور گڑھوال، گورکھپور، ہیم کوٹ، تبت، بھوٹان، سکم وغیرہ گئے اور چوتھے سفر میں براہ بلوچستان مکہ پہنچے۔ پھر روم، بغداد، ایران وغیرہ کی سیاحت کرتے ہوئے قندھار، کابل وغیرہ میں ستیہ نام کی تعلیم دی

" وشودھرم درشن " विश्वधर्म दर्शन از ورما، ص ۳۴۳۔

گرو نانک جی کے سفر مکہ کی بات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ مسلمان ہو گئے تھے ورنہ وہ کیوں کر مکہ کا سفر کرتے؟ ان کی وضع قطع دم آخر تک مسلمانوں جیسی رہی۔ ان کی تعلیمات اسلام سے قریب تھیں۔ وہ شرک، بت پرستی اور برہمنیت کے سخت مخالف تھے۔ وہ کہتے تھے کہ بت پرستی اور یگیہ وغیرہ رسوم کے انجام دینے اور برہمنوں کو حلوہ مانڈہ کھلانے سے کوئی اجر نہیں ملتا۔ بعض اہل علم تو یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ صوفی سنت تھے کیونکہ ان کی عبادت کے چاروں ارکان سرن کھنڈ، گیان کھنڈ، کرم کھنڈ اور ستیہ کھنڈ۔ اہل تصوف کے چار مقامات (شریعت، معرفت، عقبیٰ اور لاہوت) سے نکلے ہیں۔ نانک جی اور شیخ فرید کے درمیان گہری دوستی تھی ۔۔ اس کے ثبوت بھی دستیاب ہیں۔

آچاریہ چھتی موہن سین اپنی تصنیف Medival Mysticism of India میں بغداد کے عربی اخبار "دارالاسلام" کے یکم اپریل ۱۹۱۹ء کے شمارہ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب نانک جی بغداد پہنچے تو وہاں ان کی خوب خوب پذیرائی ہوئی

اور استقبال کیا گیا۔ بغداد میں ان کی یادگار میں ایک مکان بھی تعمیر کیا گیا جہاں عبادت ہوتی ہے اس پر ترکی زبان میں کتبہ بھی موجود ہے "نانک جی سیدی" خاندان کے مرید اس عمارت کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مسلمان رہے ہوں گے چونکہ ان کے شاگردوں کی تعداد کافی تھی اس لیے بھی ہندوتو کے علمبرداروں کو یہ ناگوار گزرا ہوگا اور آہستہ آہستہ اپنی پٹری پر انہیں لانے کی کوشش شروع کردی ہوگی۔ آج کے دور میں بھی سکھ مذہب کے اکثر پڑھے لکھے لوگ خود کو ہندو نہیں تسلیم کرتے مگر ہندوتو ہے کہ ان کا پیچھا ہی نہیں چھوڑتا۔

ہندوتو کے اشاعتی ادارے آئے دن یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ سکھ اصلاً ہندو ہی ہیں۔ انہیں اپنے اس مقصد میں کامیابی بھی مل رہی ہے۔

آریہ سماج

رہی آریہ سماج کی بات تو یہ ایک اصلاحی تحریک کے طور پر سامنے آیا تھا۔ اس فرقہ سے تعلق رکھنے والی دیگر باتوں کے علاوہ یہ بات بطور خاص قابل ذکر ہے کہ یہ فرقہ خود کو ہندو تسلیم نہیں کرتا بلکہ "آریہ" کہلواتا ہے۔ دیانند سرسوتی جی، جو اس کے بانی تھے، لفظ "ہندو" ناپسند کرتے تھے جس پر بعد کے زمانہ میں ساورکر وغیرہ نے اعتراض بھی کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ دیانند سرسوتی جی کے گرو جی ورجانند جی اسلام سے متاثر تھے اور انہوں نے دیانند جی کو حکم دیا تھا کہ وہ ہندو دھرم کی لہر میں بہہ کر اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ نہ کریں۔" شاید ایسا ہی دیانند جی نے کیا۔ رام دھاری سنگھ دنکر جی بھی کہتے ہیں کہ دیانند جی مسلمانوں کے مخالف نہیں تھے۔

ملاحظہ ہو: سنسکرتی کے چار ادھیائے صفحہ ۵۵۴ (تمدن کے چار ابواب)

آریہ سماج، بت پرستی شرک اور اوتار واد کا مخالف ہے۔ وہ وید کو تسلیم کرتا ہے مگر برہمن گرنتھوں اور اپنشدوں کو نہیں مانتا اس کے نزدیک ورن آشرم (ذات پات) کا نظام کی بنیاد عمل پر ہے نہ کہ پیدائش پر۔ وہ کسی کو اچھوت نہیں سمجھتا۔ اس کے نزدیک وید پڑھنا سب کا حق ہے۔ دیانند جی نے اپنی تصنیف "ستیارتھ پرکاش" میں ہندوؤں کے مت متانتروں پر تنقید کی ہے اور ان کے بالمقابل آریہ سماج کے اصولوں کو قائم کیا ہے۔ ظاہر ہے، ان اصولوں سے ہندوتو کو چوٹ پہنچتی ہوگی۔

مطالعہ سے پتہ چلتا ہے اور دکھائی بھی دیتا ہے کہ اس سماج کو بھی اس کے اصولوں پر نہیں چلنے دیا گیا اور اس کی سمت بطور خاص اسلام دشمنی کی طرف پھیر دی گئی۔ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ "ستیارتھ پرکاش" میں اسلام کے متعلق چودہواں سمولاس، (یعنی باب) بعد میں داخل کیا گیا جس کا تفصیلی بیان ان شاء اللہ "ہندوتو کا مقصد اور طریق کار" کے عنوان کے تحت کیا جائے گا۔

سوامی رام کرشن پرم ہنس اور سوامی ویویکانند کے پیروکار بھی خود کو ہندو نہیں تسلیم کرتے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں سپریم کورٹ سے سند حاصل کرنے کی کوشش کی تھی اسی طرح کچھ اور بھی فرقے ہیں جن کا بیان یہاں نہیں کیا جا رہا ہے۔ یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ دستور ہند سکھ، بودھ اور جینیوں کو ہندو نہیں مانتا۔ یہ لوگ ہندوتو ہی کی نظر میں ہندو ہیں۔

سماجی اور دیگر قانونی تبدیلیاں

درج بالا وجوہ کے علاوہ آئین ہند میں فراہم کردہ کنجی نشیں ہندوتو کے نعرہ کی ضرورت پیدا کرتی ہیں۔ ہندوتو کا مقصود اصلی اس کا اپنا ملک ہی تھا مگر عوامی تائید نہ ملنے کی وجہ سے اس کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ ملک کا آئین جمہوری انداز پر تشکیل پایا جس میں اس بڑی آبادی کو بھی حق مساوات Right of Equality (Article 14-18) کے علاوہ دوسرے بنیادی حقوق میں بھی برابری کا درجہ ملا جو صدیوں سے ان سے محروم تھا۔ مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کو بنیادی حقوق میں برابری کا درجہ دیا گیا ان کے علاوہ دفعہ ۴۶ کے تحت ریاست کو ہدایت دی گئی کہ وہ درج فہرست اقوام اور قبائل کی تعلیم اور ان کے معاشی مفادات کی حفاظت کرے اور انہیں پروان چڑھائے دفعہ ۳۳۵ کے ذریعہ مرکز اور ریاستی حکومتوں کو متناسب ریزرویشن دینے کی بات کہی گئی ہے۔

دستور ہند کے فراہم کردہ ان تحفظات کی مخالفت ہندوتو کے علمبردار کبھی بظاہر تو کبھی دبے طور پر کرتے رہے ہیں۔ ریزرویشن کے مسئلہ پر تو بی جے پی کی سرپرستی میں بند اور خود سوزی جیسے پروگرام بھی ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے طریقے بھی اختیار کیے جا رہے ہیں۔ منڈل کمیشن ان کے لیے درد سر بنا ہوا ہے۔

بات خواہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی (سیکولرزم) کی ہو یا زمین داری اور راجے مہاراجاؤں کو ختم کرنے سے متعلق قانون کی ـــ ہندوتو نے ان میں سے کسی کو بھی پسند نہیں کیا اور نہ آج وہ پسند کر رہا ہے حتیٰ کہ قومی پرچم کو بھی تسلیم نہیں کرتا۔ گول والکر جی کہتے ہیں:

" یہ چکر دار ترنگا ہمارا قومی پرچم نہیں ہے بھگوا پرچم ہی ہمارا قومی پرچم ہے ...... زمین داری کے نظام کو توڑنا اور راجاؤں مہاراجاؤں کو ختم کرنا غلط تھا۔ جمہوریت ہندوستانی سماج کے موافق نہیں ہے..... تمام ریاستوں کی اسمبلیوں اور کیبنٹس کو ختم کر کے ایک پارلیمنٹ اور ایک حکومت بننی چاہئے ..... جب تک مسلمان اور عیسائی ہندو کلچر کو نہیں اختیار کر لیتے تب تک انہیں دشمن سمجھنا چاہئے...... قومی دشمنی کا نازی اصول بھی یہی تھا اور ہٹلر کے ذریعہ یہودیوں کو ختم کرنے کی مثال سے ہندو فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔"

ملاحظہ ہو: 1. Bunch of Thoughts

اور 2. We or Our Nationhood defined

ہندوتو کے نزدیک آئین ہند میں مندرج ہندو قوانین بھی پسندیدہ نہیں ہیں۔ اس کی کچھ مثالیں بطور نمونہ درج ذیل ہیں:

Hindu Adoptions & Maintenance Act 1956 پر اکثر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ قدیم ہندو اصولوں سے بہت آگے چلا گیا ہے۔ شروع میں دو ہی اصول رائج تھے اس وقت روحانی بہبود اور اس کے مفادات کے پیش نظر صرف لڑکے کو ہی گود لیا جاتا تھا۔ وہ ایسا لڑکا ہوتا تھا جو عمر اور دیگر اوصاف میں بیٹے ہی کی مانند ہو۔ لڑکیاں گود نہیں لی جاسکتی تھیں، صرف بیوہ عورت اپنے شوہر کے روحانی فائدے کے لیے کسی لڑکے کو گود دے سکتی تھی۔ دستوری قانون میں یہ باتیں موجود نہیں ہیں۔ Section of the Hindu Adoption & Maintenance Act - 1956 میں گود لیے جانے والے لڑکے یا لڑکی کی جو عمر بتائی گئی ہے وہ پرانے اصولوں کے خلاف ہے۔ اس کی دوسری باتیں بھی ہندوتو کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ ایسی ہی بات Hindu Marriage Act - 1955 اور Hindu Succession Act - 1956 اور دوسرے قوانین کے سلسلہ میں ہے۔

اورتو اور ہندتو نے پورے ہندو کوڈ بل Hindu Code Bill کو ٹھکرا دیا۔ آر ایس ایس کے خیالات کی ترجمانی کرنے والے رسالہ آرگنائزر The Organiser نے ۷ دسمبر ۱۹۴۹ء کو اپنے اداریہ میں لکھا تھا:

"ہم لوگ ہندو کوڈ بل کی مخالفت کرتے ہیں۔ ہم لوگ اس کی مخالفت اس وجہ سے کرتے ہیں کہ یہ رسواکن تحفظ ہے جو غیر ملکی اور غیر اخلاقی اصولوں کی بنیاد پر بنایا گیا ہے ..... ہندو قانون ایک جزو ہے، ہندو کلچر اور ہندو مذہب کا ایک جزو لاینفک ہے .... دسیوں کروڑ لوگ ہزاروں سالوں سے اس کے تحت رہتے سہتے آئے ہیں اور انہوں نے اسے معیار مطلوب کی حد تک مفید پایا ہے .... ایک سیکولر اسٹیٹ کو مذہب کے ذریعہ طے کردہ پرسنل لا میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

دستور ہند بودھ، جین اور سکھ مذہب کے پیروؤں کو بھی ہندو کی نظر سے نہیں دیکھتا۔ برہمنیت کے تئیں لوگوں کی سوچ میں بھی فرق آیا ہے۔ ان تمام تفصیلات سے ظاہر ہے کہ اس نظریہ پر چل کر ہندتو اپنے لیے بہتر مستقبل کی تعمیر نہیں کرسکتا وہیں یہ بات بھی کھل کر سامنے آئی کہ اس نعرے کی ضرورت اسے اپنے اور دیگر مذاہب اور فرقوں کے درمیان پیدا شدہ حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے پڑی، وہیں باہر سے آئے ہوئے مذاہب کا زور توڑنے کے لیے پیش آئی۔

●●

راشٹریہ سویم سیوک سنگھ (آر ایس ایس) — ایک مطالعہ

جاوید علی

فی زمانہ ہندوتو کی سب سے بڑی علمبردار آر ایس ایس ہے جس نے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے متعدد ذیلی تنظیمیں، ادارے، فورم قائم کر رکھے ہیں۔ بھارتیہ جنتا پارٹی اسی کا سیاسی بازو ہے۔ ذیل میں آر ایس ایس کی فکر اور طریق کا تعارف کرایا گیا ہے۔

پس منظر

۱۹۱۶ء میں کانگریس اور مسلم لیگ نے لکھنؤ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو سیاسی طور پر قریب لانے کے لئے ایک بڑی کوشش کی۔ (برطانیہ نے ۱۹۰۹ء میں دستوری اصلاحات کے ذریعہ چند کونسل ممبر کے الیکشن کی اجازت دی تھی۔ ان اصلاحات میں مسلمانوں کے لئے الگ Seperate Llectorates، نمائندگی کی بات رکھی گئی تھی جس کی مخالفت کی گئی۔) دونوں تنظیمیں اس کے لئے راضی ہوئیں:

۱۔ سوراج کی تائید کی جائے۔
۲۔ الگ مسلم نمائندگی جاری رہے۔

مدن موہن مالویہ اور دوسرے احیاء پرستوں نے اس کی مخالفت کی کہ یہ ہندو مسلم اتحاد، ہندو مفاد کے خلاف ہے۔

یکم اگست ۱۹۲۰ء کی خلافت تحریک کے بھی یہ لیڈر خلاف تھے۔ بلکہ عدم تعاون کی تحریک کے بہت سے کانگریسی اور احیاء پرست خلاف تھے۔ اس کے باوجود بہت سے احیاء پرستوں نے ۲۰-۱۹۲۱ء کی تحریک عدم تعاون کا ساتھ دیا۔

عدم تعاون کی تحریک کی ناکامی کے بعد ۲۱-۱۹۲۳ء بڑے پیمانے پر فسادات ملک میں شروع ہوگئے۔ بہت سے ہندوؤں کو خیال ہوا کہ ہندوؤں کی کمزوریوں Weakness کا علاج یہ ہے کہ ان کے اندر ایک ہونے کا احساس مضبوط ہو اور اس کے ساتھ چھتری خصوصیات کو پروان چڑھانے پر زور دیا جائے۔

اگست ۱۹۲۱ء میں مالابار میں فسادات ہوگئے۔ انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کا غصہ۔ ہندو مخالف جذبات کے ساتھ آگے بڑھا۔ زبردستی مذہب تبدیل کرنے کی خبریں عام ہوئیں۔

۲۱-۱۹۲۳ء کے فسادات کے نتیجے میں ہندو مہا سبھا جو (قیام ۱۹۱۵ء) کمزور تھی، وہ دوبارہ زندہ ہونے لگی۔ اس کا اب تک کا کام گائے کی حفاظت، دیوناگری رسم الخط میں ہندی، ذات پات میں اصلاحات تھیں۔ اگست ۱۹۲۳ء میں۔ بنارس میں ہندو مہا سبھا کا قومی اجلاس ہندو لیڈروں نے بلایا۔ پنڈت مدن موہن مالویہ اس کی صدارت فرما رہے تھے۔ موصوف نے کہا "اگر ہندو اپنے کو مضبوط کرلیں اور مسلمانوں کے غنڈہ عناصر اس پر مطمئن ہوجائیں کہ وہ ہندوؤں کو آسانی سے نقصان نہیں پہنچا سکتے یا بے عزت نہیں کرسکتے تو اتحاد مضبوط بنیادوں پر قائم ہوجائے گا۔ انھوں نے اس موقع پر اونچی ذات والوں سے کہا کہ وہ نچلی ذاتوں کو صحیح ہندو کی حیثیت سے قبول کرلیں۔ ان کو اسکول، کنویں اور مندروں میں اپنے سے الگ نہ کریں۔ انھوں نے ایسے لوگوں کو جو خوشی سے یا زبردستی مذہب تبدیل کر چکے تھے، ان کو واپس لانے کے لئے مہم چلانے کا بھی مشورہ دیا۔

ہندو مہا سبھا کے آٹھویں سیشن (۱۹۲۵) کی صدارتی تقریر میں لالہ لاجپت رائے نے گاندھی جی کے عدم تشدد پر مبنی عدم تعاون کی تنقید کی کہ یہ ہندوؤں کے اتحاد کو کمزور کرے گا۔ یہ حالات تھے، جبکہ ہندوازم خطرے میں ہونے کا ماحول تھا جب آر ایس ایس کا قیام عمل میں آیا۔

سنگھ کا شروع کا دور

سنگھ کی جڑیں مہاراشٹر میں رہی ہیں۔ اس کی ممبرشپ اور Symbol (علامات) تقریباً سب مہاراشٹری تھیں۔ اس کا ڈسپلن اور نظریاتی فریم ورک زیادہ ڈاکٹر کیشو بلی رام ہیڈگیوار کا طے کردہ تھا۔

وہ بچپن میں شیواجی سے بہت متاثر تھے۔ نوجوانی میں انھوں نے مہاراشٹر کے چتپاون برہمن بال گنگادھر تلک کا ہفتہ وار کیسری' پونا کا مطالعہ برابر کیا تھا۔ ۱۹۱۰-۱۹۱۶ء میں وہ کلکتہ میں ڈاکٹری پڑھتے رہے۔ وہ انقلابی تنظیم "انوشیلن سمیتی" میں شامل ہوگئے۔ انھوں نے گھر واپسی کے بعد پریکٹس اور شادی نہیں کرنے کا فیصلہ کیا۔ جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد پھر وہ ڈاکٹر بال کرشن شیورام منجے کی ایماء پر کانگریس میں شامل ہوئے۔ ۱۹۲۸ء تک اس میں انھوں نے سرگرمی سے حصہ لیا۔ حالانکہ دوسرے تلک وادیوں کی طرح وہ گاندھی جی

اسلامیہ عربک کالج منصورہ ہاسن کرناٹک



علوم دینیہ اور علوم عصریہ کا ایک حسین امتزاج

تعارف :-

اسلامیہ عربک کالج منصورہ ہاسن کرناٹک ایک پُر فضا، صحت بخش وسیع و عریض قطعہ زمین پر قائم ہے۔ کالج کے ساتھ ہاسٹل (دارالاقامہ) بھی ہے۔ سارا ماحول دینی ہے۔ تعلیم و تربیت، کھیل کود اور ادبی سرگرمیوں کے علاوہ ہاسٹل میں ٹی وی سٹس نصب ہیں ان کے ذریعہ ملکی و عالمی حالات اور ویڈیو کیسٹس کے ذریعہ تعلیمی پروگرام نشر کئے جاتے ہیں۔

اسلامیہ عربک کالج کا آغاز ۱۹۸۴ء میں ہوا

اس کالج میں دینی علوم قرآن و حدیث، فقہ، عربی زبان، تاریخ اسلام، عصری علوم، اردو، انگریزی، کنڑ، سائنس، ریاضی، سوشل اسٹڈیز کی تعلیم پر مشتمل نصاب رائج ہے۔

مقاصد تعلیم

- طلباء کو کتاب و سنت کی تعلیم سے آراستہ کرنا۔
- عصری علوم سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم سے روشناس کرنا۔
- مومنانہ بصیرت و صالحیت پیدا کرنا۔
- فریضۂ اقامت دین کے لئے تیار کرنا۔
- خدا کا مخلص بندہ اور ملک کا اچھا شہری بنانا۔

نصابِ تعلیم :-

- سرکاری نصابِ تعلیم کے ساتھ قرآن و حدیث، فقہ، عربی زبان و ادب، سیرت و تاریخِ اسلام۔
- اردو، عربی، انگریزی اور کنڑ زبان میں تحریری و تقریری مشق و مضمون نویسی۔

مدتِ تعلیم :-

چھ سال

طرزِ تعلیم :-

- ابتدائی تین سال اردو میڈیم اور تین سال انگلش میڈیم میں تعلیم دی جاتی ہے۔
- عربی بحیثیت زبان پڑھائی جاتی ہے۔

امتحانات :-

- چھ سالہ دینی وعصری علوم کا کورس ختم کرنے کے ساتھ دینی نصاب میں ثانویت اور عصری علوم میں میٹرک (S.S.L.C) کے امتحانات میں شریک کرایا جاتا ہے۔

دارالاقامہ :-

- کالج کے ساتھ دارالاقامہ بھی ہے جہاں طلباء کی رہائش اور دینی وتحریکی ماحول کا خصوصی انتظام ہے۔

داخلہ :-

- گیارہ سال عمر، زائد عمر والوں کو داخلہ نہیں دیا جاتا۔ بچہ پانچویں جماعت پاس ہو۔
- ناظرہ قرآن مجید پڑھا ہو، اس کے علاوہ کنڑ اور انگلش میڈیم کے طلباء کو بھی داخلہ دیا جاتا ہے۔

تعلیمی سال کا آغاز :-

- ہر سال یکم جون سے تعلیمی سال کا آغاز ہوتا ہے۔

ٹسٹ :-

- داخلہ کے وقت طالب علم کا ٹسٹ لیا جاتا ہے۔ جو کوئی اس ٹسٹ میں کامیاب ہوگا اس کو داخلہ ملتا ہے۔
- خواہش مند حضرات دس روپیہ منی آرڈ فیس بھیج کر داخلہ فارم منگوالیں اور پر کر کے بھیج دیں۔

مستقبل کا منصوبہ :-

- مستقبل میں (P.U.C) پی یو سی جاب اورینٹڈ کورسس، کمپیوٹر، الیکٹرانک کورسس کا قیام بھی انشاء اللہ تعالیٰ پیش نظر ہے۔

تعمیراتی منصوبے :-

- کالج کی تعلیم کے آغاز سے ہی اس کی ایک عمارت کی تعمیر پیش نظر ہے، جس کا تخمینہ اسّی لاکھ روپے ہے۔
- طلباء کے لئے کچن اور طعام خانہ عارضی عمارت میں چل رہا ہے، اس کے لئے مستقل عمارت کی تعمیر بھی سالِ رواں میں پیش نظر ہے جس کا تخمینہ بیس لاکھ (-/20,0000) روپے ہوگا، جس میں بہ یک وقت پانچ سو طلباء کے طعام کی گنجائش ہوگی اور کچن میں ایک ہزار بچوں کا طعام بہ یک وقت بن سکے گا۔
- طلباء کے لئے ایک وسیع لائبریری مہیا کی جائے گی جس کے لئے عمارت کی تعمیر زیر غور ہے جس کا تخمینہ پانچ لاکھ روپے ہوگا۔
- طلباء کی صحت کے پیش نظر ایک (MEDICAL UNIT) کا قیام ضروری ہے۔ مگر منصورہ کے اطراف واکناف میں جو دیہی آبادی ہیں ان کی طبی سہولیات کے پیش نظر وسیع وعریض IN PATIENT اور OUT PATIENT کا ایک دواخانہ مطلوب ہے جس کی تعمیر دعوتی اور انسانی بنیادوں کے لئے ضروری ہے اس کا تخمینہ چھبیس لاکھ روپے ہے۔

اِن تمام منصوبوں کی تکمیل کے علاوہ مدرسہ کے سالانہ اخراجات کی پابجائی کے لئے بھی اصحاب خیر کو اپنی اپنی حیثیت کے مطابق تعاون عمل سے دریغ نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ قطرہ قطرہ دریا می شود کی بنیاد پر دامے، درہمے وسخنے تعاون فرما کر اجر عظیم سے بہرہ ور ہوں۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء

خط وکتابت و ڈرافٹ اس پتہ پر روانہ فرمائیں :-

اسلامیہ عربک کالج، منصورہ

پوسٹ آلور (ALUR) 573213 ہاسن، کرناٹک

کی پالیسیوں سے خوش نہ تھے۔

۱۹۲۳ء میں ہندو مسلم فسادات کا سلسلہ جاری تھا ستمبر ۱۹۲۳ء میں گنیش پوجا کے موقع پر ڈسٹرکٹ کلکٹر نے حالات کو دیکھتے ہوئے سالانہ جلوس منسوخ کر دیا۔ ہندوؤں نے اس کی پابندی کی۔ ۳۰ر اکتوبر ۱۹۲۳ء کو کلکٹر نے ڈنڈی جلوس (ایک ہندو دیوتا کے اعزاز میں باجے اور موسیقی کے ساتھ) کو اسی وجہ سے اجازت نہیں دی — ہندوؤں نے اس کی خلاف ورزی کا فیصلہ کیا۔ بیس ہزار افراد اس کی خلاف ورزی کے لئے سڑکوں پر نکل آئے۔ اس کے نتیجے میں ناگپور ہندو مہاسبھا کا قیام عمل میں آیا۔ اس مقامی سبھا کے ڈاکٹر بی ایس منجے نائب صدر اور ہیڈگیوار سکریٹری بنائے گئے۔ اس سبھا نے کئی اجتماعی جلسے اور پروگرام کئے۔ پھر اس نے حکومت اور مسلمانوں سے معاہدہ کیا جس کے نتیجے میں جلوس کا وقت اور مقام طے ہوا تاکہ وہ مسلمانوں کے مذہبی پروگرام سے نہ ٹکرائے۔ احیاء پرستوں نے تنظیم کی اہمیت کو بطور خاص محسوس کیا۔ ناگپور کے اس فرقہ وارانہ ماحول میں سنگھ کی نظریاتی بنیادیں تیار ہوئیں۔ اس سوچ میں خاص مقام ونئے دامودر ساورکر کی ہاتھ کی لکھی تخلیق 'ہندتو' کا تھا۔ ساورکر نے اس میں ہندوؤں کو نیشن (قوم) کہا تھا۔

ساورکر کے مطابق آریہ لوگ، اور ان کی تہذیب شمال، مغربی ہند میں ظہور پذیر ہوئی تھی، جو بالآخر پورے ملک میں پھیل گئے۔ وہ غیر آریوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے مطابق ہندو وہ ہے جس کے پوروج ہندوستان کے ہوں اور جو ہندوستان کو فادر لینڈ اور مقدس سرزمین مانیں۔

ساورکر کے دلائل ہیڈگیوار کے لئے علمی اور نظریاتی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ 'ہندو قوم' کا مفہوم کیا ہے۔ لیکن کس طرح اس ہندو قوم کو متحد کیا جائے۔ یہ بات وہاں ہیڈگیوار کو نہیں ملتی۔ اس کے لئے وہ تجربات کرتے ہیں۔ ان کے ذہن میں بچپن سے یہ بات رہی کہ باہری اثرات کس طرح زائل کئے جائیں۔ ۲۴-۱۹۲۵ء میں وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اصل مسئلہ نفسیاتی ہے۔ اگر ہندوؤں میں ایک ہونے کا احساس پیدا کر دیا جائے اور ان کے اندر قومی شعور پیدا کر دیا جائے تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اگر ایک بار قومی تعمیر نو کے لئے افراد کا ایک cadre تیار کر دیا جائے تو پھر وہ دوسروں میں زندگی پیدا کر دیں گے۔ آزادی ان کے مقاصد میں سے ایک مقصد تھا۔ آزادی کے راستہ میں پہلا کام ایک ڈسپلن کی حامل تنظیم بنانا تھا جو لوگوں کو تیار کرتی رہے۔ ستمبر ۱۹۲۵ء میں دسہرہ کے موقع پر سنگھ کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے بعد لاٹھی چلانے کی تعلیم جاری ہی اس میں شروع کی گئی، اور ابتدائی پرارتھنا کا نظم کیا گیا۔

۱۹۲۶ء کے شروع میں روزانہ کی شاکھائیں شروع ہو گئی تھیں۔

اس نوزائیدہ تنظیم کا نام ۱۹۲۷ء میں رام نومی کے موقع پر رکھا گیا اور اسی دن بھگوا جھنڈے کو تنظیم کے جھنڈے کی حیثیت دی گئی۔ [۱]

آر ایس ایس کی آئیڈیولوجی

۱۔ آر ایس ایس کی نظریاتی اساس 'ہندو ماضی' ہے۔ جو ان کے خیال میں سماج کی تعمیر نو میں نظریاتی آلہ کا درجہ رکھتی ہے۔ [۲] ہیڈگیوار کے خیال میں ہندو نظریہ ہی آزادی کے حصول اور سماج کی تعمیر نو کے لئے لوگوں کو متحرک کر سکتا ہے۔ [۳]

۲۔ رگ وید انسانی سماج کو عظیم فرد (پرش) بنے تصور کرتا ہے اور اس سماج کی چار معروف تقسیم کو مذکورہ پرش کے منہ، بازو، جانگھ اور پیر کے مماثل قرار دیتا ہے (رگ وید، منڈل ۱۰، ۹۰/۱۲) یہ بالترتیب برہمن، چھتری، ویش اور شودر ہیں۔

انسانی سماج کی تقسیم کا درج بالا نظام جس کو 'ورن اشرم' کہا جاتا ہے۔ ہندتو کے پرچارکوں کے مطابق اپنی اصل شکل میں اور کافی بعد تک اپنے آپ میں غلط پیش تھا بلکہ ان کے مطابق غلامی اور دھرم کے زوال کے باعث اس کی موجودہ شکل ہو گئی۔ [۴] چنانچہ گرو گولوالکر کہتے ہیں کہ سماجی جسم اسی وقت تک مناسب طرح سے کام کر سکتا ہے۔ جب تک کہ افراد اپنے معاشی، سماجی اور مذہبی فرائض (دھرم) کو پورا کرتے رہیں۔ [۵] آر ایس ایس کے نظریہ ساز بتاتے ہیں ہندو سماج کے کمزور اور منتشر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نہ تو دھرم پر عمل کیا جاتا ہے اور نہ ہی اسے سمجھا جاتا ہے۔ کمزوری اور انتشار کا یہ عمل ہندوستان پر اسلام کے حملے کے وقت (تقریباً ۱۰۰۰ء) سے شمار کیا جاتا ہے۔ [۶]

۳۔ بار بار ان قوتوں کی نشاندہی کی جاتی ہے جو راشٹر کے خلاف سازش کرتی ہیں اور جو ان کے خیال میں انتشار کا باعث ہیں۔ موجودہ ہندوستانی سماج میں دو طرح کی 'انتشار پسند قوتوں' کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ پہلا نمبر مسلمانوں اور عیسائیوں کا ہے جو ایسی قدروں کو فروغ دیتے ہیں جس کے باعث ان کے ماننے والوں میں قومیت ختم (Denationalisation) ہونے لگتی ہے۔ دوسرا نمبر اعلیٰ و مغربی طبقہ کا ہے جس میں سرمایہ داری، سوشلزم یا اشتراکیت کے حمایتی آتے ہیں۔ [۷] لیکن ان تمام میں مسلمانوں کا معاملہ سب سے اہم رہا ہے مسلم مخالف جذبات ہی اس کے قیام کا باعث

1　Khaki Shirts Saffron Flags (KSSF)/P-13

2　Brotherhood in Saffron the RSS and Hindu Revivalism (BIS) P 71

3　Brotherhood in Saffron the RSS and Hindu Revivalism (BIS)

4　रमेश चन्द्र शाह, हिन्दुत्व - आदर्श और यथार्थ 30 10 93 नवभारत टाइम्स, दिल्ली

5 .　Golwalkar: Bunch of Thoughts, Chap. 3

6　BIS: Page 72

7　BIS: Page 72

بنا، بلکہ یہ اس کا مرکزی نکتہ رہا ہے۔ چنانچہ آر ایس ایس کے بانی ڈاکٹر ہیڈگیوار کے سرکاری سوانح نگار سی پی بھیشیکر Bhishikar کی کتاب کیشو سنگھ نرماتا "اس دور کے حالات کے بارے میں لکھتے ہیں:" مہاتما گاندھی کی تحریک عدم تعاون کے نتیجے میں ملک میں (نیشنلزم کا) جوش وخروش ٹھنڈا ہوتا جا رہا تھا۔ ملک میں اس تحریک نے جن سماجی برائیوں کو ابھارا تھا وہ خطرناک طور پر بڑھ رہی تھیں۔ قومی لڑائی کے جوش کے ٹھنڈا پڑتے ہی باہمی حسد اور بدظنی و بدگمانی سطح پر آگئیں۔ ذاتی مناقشات پھیل گئے۔ مختلف فرقوں کے بیچ لڑائی شروع ہو گئی۔ برہمن اور غیر برہمن کی لڑائی کھل کر سامنے آگئی۔ کوئی تنظیم بھی متفق اور متحد نہیں رہ گئی۔ یَوَن، سانپ (غیر ملکی سانپ سے مراد مسلمان ہیں) جس کو عدم تعاون کا دودھ پلا کر پالا گیا تھا۔ اپنی زہریلی پھنکار سے پوری قوم میں فساد پھیلا رہا تھا۔" (ص ۷، ۱۹۷۹ء)

دراصل ستمبر ۱۹۱۹ء میں خلافت کمیٹی کی تشکیل عمل میں آئی تھی نومبر ۱۹۱۹ء میں پہلی خلافت کانفرنس دہلی میں مہاتما گاندھی کی صدارت میں ایک کمیٹی مقرر کی گئی تاکہ وہ تحریک عدم تعاون کا ایک تفصیلی لائحہ عمل اور پروگرام تیار کرے جس کو مئی ۱۹۲۰ء میں آل انڈیا خلافت کمیٹی نے منظوری دے دی۔ اس کے بعد مہاتما گاندھی نے خود کانگریس کی طرف سے مقررہ تاریخ (یکم اگست ۲۰ء) سے تحریک عدم تعاون شروع کرنے کا اعلان کیا۔ جس کی تصدیق ۴ ستمبر ۲۰ء کو کلکتہ میں اور تائید دسمبر ۱۹۲۰ء ناگپور میں کانگریس کے اجلاس نے بھی کر دی۔ اس طرح ایک مشترکہ عوامی جدوجہد انگریزوں کے خلاف شروع ہو گئی۔ اسی مشترکہ جدوجہد (جس میں ہندو اور مسلم دونوں شریک تھے) کے جوش کو ٹھنڈا کرنے والا' بتایا گیا ہے جس کے نتیجے میں مناقشات پھیل گئے ... برہمن اور غیر برہمن کی لڑائی کھل کر سامنے آگئی: گویا ہندو مسلم اتحاد برہمن اور غیر برہمن لڑائی کو فروغ دیتا ہے۔ بات یہیں پر نہیں رہتی بلکہ کہا گیا کہ ایسے اتحاد سے 'مسلم سانپ' کو غذا ملتی ہے اور وہ پوری قوم میں فساد پھیلانے کا باعث ہوتا ہے۔

بھیشیکر جی آگے لکھتے ہیں کہ "ہندوستانی مسلمانوں نے اپنے کو پہلے مسلم ثابت کیا ہے پھر ہندوستانی ... ملک کی فضا پر مسلمانوں کا فرقہ وارانہ جنون چھایا ہوا تھا۔ بھارت ماتا کی جے، کے بجائے 'اللہ اکبر' کے نعرے سنائی دے رہے تھے ... یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ ہندو ہی بھارت میں قوم ہیں اور ہندتو اس کی قومیت ہے ... صرف ہندو ہی ہندوستان کو آزاد کرا سکتے ہیں اور صرف یہی ہندو کلچر کو بچا سکتے ہیں۔" (ایضاً ص ۲۵)

۲۲-۲۳ء سے پورے ملک میں ہندو مسلم فسادات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ مالابار (کیرالا) میں موپلاؤں (مسلمانوں) نے حکومت اور زمینداروں (ہندوؤں) کے خلاف ایک زوردار تحریک بھی ۲۰ء میں شروع کی تھی جس کو حکومت نے سختی سے کچل دیا تھا۔ سنگھ کے لٹریچر میں اس وقت کے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ

"مسلمانوں نے اس تحریک (خلافت) کی ناکامی کے لئے ہندوؤں کو ہی مورد الزام ٹھہرایا ـــــ انھوں نے جگہ جگہ

ہندوؤں پر حملے کرنا شروع کر دیئے۔" [۲۶]

" ہندوؤں کے جلوسوں کو مسجدوں کے سامنے روکنے کے واقعات برابر ہو رہے تھے اور جس کی وجہ سے تناؤ پھیلا ہوا تھا۔" [۲۷] اس وقت ہندو مہاسبھا کے لیڈروں نے مسجدوں کے سامنے بلا کسی روک ٹوک کے باجا بجانے کے اپنے حق کی حمایت میں قولی وعملی مہم شروع کر رکھی تھی۔ پنڈت مدن موہن مالویہ اس میں آگے آگے تھے۔ دوسری طرف مسلمانوں کے ایک طبقے نے بھی اس کو اشو بنا لیا تھا کہ وہ مسجدوں کے سامنے کسی حالت میں بھی باجا کی اجازت نہیں دیں گے۔ اس وقت بجائے اس کے کہ دونوں طرف کے لوگوں کو اعتدال اختیار کرنے کو کہا جاتا ڈاکٹر ہیڈگیوار صاحب ہندو مہاسبھا کے کاموں میں جٹ گئے۔" [۲۸] سبھا سے ان کا رشتہ کئی سال تک قائم رہا۔ ڈاکٹر صاحب ناگپور میں " جلوس وغیرہ نکالنے والوں کو (وہ) ابھارتے تھے کہ مسجد کے سامنے جاتے وقت باجا بجانا بند کرنے کی بزدلی نہ دکھائیں اور انھیں یقین دلاتے تھے کہ کچھ گڑبڑ ہوئی تو وہ اپنے آپ کو اکیلے نہیں پائیں گے۔" [۲۹] ستمبر ۱۹۲۷ء میں ناگپور میں 'دنگائی مسلمانوں' کو لاٹھیوں سے مارنے اور ان کا سر پھوڑنے اور انھیں اچھا سبق سکھانے کا کارنامہ فخر سے سنگھ کے لٹریچر میں بیان کیا جاتا ہے۔" [۳۰]

سنگھ اقلیتی کمیشن، کشمیر سے متعلق دفعہ ۳۷۰ تبدیلی مذہب کے حق کا مخالف رہا ہے۔ دستور ہند میں درج مذہبی اور لسانی اقلیتوں سے متعلق حقوق اسے ذرا نہیں بھاتے۔ ان حقوق کا نام 'اقلیتی منہ بھرائی' رکھا گیا ہے۔ پس ماندہ طبقات اور مسلمانوں کے سیاسی اتحاد کا بھی سنگھ مخالف ہے۔ [۳۱]

مسلمانوں کے ساتھ عیسائی بھی نشانہ پر رہتے ہیں۔ سنگھ کے لٹریچر میں اس بات کا فخریہ اظہار کیا گیا ہے کہ جب کنیا کماری (کیرالا) میں ایک جگہ عیسائیوں نے قبضہ کرنے کی کوشش کی تو سماج کی مدد سے سویم سیوکوں نے اس کو بچایا اور وہاں ایک عالیشان 'ویویکانند یادگار' کھڑی کر دی۔ [۳۲] 'ون واسی کلیان آشرم' کے ذریعے عیسائی پادریوں کے چنگل سے بچانے کے لئے آدی باسیوں کو تیار کیا جاتا ہے۔ [۳۳] مختصراً یہ کہ بقول سنگھ کے ملک کے مختلف حصوں میں عیسائیوں اور مسلمانوں کی حملہ آور کارروائیوں کی مستند معلومات کی وجہ سے سماج کو اس سے بروقت مطلع کر دینا سنگھ کے لئے آسان ہے۔ [۳۴]

26 چندر شیکھر پرمانند بھیشیکر: سنگھ وکش کے بیج ڈاکٹر کیشوراؤ ہیڈگوار ص: ۹ دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۸ء
27 " " ص. ۱۰
28 " " " " "
29 " " ص. ۲۵
30 " " " " "
31 " " ص: ۵۹
32 " " ص: ۴۵
33 " " ص. ۴۹
34 " " ص. ۵۰

اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ یا وہ طبقہ جو سنگھ کے نظریات کا مخالف ہے، اس کو مغربی / انگریزی / انتشار پسند کہا جاتا ہے۔ اس میں وہ لوگ آتے ہیں جو سنگھ کی اقلیتوں کے خلاف نظریات اور کارروائیوں اور پروپیگنڈے کے مخالف ہیں۔ اس میں ایسے ہندو بھی آتے ہیں جو سنگھ کے نظریات کو انسانیت مخالف اور خود ہندو مخالف پاتے ہیں۔ بعض ایسے بھی لوگ ہیں جو اس کو اپنے نظریئے کے خلاف پاتے ہیں جیسے نکسلی کمیونسٹ وغیرہ۔ لیکن خود سنگھ کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں سے زیادہ بڑا خطرہ مغربی سماجوں کی نقل اتارنے والے طبقہ سے محسوس کرتا ہے۔ [۴۴]

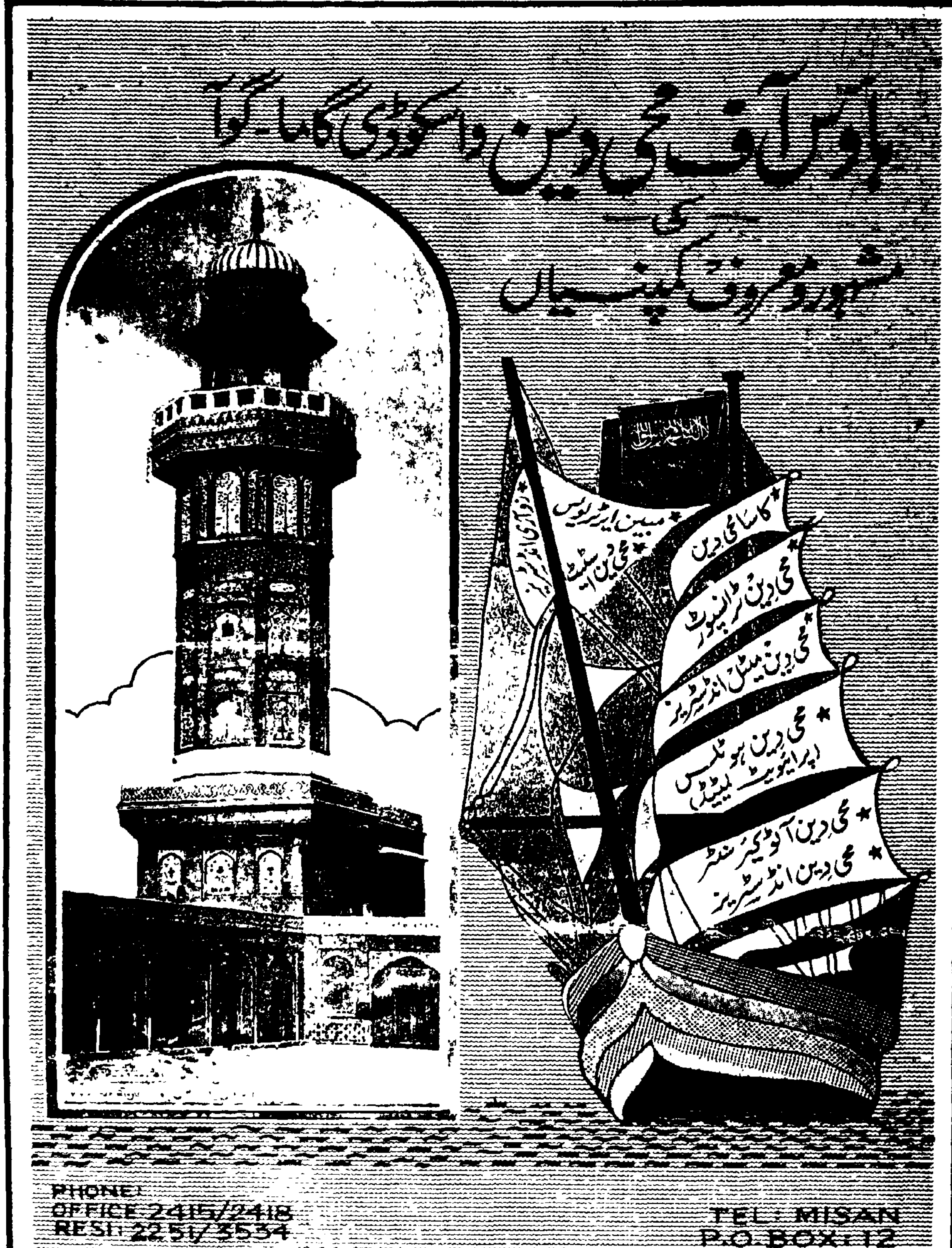
۴۔ سنگھ کے ہیرو لڑنے اور مارنے والے لوگ ہیں جیسے شیواجی، رانا پرتاپ جنھوں نے ان کے خیال میں مسلمانوں سے بہادری کے ساتھ مقابلہ و لڑائی کی تھی۔ ان کے تربیتی پروگراموں میں ان لڑائیوں کے قصوں کو بار بار سنایا جاتا ہے۔ [۸] ماضی کی شخصیت میں رامچندر کو پیش کیا جاتا ہے جنھوں نے چھتری خصوصیات کے ساتھ راون کو شکست دی تھی۔

۵۔ دین دیال اپادھیائے کے مطابق جو ایک اہم فکری قائد رہے ہیں۔ جمہوریت، سرمایہ داری اور سوشلزم مغربی تصورات ہیں جنھوں نے انسان کی پریشانیوں میں اضافہ ہی کیا ہے۔ "جمہوریت اور سرمایہ داری نے ایک دوسرے سے مل کر کھلا استحصال کا دور شروع کیا۔ پھر سرمایہ داری کو ہٹا کر جب سوشلزم آیا تو اس نے جمہوریت اور فرد کی آزادی کا خاتمہ کر دیا۔" [۹] لیکن حالیہ دنوں میں کھلی مخالفت صرف اشتراکیت کی باقی رہ گئی ہے۔

۶۔ دیکھنا چاہئے کہ آر ایس ایس کا مذہب کے بارے میں کیا نظریہ ہے، خدا، پوجا، عبادت وغیرہ کے بارے میں ان کے کیا خیالات ہیں اور وہ اپنے خدا اور انسان کے بیچ کیسا رشتہ متعین کرتے ہیں؟ اسی سے ہم کو معلوم ہو سکے گا کہ وہ کوئی مذہبی تحریک ہے کہ نہیں؟

گرو گولوالکر رقم طراز ہیں: " لوگ مندر میں جاتے ہیں اور بتوں کو خدا کا نشان سمجھ کر اس سے لو لگاتے ہیں لیکن یہ کسی ایسے شخص کو جو عمل سے بھرا ہوا ہے یعنی کرم یوگی کو مطمئن نہیں کرتے۔ ہم 'زندہ خدا' چاہتے ہیں۔ ایسے خدا کا کیا کام جو صرف سنتا ہو اور جواب نہ دیتا ہو۔؟ یہ بت نہ تو روتے ہیں اور نہ مسکراتے ہیں یا کوئی ردعمل بھی نہیں ظاہر کرتے، الا یہ کہ پوجا کرنے، کروانے لئے غیر معمولی صلاحیت کے افراد ہوں لیکن عام لوگوں کے لئے یہ خدا کے بے حس نشان ہیں۔" [۱۰] تو پھر سوال یہ ہے کہ 'زندہ خدا' کون ہے؟ جواب ہے' یہ 'زندہ خدا، ہندو قوم ہے۔ [۱۱] اس NationGod کے مختلف نام لئے گئے ہیں جیسے جگن، ماتا

44- چندر شیکھر پرمانند بھیشیکر: سنگھ وکش کے بیج ڈاکٹر کیشوراؤ ہیڈگوار. ص K- ۱۹۸۸ء- 44
8. KSSF,P - 17
9. Integral Humanism (Delhi: Narchetan Press 1968)
10. Golwalkar: Bunch of thoughts, P-24 (BT)
11. Golwalkar: Bunch of thoughts, P-7


ہاؤس آف محی دین واسکوڈی گاما۔ گوا
کی
مشہور و معروف کمپنیاں
مبین ایئر ٹریولس
محی دین اسٹیٹ
محی دین ٹرانسپورٹ
محی دین میٹل انڈسٹریز
محی دین ہوٹلس (پرائیویٹ لمیٹڈ)
محی دین آٹو کیئر سنٹر
محی دین انڈسٹریز
PHONE:
OFFICE 2415/2418
RESI: 2251/3534
TEL: MISAN
P.O. BOX: 12

(دنیا کی ماں)، آدی شکتی (قدیم قوت)، مہامایا، مہادرگا، ماتروبھومی (مادر وطن)، دھرما بھومی (دھرم کا ملک) — دیوا بھومی (خدا کا ملک) موکشا بھومی (نجات کا ملک)۔ [۱۲] ماتر بھومی سے تعلق کو سب سے اونچا تعلق سمجھا جاتا ہے جبکہ دوسرے تعلق ورشتے کم درجے کے ہیں جو بڑے مقصد کے لئے قربان کئے جا سکتے ہیں۔ اسی لئے مابعد الطبیعیاتی مسائل اور مباحثے یہاں چنداں اہمیت نہیں رکھتے۔ ماتر بھومی یا دھرتی ماتا میں قوم اور مقدس جغرافیہ دونوں شامل ہیں۔ قوم سے مراد ہندو قوم ہے اور جہاں یہ قوم رہتی اور بستی ہے، وہی اس کا مقدس جغرافیہ ہے۔ اصلاً یہ جغرافیہ مغرب میں ایران تک، مشرق میں ملیشیا کو چھوتا ہوا شمال میں تبت اور جنوب میں سری لنکا تک پھیلا ہوا ہے۔ [۱۳] اس مقدس سرزمین کو باہری حملہ آور تباہ کرتے رہے ہیں۔ جبکہ تقسیم ملک کو آر ایس ایس لٹریچر زنا سے تعبیر کرتا ہے۔ [۱۴]

۷۔ اس فکر میں قوم سے مراد صرف ہندو قوم ہے۔ گرو گولوالکر لکھتے ہیں کہ قوم غیر تحلیل شدہ پانچ اکائیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہ اکائیاں ہیں:
۱۔ جغرافیہ ۲۔ نسل ۳۔ مذہب ۴۔ تہذیب یعنی کلچر اور ۵۔ زبان
جغرافیہ سے مراد ایک علاقہ جس کی سرحدیں متعین ہوں " قوم کے لئے نسلی اتحاد کی اہمیت پر زور دینے کی حاجت نہیں۔ نسل ایک مورثی سماج ہے جس کے رسم و رواج، زبان، عروج وزوال کی یادیں مشترک ہوں۔ مختصراً یہ ایک آبادی ہے جس کی ابتدا مشترک ہو اور ایک ہی تہذیب کے دائرے میں، ایسی نسل ایک قوم کا سب سے اہم جز ہے۔ اگر اس میں کچھ غیر اصل بھی آگئے ہوں تو وہ مادری قوم کے جسم میں ایسے جذب ہو گئے ہوں کہ وہ الگ نہ ہو سکتے ہوں۔"

" ... عموماً جبکہ مذہب رسوم کا نام ہے ... یہ تہذیب ہے جو زیادہ اہمیت رکھتی ہے ... " جہاں مذہب ایک امتیازی عنصر نہیں ہوتا وہاں تہذیب قومی تصور کے دوسرے اجزا سے مل کر ہر قوم کی بناوٹ کا فیصلہ کن نقطہ بن جاتی ہے۔" ... ہندوستان میں مذہب ایک ہمہ جہتی عنصر ہے۔ کیونکہ یہ ایک معقول فلسفۂ حیات کی غیر متزلزل بنیاد پر قائم ہے ... ہم وہی ہیں جو ہمارے عظیم مذہب نے ہم کو بنایا ہے ... لیکن خواہ یہ دونوں مذہب اور تہذیب، ایک دوسرے سے تمیز کرکے دیکھے جا سکتے ہوں یا نہ دیکھے جا سکتے ہوں، اور خواہ ایک دوسرے کا ضمیمہ بن گئے ہوں۔ ہر وہ وحدت جس کو ہم قوم کہتے ہیں وہ ایک قومی مذہب اور تہذیب رکھتی ہے۔ کیونکہ یہ قومی تصور کی تشکیل کے لئے ضروری ہے۔" "یہاں ایک ہی زبان ہے۔ سنسکرت جس کی ... سب زبانیں شاخیں ہیں۔" [۱۵]

قومیت کے درج بالا اصولوں کو بیان کرنے کے بعد گرو گولوالکر فرماتے ہیں:

" ہم مکرر کہتے ہیں کہ ہندوستان ہندوؤں کا ملک ہے جس میں ہندو قوم رہتی ہے اور اسی کو رہنا چاہئے۔ کیونکہ یہ پانچ اصولوں پر پوری اترتی ہے۔" ... عظیم الشان ہندو قوم تابناک ہندو دھرم کی پیرو ہے۔ دنیا کا وہ تنہا دھرم جس کو یہ لقب دیا جا سکتا ہے۔ اس دھرم کی رہنمائی میں عمل کرتے ہوئے اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں۔ انفرادی، سماجی اور سیاسی۔ اس قوم نے ایک عظیم تہذیب کو پروان چڑھایا۔ اس تباہ کن قربت کے باوجود جو اس کو مسلمانوں اور یورپ کی گری ہوئی تہذیب سے رکھنا پڑا۔ یہ دنیا میں سب سے اعلیٰ تہذیب ہے۔" [۱۶]

اس طرح کسی کو شک نہیں ہونا چاہئے کہ سنگھ کے تصور فوقیت میں ہندو دھرم کوئی الگ سی چیز ہے۔ اس کے بقول ہندو دھرم کی رہنمائی میں قوم نے عظیم تہذیب (؟) کو پروان چڑھایا تھا۔ کوئی اگر پوچھ لے کہ ہندوستان میں جبکہ مذہب ایک ہمہ جہتی عنصر ہے تو اس کا (ہندو دھرم) معقول فلسفۂ حیات کیا ہے؟ اور اس کی غیر متزلزل بنیاد کونسی ہے؟ تو جواب دیا جائے گا کہ یہ تہذیب ہے جو زیادہ اہمیت رکھتی ہے، جب سوال ہوگا کہ تہذیب کیا ہے تو چند ہندو علامات کا نام لے دیا جائے گا اور بتایا جائے گا کہ اس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں، مذہب تو رسوم کا نام ہے!۔

۸۔ مقدس جغرافیہ کے علاوہ راشٹر (قوم) میں ایک 'روح' بھی ہوتی ہے جس کو چِت (चित) کہتے ہیں۔ [۱۸] یہ 'چت' ایک طرح کا بالا قانون ہے جس کو سیاسی اداروں اور انسان کے بنائے ہوئے قوانین پر فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ [۱۹]

قومی روح یا چت کی مستند تشریح اور تعبیر کرنے والے لوگوں کا ایک خاص گروہ ہوتا ہے۔ جو انسان کے بنائے ہوئے قوانین اور رسوم کی مخالفت کا بھی حق رکھتا ہے۔ اگر وہ ان کے اعلیٰ ضمیر سے ٹکراتا ہو۔ اس طرح کے باشعور افراد کا تذکرہ سنگھ کے لٹریچر میں اکثر ملتا ہے۔ بہرحال اس کا ذکر نہیں ملتا کہ ایسے لوگوں کو چنا کیسے جائے اور ان کے متعین فرائض کیا ہیں؟ وہ خود اپنے علم و حکمت اور بے غرضی کی بنا پر پہچان لئے جائیں گے۔ [۲۰]

عملاً سنگھ کے بڑے اور پرانے لیڈران کو یہ درجہ دیا جاتا ہے۔ یہ سنگھ پریوار سے منسلک تنظیموں کے اہم مسائل، خاص تقریبوں اور بڑے معاملات میں اپنی رائے دیتے ہیں جس کو نہ صرف قبول کیا جاتا ہے بلکہ احترام کے ساتھ عمل بھی کیا جاتا ہے۔ [۲۱]

12. BIS - P-76, See notes 30 chap. 3.
13 BT, P-84 14 BIS P-77
15 صلاح الدین عثمان: آر ایس ایس تعلیمات، مقاصد ص ۱۶۲-۱۶۶ نصرت پبلشرز، امین آباد، لکھنؤ۔ ۱۹۹۴ء
Curran: Militant Hinduism ؛ اخذ کردہ

16 " . " " . "
18 D.D. Upadhyaya: Integral Humanism, P-52
19 D.D. Upadhyaya Integral Humanism, P 54-55
20 BIS P-79 21 BIS P-81

ایک قومی' روح کا یہ تصور اس مفروضے پر مبنی ہے کہ ہندوستان کی ثقافتی روایات (Cultural Heritage) کا منبع ایک ہی ہے۔ گولوالکر کے مطابق "زندگی کی ایک ہی فلاسفی، ایک ہی مقصد، باہری مادہ پر اندرونی روح کی وہی بالادستی، پنرجنم کا ایک ہی عقیدہ برہمچاریہ اور صداقت (सत्य) وغیرہ۔ ایک ہی مقدس سنسکار (روایات) اور مختصر یہ کہ ایک ہی خون ہمارے سماج کے تمام رگوں میں دوڑ رہا ہے۔" [۲۲] اس مفروضے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے خاص سماج کے لئے ایک مخصوص روح ہی ہونی چاہیئے کیسی غیر مانوس روح یا چت نہ ہے۔ سماج کا یہ جسم کیسے کام کرسکتا ہے ؟ اس لئے سنگھ میں مقدس جغرافیہ سے باہر صداقت (सत्य) کا کوئی تصور نہیں ملتا۔ یہاں صداقت عالمی نہیں جغرافیائی ہے۔ اس کی روح لطیف نہیں بلکہ کثیف ہے۔

۹۔ گولوالکر کہتے ہیں کہ جنوب کے لوگ بھی ویسے ہی آرین ہیں جیسے کہ شمال کے لوگ، اور تمام دراوڑی زبانوں نے سنسکرت سے ہی قوت (Inspiration) حاصل کی ہے۔ سنسکرت زبانوں کی رانی ہے اور دیوتاؤں کی زبان ہے۔ [۲۳] چنانچہ سنسکرت کا فروغ سنگھ کے منصوبے کا خاص جزو رہا ہے۔ سنگھ میں جو دعائیں یا اصطلاحات آغاز میں ملی جلی ہندی و مراٹھی میں تھیں انھیں ۱۹۳۰ء میں بدل کر سنسکرت میں کر دیا گیا۔ [۲۴] انگریزی زبان کے سلسلہ میں منفی جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے۔ [۲۵] دوسری زبان جو انھیں کھٹکتی ہے وہ اردو ہے بلکہ اردو کی عملی مخالفت میں سنگھ پریوار بہت آگے رہا۔

۱۰۔ ہندو راشٹر کو آزاد کرانے اور ہندو سماج، ہندو دھرم اور ہندو کلچر کی حفاظت کرنے کے لئے راشٹر کو آخری بلندی تک پہنچانے کے مقصد سے ڈاکٹر ہیڈگیوار نے سنگھ کو قائم کیا تھا۔ [۳۵] ہیڈگیوار ہندو راشٹر کا نظریہ پہلے سے ثابت شدہ سچائی کی شکل میں سب کے سامنے پیش کرتے تھے۔ اس سے متعلق وہ زیادہ بحث میں بھی نہیں پڑتے تھے، ان کا کہنا تھا کہ اس نظریہ کے سلسلے میں غیر معمولی (अविचल) احترام ہونا چاہیئے۔ [۳۶] وہ برملا کہتے تھے کہ بھارت ہندو راشٹر ہے اور اس کی آزادی اور (विस्तार सामर्थ्य) کے لئے ہندوؤں کی ملک گیر تنظیم (سنگھٹن) ہونا چاہیئے۔ [۳۷] ان کے بقول ہندو ہی اس دیش کی قسمت بنانے والے ہیں۔ وہی اس کے فطری مالک ہیں۔ [۳۸] اس طرح جو مقام خدا کے لئے مخصوص ہے، وہ مقام ہندو قوم کے لئے بنا لیا گیا اور اب وہی قابل صد احترام اور پرستش ٹھہرا۔ [۳۹] لیکن وہ ہندو لفظ کی تشریح کے چکر میں نہیں پڑتے تھے۔ وہ اس کے لئے نظر آنے والے ہندو سماج کی طرف اشارہ کر دیتے تھے۔ [۴۰]

سنگھ کے مقصد میں صرف تقسیم شدہ موجودہ بھارت نہیں ہے۔ وہ اکھنڈ (غیر منقسم شدہ عظیم ہندوستان) بھارت کی بات نہیں بھولا ہے۔ [۴۱] اس کی یاد دہانی وہ کراتا رہتا ہے۔ بلکہ اس کی نظر میں پوری دنیا ہے۔ ہیڈگیوار کہا کرتے تھے کہ دنیا کے مسائل کو حل کرنے کی قوت ہندو علم معرفت (تتوگیان) اور نظریہ زندگی میں ہے۔ دنیا کو امن و سکھ کی راہ دکھانا ہی ان کے خیال میں خدا کے منصوبے کے مطابق شروع سے ہی اس راشٹر کا مقصد زندگی رہا ہے۔ لیکن اس کے لئے ایک طاقتور راشٹر کھڑا کر کے دکھانا ہوگا۔ اور اس کی روحانی اقدار کو زندگی میں اپنانا ہوگا۔ ہندو تنظیم کا سب سے عظیم مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ راشٹر اور سماج میں درجِ بالا مقصد کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ [۴۲] اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ عظیم مقصد کے لئے طاقت و قوت کا حصول بنیادی اہمیت اختیار کر لیتا ہے۔ ڈاکٹر ہیڈگیوار نے کہا تھا "اپنا دھرم اور اپنا کلچر کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو، جب تک اس کی حفاظت کرنے کی قوت ہمارے پاس نہیں ہوتی تب تک دنیا میں کوئی ان کی عزت نہیں کرے گا۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی آخر میں سوال کھڑا ہوتا ہے قوت و شکتی کا۔ بے قوت ہونے کی وجہ سے اپنا دھرم اور سماج لاچار اور مجبور ہو گیا۔" [۴۳]

یہ تھی آر ایس ایس یا سنگھ کے بنیادی نظریات کی کچھ تفصیل۔ اب آگے اس طریقۂ کار پر گفتگو آئے گی۔

طریقۂ کار

نظریات اور مقاصد کی تشریح کے بعد اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ہم جانیں کہ ان کے حصول کے لئے کون سا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے ؟ اور اس سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ نظریات و طریقۂ کار کے تعین میں کون سی چیزیں اساسی اہمیت کی حامل ہیں اور کیا چیز ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ ؟

۱۔ لیکن ہندتو کے حاملین بڑے زور شور سے یہ بات کہتے ہیں کہ ہم کسی ایک کتاب یا کسی ایک شخصیت سے بندھے ہوئے نہیں ہیں۔ وہ اس کا اظہار اپنی وسعت قلبی اور خوبی کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ وہ ایک سے زیادہ کتب اور شخصیات پر مشتمل کوئی متعین فہرست بھی نہیں

22 BT, P-102 23 BT, P-112,115

24 سی پی بھیشیکر کا سوانحی کتابچہ ڈاکٹر کیشو راؤ ہیڈگوار۔ ص ۱۷، ۱۹۹۹ء

25 BIS P-81,82

35. چندر شیکھر پرمانند بھیشیکر، سنگھ ورکش کے بیج۔ ڈاکٹر کیشو راؤ ہیڈگیوار۔ ص ۱۳۔ ۱۹۸۸ء

36. 〃 〃 ص: ۱۴ 〃 〃 〃 〃

37. 〃 〃 ص: ۱۲ 〃 〃 〃 〃

38. 〃 〃 ص: ۱۰ 〃 〃 〃 〃

39. چندر شیکھر پرمانند بھیشیکر، سنگھ ورکش کے بیج۔ ڈاکٹر کیشو راؤ ہیڈگیوار۔ ص ۵۴، ۱۹۸۸ء

40. 〃 〃 ص: ۳۴ 〃 〃 〃 〃

41. 〃 〃 ص: ۶۰ 〃 〃 〃 〃

42. 〃 ۴۰۔ ۶۱ ص: 〃 〃 〃 〃

43. 〃 ص: ۶۱ 〃 〃 〃

باہمی تعلقات کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے ارشادات

ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور ایک دوسرے سے برتر ہونے کی کوشش نہ کریں
مسلمانوں کے درمیان نفرت اور عداوت کی آگ نہ بھڑکائیں
مسلمانوں کو ایک دوسرے کی دشمنی اور مخالفت پر نہ اکسائیں
ایک دوسرے کی مدد کریں اور ایک دوسرے کو مضبوط بنائیں
ایک دوسرے پر رحم اور شفقت کریں اور ہمدردی رکھیں
مسلمانوں کو ایک دوسرے سے محبت رکھنی چاہیئے
فرضی خریدار بن کر سودے کی قیمت نہ بڑھائیں
پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کی بدگوئی اور برائی نہ کریں
ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کریں
ایک دوسرے سے بغض نہ رکھیں
کوئی شخص کسی کی بیع پر بیع نہ کرے
ایک دوسرے پر حسد نہ کریں

یکے از ہمدرد۔ بنگلور

پیش کرتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ یہ کوئی خوبی نہیں بلکہ خامی ہے۔ جس طرح ایک مہذب مستحکم اور انصاف پسند سماج کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کا کوئی متعین اساسی دستور ہو تاکہ سماج کے مختلف طبقات اور افراد اس کے حوالے سے گفتگو کرسکیں، اپنے حقوق و اختیار کو جان سکیں اور نامناسب ہونے کی صورت میں اس کو بدلنے کی کوشش کریں۔ اسی طرح ایک نظریاتی گروہ کے لئے جو قلب و نظر کی تبدیلی کے ساتھ پوری زندگی میں تبدیلی چاہتا ہو کسی متعین text یا کتاب (یا کتابوں) اور شخصیات کو نہ چن کر پانا کمزوری کی دلیل ہے۔ یہ بات بلا وجہ نہیں ہے کہ سنگھ پریوار کے افراد اور جماعتیں مختلف اہم مواقع پر متضاد موقف کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔ ایسا اس وجہ سے ہے کہ حسب ضرورت جیسا موقع ہو ویسا کرلیا جائے۔ بابری مسجد کے سلسلے میں مختلف فورم میں متضاد بیانات اور اعلانات اس کی واضح مثال ہے۔ دراصل یہاں صرف مقصد ہی اہم ہے ذرائع کی اہمیت نہیں ہے اور اس میں اخلاقی اور غیر اخلاقی اور جائز اور ناجائز کی بحث فضول ہے۔ یہاں اصولی اور غیر اصولی کی بات بھی نہیں ہے بس یہ ہے کہ حالات کا استعمال اپنے مقصد کے لئے کرلینا چاہئے۔ [۴۴ کا حوالہ دیکھ لیں]

۲۔ سنگھ کے بانی ڈاکٹر ہیڈگیوار کا طالب علمی کے دور (۱۹۱۰-۱۹۱۵ء) میں ہی جبکہ وہ کلکتہ میں نیشنل میڈیکل کالج میں ڈاکٹری کی تعلیم مکمل کررہے تھے، انقلابی جماعتوں سے تعلق ہوگیا تھا۔ بنگال کی انقلابی تنظیم 'انوشیلن سمیتی' کے وہ اونچے درجے کے ممبر ہوگئے تھے [۴۵] وہاں ان کو خفیہ اور زیر زمین کاموں کا کافی تجربہ ہوا تھا۔ "اس وقت وہ حتی الامکان تنظیمی کاموں میں لکھنے پڑھنے کو ٹالتے تھے۔ نام گاؤں، حساب، دی گئی چیزیں، ساتھیوں کا پروگرام وغیرہ سب ان کے دماغ میں رہتا تھا۔ اسی پالیسی کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب خود کبھی نہیں چھپے [۴۶] کام میں اسی طریقہ کا نتیجہ ہے کہ سنگھ کے مالی حسابات کا کبھی پتہ نہیں چلتا، ممبرشپ کا کوئی رجسٹر نہیں ملتا اور کوئی چیز جلدی گرفت میں نہیں آپاتی۔ ڈاکٹر صاحب کے زمانے میں ہی یہ روایت مستحکم ہوچکی تھی۔ چنانچہ ان کا سوانح نگار بتاتا ہے کہ کلکتہ میں اپنے قیام کے پانچ سال کے دوران کیے گئے کاموں سے متعلق وہ کبھی کچھ نہ بولے۔ [۴۷]

۳۔ سرکار وقت پر راست تنقید نہیں کرنا بھی طریقہ کار کا ایک اہم جز رہا ہے۔ برطانوی حکومت پر بھی تنقید سے بچا جاتا تھا۔ [۴۸] ڈاکٹر ہیڈگیوار کے مطابق ہندوؤں کی تنظیم (سنگھٹن) سے ہی سارے مسائل حل ہوں گے۔ اس لئے اس کو مضبوط کرنے پر ساری قوت صرف کی جانی چاہئے۔

لیکن برطانوی حکومت پر تنقید سے بچنا عوامی طور پر نقصان دہ ہوسکتا ہے۔ ۱۹۳۰ء میں گاندھی جی نے مختلف طرح کے سرکاری قوانین کو توڑنے کے لئے عوامی ستیہ گرہ یا مہم کا آغاز و اعلان کیا تھا جس کو بڑی تائید حاصل ہوئی تھی۔ چنانچہ ہیڈگیوار صاحب نے ہر جگہ اطلاع بھجوائی کہ سنگھ اس ستیہ گرہ میں حصہ نہیں لے گا۔ لیکن جس کو اس میں حصہ لینا ہو وہ انفرادی حیثیت میں ایسا کرسکتا ہے۔ خود ذاتی حیثیت میں اس میں حصہ لینے کے لئے پہلے سنگھ کی تمام ذمہ داریوں کو ڈاکٹر ایل۔ وی پرانجپے کے حوالے کیا اور پھر یکم جولائی ۱۹۳۰ء کو ۱۰ ہزار افراد کی موجودگی میں انھوں نے جنگل ستیہ گرہ کیا۔ [۴۹] گویا سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

اپنی ستر سالہ تاریخ میں سنگھ کی یہ پالیسی عام طور سے برقرار رہی ہے۔ ۱۹۵۳ء کی گئو کشی مخالف مہم اس کا استثنا کہلا سکتی ہے۔

۴۔ ایک طرف حکومت وقت بالخصوص برطانوی حکومت سے ٹکراؤ سے بچنے کا عمل رہا ہے تو دوسری طرف مسلمانوں سے ٹکراؤ کو طریقہ کار کے بنیادی جزو کے طور پر اپنایا گیا ہے۔ جلوس نکالنا ہو یا عبادت گاہ کے سامنے باجا بجانا ہو، گاؤکشی کے خلاف تحریک یا اردو زبان کی مخالفت ہو، یکساں سول کوڈ کی بات ہو یا اقلیتی کمیشن کے قیام

45. BIS, P-31

46. بھیشیکر ... ڈاکٹر کیشو راؤ ہیڈگوار ص ۱۸، ۱۹۸۸ء

47 〃 〃 〃 〃 〃 ص ۶ اور ۷ 〃

48. 〃 〃 〃 〃 〃 ص ۲۴ 〃

49. 〃 〃 〃 〃 〃 ص ۲۰ 〃

کی بات ہو۔ سنگھ ہر جگہ ایسا موقف اختیار کرتا ہے جو مسلمانوں کے موقف سے مختلف ہو اور جو ہندو مسلمان کے ٹکراؤ کی طرف لیجاتا ہو۔

۵۔ غیر ہندوؤں کے طریقۂ عبادت کی عزت کرتے ہوئے بھی راشٹر کی روایات، آدرشوں، زندگی کی لہر کے سلسلے میں انھیں پورا احترام کرنے کا طریقہ سمجھایا جائے اور ان کی اپنی آرزوؤں کو راشٹر کی آرزوؤں میں مدغم کرنے کا نظم ہونا چاہیے۔ [۵۰] سنگھ کے دوسرے گرو گولوالکرجی فرماتے ہیں کہ ہند میں ہندو مسلم جھگڑوں کی خاص وجہ یہ ہے کہ ابھی ہندوستان کے مسلمان کی ہندوستانی عوام اور کلچر (سنسکرتی) کے ساتھ پوری طرح یک رنگی نہیں آئی ہے۔ [۵۱] گویا یک رنگی پیدا کرنا ان کا مستقل طریقۂ کار رہا ہے۔

۶۔ اہم شخصیات کو متاثر کرنے کے لئے ان کا طریقۂ کار یہ رہا ہے کہ بڑے اور اہم لوگوں کو شاکھا میں آکر معائنہ کرنے کی دعوت دی جائے چنانچہ وہ آکر بہت متاثر ہوتے تھے۔ اس طرح اس عملی مظاہرہ کا خاصا فائدہ ہوتا تھا۔

۷۔ خود ہی کسی پر کوئی الزام گھڑنا اور پھر اس الزام کے نتیجہ میں اس کو مجرم قرار دینا سنگھ کا خاص طریقۂ کار رہا ہے۔ گرو گولوالکرجی کی بات آپ بھی سنیں۔ "وہ کچھ مسلمان کہتے ہیں کہ ان کا قومی ہیرو رستم ہے۔ سچ پوچھا جائے تو مسلمانوں کا رستم سے کیا رشتہ؟ رستم تو اسلام کے آنے سے پہلے ہوا تھا۔ وہ کیسے ان کا قومی ہیرو ہو سکتا ہے؟ اگر وہ ہو سکتا ہے تو پھر رام چندر جی کیوں نہیں ہو سکتے؟ میں پوچھتا ہوں کہ آپ بھارت کی یہ تاریخ کیوں نہیں قبول کرتے؟" [۵۲] کونسا مسلمان رستم کو اپنا قومی ہیرو مانتا ہے؟

۸۔ مختلف علامات کا استعمال بھی ان کے طریقۂ کار کا اہم جزو رہا ہے۔

تنظیم

آغاز کار (۲۵-۱۹۳۲ء) میں ڈاکٹر ہیڈگیوار نے کردار سازی کے لئے ڈسپلن کے بہت سے طریقے آزمائے تھے۔ ان طریقوں کو سنگھ کے لٹریچر میں 'سنسکار' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سنسکار ان ہندو رسوم کا نام ہے جو آدمی کو زندگی کے اگلے مرحلے کے لئے تیار کرتی ہے۔

نیچے سنگھ کی کچھ تنظیمی خصوصیات کو مختصراً ان کے لٹریچر سے ہی بیان کیا گیا ہے۔ کہیں کہیں دوسرے حوالے دیئے گئے ہیں۔

۱۔ روزانہ کی شاکھا: ایک لفظ میں سنگھ کا مقصد 'سنگٹھن' (تنظیم) رہا ہے۔ روزانہ کی 'شاکھا' لگانا اس کا ایک لازمی مظہر بن چکا ہے۔ یہ تنظیم کی بنیادی اکائی ہوتی ہے۔

ایک شاکھا میں ممبرشپ کی تعداد ۵۰ تا ۱۰۰ کے درمیان ہوتی ہے۔ ۱۰۰ سے زیادہ کی تعداد ایک گروپ کے استحکام کے لئے مناسب نہیں سمجھی جاتی۔

ہر شاکھا عمر کے مطابق چار حصوں میں منقسم ہوتی ہے:

(الف) شیشو سیوم سیوک: عمر ۶ یا ۷ تا ۱۰ سال (ب) بال سیوم سیوک: عمر ۱۰ تا ۱۴ سال (ج) ترن سیوم سیوک: عمر ۱۴ تا ۲۸ سال (د) پرورڈھ سیوم سیوک: عمر ۲۸ سال سے زیادہ عمر کے سیوم سیوک۔

ایک ریسرچ کے مطابق ۶۰ فیصد شرکاء کی عمریں ۱۰ اور ۲۵ سال کے درمیان ہوتی ہیں۔

عمر کا ہر گروپ ذیلی گروپ یا 'گٹ' میں منقسم ہوتا ہے جو ۲۰ افراد سے زیادہ پر شاذ و نادر ہی مشتمل ہوتا ہے۔ یہ ذیلی گروپ ہم عمر اور عموماً ہم محلہ/علاقہ افراد کا ہوتا ہے۔ اس میں ایک گٹ نایک (ذیلی گروپ لیڈر) اور ایک شکشک (استاد) ہوتا ہے۔ ان دونوں کا تقرر شاکھا کے صدر مدرس (مکھیہ شکشک) کرتے ہیں۔

ذیلی گروپ لیڈر یا گٹ نایک اپنے گروپ کے سیوم سیوک (ممبر) کے "بڑا بھائی" کی طرح ہوتا ہے۔ وہ اپنے گروپ میں 'اخلاق' میں سب سے بلند ہوتا ہے اور اپنے گروپ کے افراد کے اخلاق کے سلسلہ میں ذمہ دار بھی ہوتا ہے۔ شکشک انھیں مختلف طرح کے کھیل، بہادروں کی کہانیاں اور ورزش سکھاتا ہے۔ لاٹھی، بھالا، چھری وغیرہ کا استعمال کبڈی اور جوش و عمل والے کھیل کے ساتھ وطن پرستی پر مبنی نغمے اجتماعی طور پر گائے جاتے ہیں۔ ان عملی پروگراموں کے علاوہ فکری تربیت کے لئے مباحثے، تقریریں اور دوسرے 'بودھک' پروگرام بھی شکشک کی رہنمائی میں ہوتے ہیں۔ ذیلی گروپ لیڈر اور اساتذہ ہر دس، پندرہ دنوں پر اپنے علاقے کے 'پرچارک' (ہمہ وقتی کارکن) سے ملتے ہیں اور اپنے کاموں کی رپورٹ دیتے ہیں اور اس سے اپنے مسائل میں رہنمائی لیتے ہیں۔ مختلف سیاسی اور سماجی ایشوز میں وہ سنگھ کی پالیسی پر بھی وہ گفتگو کرتے ہیں۔

ہر شاکھا کا قانونی سربراہ 'کارواہ' (سکریٹری) ہوتا ہے جو اپنے علاقے کا ایک معزز اور کچھ سینئر ممبر ہوتا ہے۔ عملاً اصل قوت 'مکھیہ شکشک' کے پاس ہوتی ہے۔ زیادہ تر مکھیہ شکشک نوجوان ہوتے ہیں۔ شاکھا کی کامیابی کا انحصار اسی کی صلاحیت پر ہوتا ہے۔

زیادہ تر مقامات پر آر ایس ایس کے اپنے آفس ہوتے ہیں جہاں پرچارک، قیام بھی کرتے ہیں اور یہاں آپسی ملاقاتیں اور دوسرے تنظیمی کام ہوتے ہیں۔

شاکھا سے اوپر 'منڈل کمیٹی' ہوتی ہے جو ایک علاقہ کی تین یا چار شاکھاؤں کے ذمہ داروں پر مشتمل ہوتی ہے۔ دس تا بارہ منڈل کمیٹیاں مل کر ایک 'نگر کمیٹی' (شہری) بناتے ہیں۔ اس کے اوپر ضلع اور 'بھاگ' (علاقائی) کی کمیٹی ہوتی ہے۔ روزمرہ کا زیادہ تر کام شہری سطح پر انجام پاتا ہے۔ شہری کمیٹی کی میٹنگ ہر ہفتہ ہوتی ہے

50. गोलवलकर राष्ट्र, जानकी प्रकाशन, नई दिल्ली-110011, 1992/ पृ0 286

51. " " " " " " 301

52. " " " " " " 312

جس میں ایک 'سنگھ چالک' کے ساتھ مختلف ڈپارٹمنٹ کے سربراہ (جسمانی تربیت، عسکری تیاری اور مالیات کا سکریٹری) حصہ لیتے ہیں۔ یہیں سے فیصلے نیچے جاتے ہیں (میٹنگ کی صدارت 'کارواہ' یا سکریٹری کرتا ہے)۔

صوبائی سطح پر 'پرانتیہ پرتیندھی سبھا' (صوبائی مجلس نمائندگان) صرف مباحثہ کا فورم ہے۔ لیکن عملاً ان کی کوئی طاقت نہیں ہوتی سنگھ کے دستور کے مطابق مذکورہ سبھا کے لئے ہر پچاس سیوم سیوک پر ایک منتخب مندوب ہوتا ہے جو مل کر صوبائی 'سنگھ چالک' کا انتخاب کرتے ہیں۔ 'سنگھ چالک' کو دستور کے مطابق صوبائی 'پرچارک' کے مشورہ سے نیچے کی سطح کے ذمہ داروں کا تقرر کرنا ہوتا ہے۔ لیکن عملاً روزمرہ کے کاموں پر ان کا کوئی کنٹرول نہیں ہوتا۔

اسی طرح کل ہند سطح پر 'اکھل بھارتیہ پرتی ندھی سبھا' قائم ہے۔ جس کی نشست صوبائی سبھا کی طرح سال میں ایک بار ہوتی ہے اور یہ بھی عملاً کوئی قوت اپنے اندر نہیں رکھتے۔ حالانکہ سنگھ کا دستور انھیں پوری تنظیم پر عام دیکھ ریکھ کی قوت دیتا ہے۔ اصل انتظامی قوت مرکزی سطح پر 'کیندریہ کاریہ کاری منڈل' (مرکزی ورکنگ کمیٹی) اور جنرل سکریٹری کے پاس ہوتی ہے۔ [۵۳]

۲- سربراہ کی اہمیت و مقام: سنگھ کے ڈھانچے میں اصل قوت 'پرچارک' کے پاس ہوتی ہے جس کا نظام سنگھ کے دستور میں درج نظام سے (جس کا تذکرہ اوپر کیا گیا) الگ ہوتا ہے۔ آر ایس ایس کے کاموں کو انجام دینے کے اصلاً یہی ذمہ دار ہوتے ہیں۔ ان کا تقرر بالعموم صوبائی پرچارک کرتے ہیں۔ افرادی قوت کی فراہمی میں صوبائی شاخیں عملاً کافی اختیارات رکھتی ہیں۔ ویسے کل ہند جنرل سکریٹری اس سلسلہ میں آخری فیصلہ کر سکتا ہے۔ پرچارک کو ایک صوبے سے دوسرے صوبے میں بھیجنے وغیرہ کا فیصلہ بھی جنرل سکریٹری کے ذمہ ہوتا ہے۔

آر ایس ایس کی برادر تنظیموں کو یہ 'پرچارک' بطور قرض دیئے جاتے ہیں۔ جہاں وہ اُس تنظیم کے کام کے علاوہ سنگھ کے مفاد کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔

ایک آئیڈیل پرچارک عام طور سے گریجویٹ ہوتا ہے جو انگریزی اور ہندی سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے۔ نوجوانی میں ہی ان کا انتخاب کر لیا جاتا ہے۔ یہ شادی نہیں کرتے اور نہ ہی کہیں ملازمت کرتے ہیں۔ یہ اونچی ذاتوں سے تعلق رکھنے والے ہوتے ہیں اور سبزی خور ہوتے ہیں۔ ان کا لباس کرتا، دھوتی پاجامہ ہوتا ہے نہ کہ غیر ملکی پہناوا!

سنگھ کی تنظیم میں سب سے اونچا درجہ اور سربراہ کی حیثیت 'سرسنگھ چالک' کی ہوتی ہے۔ ڈاکٹر ہیڈگیوار شروع ہی سے اس کے سربراہ مانے جاتے تھے۔ ویسے باقاعدہ اس نام کا عہدہ انھیں نومبر ۱۹۲۹ء میں دیا گیا۔ ان کی سوانح پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدے کی طلب ان میں بالکل نہیں تھی۔

نئے 'سرسنگھ چالک' کا تقرر سابق سرسنگھ چالک کرتا ہے جو تاحیات سربراہ رہتا ہے، مختلف معاملات میں اس کا فیصلہ آخری مانا جاتا ہے۔ (۲۹ جون ۱۹۴۰ء کو اپنے انتقال سے پہلے ڈاکٹر ہیڈگیوار کے گرو گولوالکر کو اپنے بعد سربراہ بنا دیا تھا۔ یہی عمل موجودہ سربراہ بالا صاحب دیورس کے لئے بھی دہرایا گیا تھا)

۳- بھگوا جھنڈا ہی گرو ہے: قدیم ہندوستان میں گرو یا استاد کو پوجنے کی روایت رہی ہے۔ ڈاکٹر ہیڈگیوار نے گرو کی شکل کسی انسان کو نہ دے کر یہ حیثیت اپنے بھگوا (زعفرانی) جھنڈے کو دی اور اب ہر سال "گرو پورنیما" کے دن اس جھنڈے کو پوجنے کا عمل کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس طرح انھوں نے شخصیت پرستی سے اپنی تنظیم کو بچانے کی کوشش کی اور اس عمل کے ذریعہ لوگوں کی محبت تنظیم کے تئیں بڑھی ہیں۔

۴- سنگھ کے چھ تقریبات (اُتسو): سال میں سنگھ چھ تقریبات مناتی ہے پہلی تقریب نئے ہندو سال کے آغاز میں منایا جاتا ہے جس کو "ورش پرتی پاد" (वर्ष प्रतिपाद) کہا جاتا ہے۔ اس میں سال گزشتہ کے کاموں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ یہ دن ہیڈگیوار کے یوم پیدائش کے طور پر بھی منایا جاتا ہے۔ دوسری تقریب کا تعلق شیواجی کی تاجپوشی کے دن سے ہے۔ اس دن کا تعلق ہندوؤں کے مسلم مغلوں پر فتح حاصل کرنے سے ہے ——— اس دن شیواجی کے واقعات اور ان کے کاموں کو تفصیل سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کا نام "ہندو سامراج دیوس" ——— (हिन्दू-साम्राज्य-दिवस) ہے۔

تیسری تقریب 'رکشا بندھن' کی ہے۔ شمالی ہند کے اس تیوہار میں بہنیں اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں راکھی باندھتی ہیں تاکہ مشکل اوقات میں وہ اس کی حفاظت کر سکیں۔ سنگھ میں مکھیہ شکشک یا سکریٹری سیوم سیوک کو ایک راکھی اپنے ساتھی سیوم سیوک کو باندھنے کے لئے دیتا ہے۔ اس کا مقصد آپسی محبت اور بھائی چارہ کو فروغ دینا ہے۔

چوتھی تقریب کا نام 'گرو پورنیما' (गुरु पूर्णिमा) ہے۔ اس دن سنگھ کے ممبران اپنے گرو (یعنی بھگوا جھنڈا) کو روپے پیسے بھینٹ چڑھاتے ہیں۔ فنڈ جمع کرنے کا یہ اچھا موقع ہوتا ہے۔ جہاں روپے دان کئے جاتے ہیں، وہاں 'ہندو قوم کے رہنماؤں' کی تصاویر رکھی ہوتی ہیں۔ ان میں ہیڈگیوار، گولوالکر، رام داس سوامی اور گرو گوبند سنگھ شامل ہیں۔ شیواجی اور رانا پرتاپ کی تصاویر بھی ہوتی ہیں۔

پانچویں تقریب دسہرہ یا وجے دشمی (विजयदशमी) کے موقع کی ہے۔ رام پر راون کی فتح دھوم دھام سے منائی جاتی ہے۔ شیواجی سے متعلق مختلف ہتھیاروں کی پوجا بھی باقاعدہ طریقہ سے اس موقع پر کی جاتی ہے۔ ہتھیاروں کو سندور لگایا جاتا ہے۔ بینڈ باجے کے ساتھ جلوس نکال کر لاٹھی وغیرہ کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔

چھٹی تقریب کا نام 'مکر سنکرانتی' (मकर-संक्रान्ति) ہے۔ جو

53. بھیشیکر کی کتاب کے علاوہ BIS کے صفحات ۸۳ تا ۸۷

سردیوں میں منایا جاتا ہے۔ اس کا مرکزی عنوان یہ ہے کہ اس میں قوم کے سلسلے میں ذاتی فرائض کو یاد کیا جاتا ہے۔ مٹھائیاں بھی تقسیم کی جاتی ہیں۔

۵۔ دستوری و کاغذی کام کم سے کم: سنگھ نے شروع میں اپنا کوئی دستور نہیں بنایا تھا (موجودہ دستور ملک کی تقسیم کے بعد حکومت کے دباؤ سے بنایا گیا تھا) ضوابط اور ذمہ داروں کی بھی کوئی لائن نہیں تھی۔ اپنے سابقہ تجربے کی وجہ سے بھی انھوں نے آفس اور کاغذ' پتر کو کبھی اہمیت نہیں دی۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اصل اہمیت انسان کی ہے۔ اس طرح انھوں نے ایک خاص طرح کا تنظیمی کلچر بنایا تھا۔

تربیت اور ٹریننگ

سنگھ کا طریقۂ کار تنظیمی معاملات اور خصوصیات کو سامنے رکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز میں افراد کی تربیت و ٹریننگ اور تنظیمی مفاد کو سامنے رکھا گیا ہے۔ ذیل میں مختصراً چند امور کا الگ سے تذکرہ کیا جاتا ہے۔ [۵۴]

۱۔ سنگھ کم عمروں پر سب سے زیادہ توجہ دیتا نظر آتا ہے۔ اپنی تنظیم کے قیام کا اعلان بھی انھوں نے چند نوجوانوں کے سامنے ہی کیا تھا۔ وہ ان سے قریبی تعلق بنائے رکھتے تھے۔ ان کے سارے پروگرام ایسے ہوتے ہیں جو نوجوانوں کو متوجہ کرنے والے ہیں۔ لیکن وہ یہ بات سمجھانے میں کامیاب ہیں کہ سنگھ کوئی تفریح گاہ یا کلب نہیں ہے۔ بلکہ اس کے سامنے اپنا عظیم مقصد ہے۔

۲۔ حلف اور عہد لینے کا طریقہ بھی اپنایا جاتا ہے۔ ۱۹۲۸ء میں پہلی بار ناگپور شہر سے باہر نکل کر ایک مقام پر ۹۹ سیوم سیوک نے سنگھ کا کام زندگی بھر کرنے کے لئے حلف لیا۔ آج بھی جو لوگ اس میں زندہ بچے ہیں' وہ اپنا یہ فرض نبھا رہے ہیں۔

۳۔ ساکھا تربیت کا بہت اہم ذریعہ ہے۔ ایک مقام پر ایک لباس میں (خاکی نیکر پہن کر) ایک متعینہ مقام پر روزانہ کا اجتماع، قریبی تعلق و رشتہ کو کافی مضبوط تو کرتا ہے۔ ذہن بھی بدل دیتا ہے۔

شاکھا میں بھگوا جھنڈے کے سامنے خاص طرح سے صف بندی ہوتی ہے۔ پھر جھنڈے کو سلامی دی جاتی ہے۔ حاضری کے بعد لوگ اپنے مختلف گروپ میں بٹ جاتے ہیں۔

آخر میں دوبارہ جھنڈے کے سامنے جمع ہوا جاتا ہے اور سنسکرت میں 'سنگھ کی پرارتھنا' مل کر گائی جاتی ہے۔ 'نمستے سدا وتسال ماتر بھومی' (اے پیاری مادر وطن تجھے سلام!) کے بعد بھارت ماتا کی جے' کا نعرہ لگایا جاتا ہے۔

شاکھا کے دوران' ڈسپلن کی خلاف ورزی پر فوراً سزا بھی دی جاتی ہے۔ سزا میں شاکھا گراؤنڈ کا چکر لگانا وغیرہ شامل ہے۔

۴۔ فکری اور نظریاتی تربیت کے لئے مختلف طرح کے کیمپ بھی لگائے جاتے ہیں۔ یہ عموماً تین طرح کے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم میں 'مربیوں' کی تربیت کے لئے تقریباً ۱۵ دنوں کا کیمپ لگتا ہے۔ یہ ضلعی سطح پر اکثر سردیوں میں کسی الگ مقام پر لگایا جاتا ہے۔ یہ کیمپ سینئر لوگوں کے لئے ہوتا ہے۔

بہت سے تین روزہ کیمپ سال بھر میں مختلف لوگوں جیسے اسکول کے طلبا، کالج کے طلبا، تجارت پیشہ حضرات کیلئے لگائے جاتے ہیں۔

سب سے اہم کیمپ سنگھ کے کارکنوں کے لئے ہوتا ہے جس کو آفیسر ٹریننگ کیمپ کہہ سکتے ہیں۔ یہ عموماً گرمی کے موسم میں ایک ماہ کے لئے لگائے جاتے ہیں۔ اس کی کافی تیاری کی جاتی ہے۔ ہر 'پرچارک' پر لازم ہے کہ وہ کم از کم دو ایسے کیمپ میں شرکت کرے۔

جو دو ایسے کیمپ کر لیتے ہیں وہ تیسرے سال ناگپور کے تربیتی کیمپ میں بھیجے جاتے ہیں۔ ان کیمپوں میں شرکا کی عمریں بالعموم ۱۵ سے ۴۰ سال کی ہوتی ہیں۔

کیمپ کے اختتام پر تحریری امتحان بھی لیا جاتا ہے۔ سوالات کچھ اس طرح کے ہوتے ہیں۔ وہ کون سے مقامات ہیں جہاں ہندو کلچر غالب ہے؟ سنگھ کا قیام کب ہوا تھا وغیرہ۔

۵۔ ملک کے اہم رہنماؤں سے قریبی تعلق قائم کر کے ان کو اپنے مقصد کے لئے ہموار کرنا سنگھ کا خاص طریقہ رہا ہے۔ اس کے لئے وہ ان کو اپنے اہم پروگرام میں مہمان بنا کر بلاتے ہیں تاکہ وہ دیکھ کر متاثر ہوں۔ جب کوئی بڑا آدمی ناگپور آتا تو ہیڈگیوار ان سے خود ملتے اور شاکھا میں آنے کی دعوت دیتے تھے۔ ایسے لوگوں کی لمبی فہرست بنائی جاتی ہے۔ جنھوں نے سنگھ کی تقریبات میں تھوڑی دیر شرکت کر کے اس میں شمولیت اختیار کر لی۔

۶۔ ان سب باتوں کے ساتھ سنگھ اس پر زور دیتا رہتا ہے کہ ان کی تنظیم ہندو سماج سے الگ نہیں ہے بلکہ اس کا حصہ ہے۔ وہ تنظیم اور سماج میں دوئی کے خلاف رہے ہیں۔

۷۔ سنگھ نے مختلف کاموں کے لئے الگ الگ تنظیمیں بنا رکھی ہیں جو خاص خاص میدانوں میں کام کرتے ہیں۔ اس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔

خلاصہ

اوپر کی تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سنگھ اپنے مقصد کے حصول کے لئے غیر معمولی لگن، منصوبے، ایثار اور قربانی کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کی نظر دنیا کے اس مختصر خطۂ زمین سے اوپر نہیں اٹھ سکی ہے۔ وطن اور نسل ہی ان کا مطمح نظر ہے۔ دنیا ماضی میں اسی طرح کی 'پرستیوں' کا نتیجہ بھگت چکی ہے۔ اس کا حقیقی علاج یہی ہے کہ انسانوں کو رب کائنات کے آفاقی پیغام کی طرف دل سوزی کے ساتھ بلایا جائے۔ ●●

54۔ ذیلی عنوانات تنظیم اور تربیت، ٹریننگ کے لئے بھیشیکر کی کتاب اور BIS سے استفادہ کیا گیا ہے۔

ہندتو کا تعلیمی نصاب

محمد رئیس

کچھ عرصہ قبل راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے ایک بڑے نظریہ ساز اَچھوت پنتھ زدھن نے ناناجی دیشمکھ کے نام ایک خط میں لکھا تھا:

"سماجی اور معاشی ترقیات کے بارے میں کچھ نئے قسم کا فکر پیش کرنے کا عزم ہے جس کے لئے آپ کا گروہ ایک مناسب مقام ہے بھارتی سنسکار کو بنیاد بناکر جدید مسائل کا تجزیہ کرنا ابھی دانشوروں میں معتبر و مقبول نہیں ہو سکا ہے بلکہ یہ کام زیادہ تر ساری دنیا پر چھائے ہوئے لبرل، جمہوری، سوشلسٹ، مارکس وادی وغیرہ نظریات کی روشنی میں ہی ہوتا ہے۔ گاندھی وادی سماجی معاشی پروگراموں پر عیسائی مشنریوں کے افراد کی نفسیات کی ہلکی سی چھاپ ہے۔

میرا ارادہ ہے فرد اور سماج کے باہمی تعلقات کے موضوع پر بھارتی سنسکاروں کی بنیاد پر ایک نیا سماں تیار کرنے کا یہ کوشش کہاں تک مقبول عام ہوگی، اس کا مجھے اندازہ نہیں ہے۔ پھر بھی سورگیہ دین دیال اپادھیائے ریسرچ سنٹر کے لئے اسی قسم کی فکر مناسب ہوگی، ایسا میرا خیال ہے۔"[A]

اس خط سے واضح ہے کہ ہندتو کی علمی حیثیت ہنوز مسلمہ نہیں ہے۔ پھر بھی گذشتہ انتخابات میں بھارتیہ جنتا پارٹی کی حکومتیں قائم ہوئیں تو راتوں رات ہندتو کی "تصحیح شدہ اور تحقیقی" نصابی کتابیں ملک کے نونہال ذہنوں پر مسلط کر دی گئیں۔ ان کتابوں کے خلاف احتجاج بھی ہوا۔ احتجاج کا ایک رخ تو مسلم اقلیتوں کی شکایتوں کا تھا — اور یہ احتجاج قیام ہند کے وقت سے ہی جاری ہے لہٰذا اس پر تفصیلی گفتگو یہاں نہیں کی جا رہی ہے۔ اس بار کے احتجاج میں ایک نئی بات یہ تھی بہت سے "ہندو اور سیکولر" حضرات بھی میدان میں تھے لیکن غالباً اس کی وجہ کتابوں کے حقوق سے کہیں زیادہ یہ تھی کہ پرانے اور رجمے جمائے سیکولر یعنی کانگریسی ناشرین اور تاجران کتب کا کاروبار ہندتو حامی گروہ کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔ جو لوگ درسی کتب کے حالیہ نظام سے واقف ہوں گے، وہ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ آئے دن کی نصابی تبدیلیوں کے پیچھے کوئی نیا تعلیمی جذبہ نہیں ہوتا بلکہ سال بہ سال کی تجارت کتب اور ان کا کمیشن ہوتا ہے۔ لہٰذا بھارتیہ جنتا پارٹی کے تعلیمی نصاب کا ایک مقصد اس تجارت کو اپنے حق میں کرنا بھی تھا۔ کیا یہ سب خود ہندوؤں کے ساتھ ایک بھونڈا مذاق نہیں ہے؟

ہندتو کے تعلیمی نصاب کا دوسرا نشانہ — ہمیشہ سے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو درہم برہم کرنا اور خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کی امیج خراب کرنا اور اگر ممکن ہو تو اسلام پر کیچڑ بھی اچھالتا رہا ہے۔ ہندتو کے تعلیمی نصاب کے رخ سے بھی یہاں پر کوئی کلام نہیں کیونکہ اس موضوع سے ہم سب واقف ہی ہیں۔ البتہ یہاں پر ہندتو کے تعلیمی نصاب کا تیسرا رخ پیش کیا جا رہا ہے، یہ تعلیمی نصاب کس حد تک "تعلیمی" ہے اور اس میں کس حد تک ہندتو کا پروپیگنڈا شامل ہے درسی کتب اور اس کے متعلق تحریری مواد سے ہندتو کے تعلیمی نصاب کے بارے میں جو انکشافات سامنے آئے ہیں، وہ ذیل میں مضمون وار درج کئے جا رہے ہیں:

تاریخ

تاریخ کو ہندتو کے تعلیمی نصاب میں مرکزی حیثیت حاصل ہوگی بلکہ سچ تو یہ ہے کہ صرف تاریخ ہی کی تعلیم دی جائے گی، صرف مضامین کے نام بدلتے رہیں گے۔ تاریخ پر اتنا زیادہ زور دینے کی بھی وجوہات ہیں: (۱) تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ آریہ ہی ہندوستان کے اصل باشندے تھے (۲) تاریخ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہندو امریکہ چین، جاپان — غرض سارے جہاں کے حکمراں تھے (۳) تاریخ سے اس بات کے شواہد بھی مل جاتے ہیں کہ جتنے بھی علوم انسان نے اب تک ایجاد کئے ہیں اور جو آئندہ ایجاد کئے جائیں گے، وہ سب کے سب ہندوؤں نے بہت پہلے ہی ایجاد کر لئے تھے (۴) جغرافیہ پڑھانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں پڑے گی کیونکہ "تاریخ" سے ثابت ہے کہ جغرافیہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے (۵) چونکہ ان تمام "تاریخی حقائق" کا پکا ثبوت ویدوں، پرانوں، اپنشدوں، گیتا، مہابھارت اور رامائن وغیرہ میں موجود ہے، لہٰذا یہ تمام ادب عالیہ (Classics) گائیڈ بک کے بطور شامل نصاب ہوگا ہی۔

اس طرح تاریخ پڑھانے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ کچھ بھی کئے بنا سب کچھ 'ہندتو' کا ہو جائے گا۔ اب یہ جادو کس طرح سر چڑھ کر بولے گا، اس کے کچھ نمونے بھی ملاحظہ فرمایئے:

آریہ ہندوستان میں، ہندوستان قطب شمالی میں

یہ کہا جا سکتا ہے کہ لوک مانیہ تلک نے یہ نظریہ پیش کیا کہ آریہ



[illegible]

... نظریہ قائم کرتے ... [illegible]

... قطب شمالی ... اس حصے ... [illegible]

... پہاڑ ... کہتے ہیں ... مشرق کی طرف ... شروع ہوا اور کبھی مغرب کی طرف ... اس طرح وہ آج اس جگہ جا پہنچا ... ہیں۔

... کہتے ہوئے کوئی ... نہیں کہ اگر یہ حقیقت ایک ... سامنے آجاتی تو وہ بنا کسی جھجک کے یہ نظریہ قائم کرتے ... قطب شمالی ہے جس گھر کا ذکر کیا گیا ہے، وہ بلاشبہ ... ہے اور یہ ہندو نہیں ہیں جنھوں نے اس سرزمین ... ہجرت کی تھی بلکہ اس ہجرت کی ذمہ داری قطب شمالی کے علاقہ ... ہندوؤں کو ہندوستان میں چھوڑ کر بھاگ نکلا۔

... ہندوستان میں سرجو ندی افغانستان میں

سرجو ندی کے کنارے راجہ دشرتھ کے کوشل دیش کی راجدھانی ... تھی لیکن یہ سرجو ندی کہاں ہے؟ بنگلور میں واقع ... کے سنسکرت ... انسٹی ٹیوٹ کے ایک محقق ڈاکٹر راجیش کوچر ... سال اکتوبر میں اپنا تحقیقی مقالہ پیش کیا تھا، "سرجو ندی ... جو دریا واقع ہوا ہے، وہ افغانستان میں ہو سکتی ... یادگار ... انھوں نے کہا: "ہم ... قدیم نہیں ہے کہ اسے رگ وید کے ... عہد کی سرجو کو اوستا میں ... ہری رود کو جیسے کتاب ... اور ... ایک جیسی ... تھے۔ ... کو موازنہ پرانوں میں بیان کی گئی تاریخ ... [illegible]

[illegible]

... اسلام کی ... [illegible] ... [۴]

ہندو ساری دنیا کے بادشاہ

"تاریخ ہند" نہیں تاریخ عالم کا نقطۂ زوال مہابھارت (کی جنگ) تھا ـــــ شاید اب دلچسپی اس بات میں ہوگی کہ مہابھارت کے واقعہ کی صحیح تاریخ کی تعین کی جائے (لیکن) تاریخوں کی تعین میں ہمارے کوششیں اس لیے ٹھہر جاتی ہیں کہ تاریخی ریکارڈ کا فقدان ہے ایک بات تو سب کو اچھی طرح معلوم ہے ... نسب ... کا تاریک دشمنی تھی۔ لیکن یہ عرب، افغان اور تاتاری ... لوگ ... جو ... کی تباہی کے ذمہ دار ہیں، خواہ ہندوستان میں ہو کہ مصر یا فارس یا یونان میں۔ [۳] اس کے بعد کئی صفحات میں مسلمانوں کی خرابیاں بیان کی گئی ہیں۔ لیکن مسلمانوں کی تمام شرارتوں کے باوجود مصنف نے عالمی ہندو راج کی تاریخ ڈھونڈ ھ ہی نکالی ہے۔

"بلاشبہ یہ بات صحیح ہے کہ ہندوستان سے ترک وطن کا سلسلہ جب سے دنیا قائم ہے تب سے جاری رہا ہے ـــــ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ ترک وطن کا سب سے پہلا واقعہ منو کے کچھ ہی عرصہ بعد پیش آیا تھا۔ ہندوؤں نے دنیا میں جو قدیم ترین ہندو استعماری حکومتیں قائم کی ہیں وہ مصر میں، امریکہ میں اور بعض دیگر ممالک میں۔ یونان کی جانب ترک وطن کی خاص لہر جنگ عظیم کے بعد آئی تھی۔ یونانی تصویری زبان میں ہند کے لیے کپی (Kapi) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ موسیٰ (۶) سے بہت قبل ہی یونان ہندوؤں کی کالونی بن چکا تھا۔

"آپ فیثا غورث، سقراط، افلاطون، ارسطو، ہومر، زینو، ہیسیوڈ (Hesiod)، سیسرو، اسکوولا، وارو اور ورجل کی تعلیمات کا موازنہ وید بیاس، کپل، گوتم، پتانجلی، کناد، جیمنی، نارد، پانینی، چرنک اور دیگر ان حضرات کی تعلیمات سے جن کا ذکر ہم نے کیا ہے کر کے دیکھیے تو آپ دونوں کے تصورات کی یکسانیت پر حیرت ...

زندہ جاوید ہو گئے؟ [۳]

کچھ مذہبی تاریخ نویسی

ایک اخبارات میں لوگ پی این اوک کی اس "تاریخی تحقیق" پر ہنسا کرتے تھے کہ تاج محل اصلاً ہندو راجپوتوں کا تعمیر کردہ ہے نہ کہ شاہجہاں کا بنوایا ہوا۔ اوک کی اس فہرست میں اب کئی دیگر مساجد، مقابر اور گرجا گھر بھی شامل ہو گئے ہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

تاج محل ، لال قلعہ ، قطب مینار ، جامع مسجد دہلی
جامع مسجد حیدرآباد ، درگاہ حاجی وارث علی شاہ (بارہ بنکی)
مزار شیخ ابراہیم چشتی (لکھنؤ) ، درگاہ شاہ صفی (اناؤ) ؛
مزار میران سید (گونڈہ) ، درگاہ سالار مسعود غازی (بہرائچ [۴]
مسجد گنج شہیداں (اجمیر) ، فتح پوری سیکری ،
مسجد عمرؓ اور مسجد اقصیٰ (یہ بھگوان کرشن" کے قدیمی مندر ہیں)
سینٹ پال کیتھیڈرل (لندن ــــ یہ شروع میں گوپال مندر تھا)
ناترے دیم گرجا گھر (پیرس ــ یہ دیوی بھگوتی یعنی پاروتی عرف درگا کا مندر تھا) [۵]

خود کعبہ بھی اپنی ابتدائی شکل میں ایک بہت بڑا وشنو ([illegible]) مندر تھا۔

اب کچھ امریکہ میں ہندو مذہب کی قدیمی موجودگی کے بارے میں: "شیوا، گنیش، اندر، سورج دیوتا، ہنومان، وشنو اور ان کا کچھوا اوتار، ان بعض ہندو بھگوانوں میں سے ہیں جو وسطی اور جنوبی امریکہ میں پوجے جاتے تھے ــــ سب سے بڑا مندر میکسکو شہر میں لارڈ شیوا کا مندر تھا ــــ یہ مندر ۵ ای میں تعمیر کیا گیا تھا اور اس میں تین ہزار دیو داسیاں رہتی تھیں جو مذہبی رسومات ادا کرتی تھیں۔ یہ مندر گوپورم اسٹائل میں بنایا گیا تھا۔ پیرو کے کوچوا (Quichua) حکمرانوں کی مقدس زبان تھی سنسکرت ــــ ہندو رزمیہ مہابھارت کے مطابق امریکی حکمرانوں نے کروکشیتر کی جنگ عظیم میں حصہ لیا تھا اور ایک ہندو شہزادہ (ارجن) نے ایک امریکی حکمراں کی دختر آلیپی سے شادی کی تھی۔ اس زمانہ میں امریکہ "پاتال" کے نام سے جانا جاتا تھا اور اس کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ وہ سونے سے مالامال ہے۔ اس بے مثل سرزمین کا خوب صورت بیان پرانوں (पुराण) میں ملتا ہے۔ وشنو پران کے مطابق زمین کے نیچے سات طبق ہیں: اتال / وتال / نتال / گبھستی مت / مہاتال / ستال / اور پاتال (یعنی امریکہ) [۶]

اور آخر میں اسلام کی تحقیق: "عہد عیسٰی سے قبل ساری دنیا میں ہر جگہ کے تمام لوگ ہندو تھے [5] پیغمبر محمدؐ ایک ہندو گھرانہ میں پیدا ہوئے تھے [۷] یہ خود محمد (ص) ہی تھے جنھوں نے اسلام کو جنم دیا تھا [۸]۔ اسلام صرف ۱۳۰۷ برس قدیم ہے۔ اس سے قبل تمام عرب ویدک تہذیب کا اتباع کرتے تھے۔ محمد (ص) نے قرآن میں بار بار کہا ہے کہ وہ کوئی نئی بات نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ پرانے صحیفوں کو دوہرا رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ وید ہی تھے" [۹]

مکہ کا قدیمی مندر جس میں تین سو سے زیادہ بت رکھے ہوئے تھے، پیغمبر (ص) نے مسمار کرا دیئے تھے، سوائے ایک حجر اسود کے (کیونکہ وہ ایک خدا کا نام لیتے تھے [۸] حج کا اجتماع انسان کے تزکیہ کا برہمنی طریقہ ہے اور اس کا لباس (احرام) بھی برہمنوں کا لباس ہے۔ بتوں کے بناعبادت کرنے پر اصرار ایسا ہی ہے جیسا کہ سکھ پنتھ یا آریہ سماج جو ویدک تہذیب کی شاخیں ہیں، اصرار کرتے رہتے ہیں ــــ موذن دن میں پانچ مرتبہ جس طرح نماز کے لئے بلاتا ہے، وہ سام وید میں درج دھنوں پر مبنی ہے" [۹]۔

لسانیات

پچھلے سال کچھ "مہاراشٹر" یعنی راشٹرا ادروہی اس بات پر مضطرب نظر آرہے تھے کہ بچوں کے نصاب تعلیم میں سنسکرت زبان کی تعلیم کو لازمی قرار دیا جا رہا ہے۔ اس سے ان کٹھ ملاؤں کی "شرارت اور تنگ نظر فرقہ پرستی" ہی نہیں بلکہ ان کی کوتاہ اندیشی اور معاملہ نافہمی بھی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ تعلیم زبان و ادب کا کام تو مطالعہ تاریخ کے ضمن میں ہی چکا ہوگا۔ پھر بھی کچھ تو اس وجہ سے کہ نصاب تعلیم میں زبان کا مضمون شامل کرنا فی زمانہ ایک مقبول فیشن ہے ــــ اور کچھ اس بنا پر کہ تعلیم زبان سے تاریخ فہمی بلکہ اسناد تاریخ کی فراہمی کا کام بھی لیا جا سکتا ہے، تاریخ کے علاوہ لسانیات کا مضمون بھی شامل نصاب ہوگا۔

لیکن لسانیات کے اس مضمون میں وہ فالتو چیزیں نہیں پڑھائی جائیں گی جو عام طور پر "مغرب سے درآمد شدہ نصاب" میں پڑھائی جاتی ہیں بلکہ اس ضمن میں ویدک "معنویات" (Semantics) اور تشکیل الفاظ کے فن پر ہی توجہ دی جائے گی۔ نمونہ کے طور پر ایک مختصر سبق ذیل میں درج کیا جا رہا ہے:

اللہ — یہ دیوی ماتا کا سنسکرت نام ہے (یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ اور اللات ایک ہی لفظ ہے۔

محمد — یہ لفظ سنسکرت زبان کا ہے، جس کا معنی ہے فیضان یافتہ شخص۔

اسلام — یہ سنسکرت ایسالیم (ईश + लयम) سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے بھگوانوں کا مسکن۔

قریش — یہ محمد (ص) کا خاندانی نام ہے۔ یہ لفظ ایک سنسکرت مرکب ہے: کُرو + ایش (कुरु + ईश) جس کا معنی ہے کُرو بھگوان۔ (واضح رہے کہ ۱۵ نومبر ۵۵۶۱ ق م میں مہابھارت کی جنگ ہونے سے قبل تک کُرو لوگ ساری دنیا میں اس دور کی آخری سپر پاور تھے۔ جنگ کے بعد یہ ویدک سلطنت

بکھر گئی اور گروہ ایش عرف قریش خاندان ساری دنیا میں پھیل گیا۔

مسلمان اس لفظ کے سنسکرت لفظ ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ یہ قرآن میں کہیں پایا نہیں جاتا۔ "مُسل" (मुसल्) ایک سنسکرت لفظ ہے جس کا ذکر مہابھارت کے رزمیہ میں ملتا ہے اس کا معنیٰ ہے "میزائیل"۔ دوسرا جزو "مان" سنسکرت لفظ "مانو" (मानव) سے ماخوذ ہے۔ یہی لفظ انگریزی زبان میں داخل ہو کر مین (Man) بن گیا ہے۔ واضح رہے کہ عرب لوگ میزائیل مین (Missile Man) تھے اور مہابھارت کی جنگ میں توپ چلانے کا کام کرتے تھے۔

شیخ یہ ایک سنسکرت لفظ "ششیہ" (शिष्य) کا عربی تلفظ ہے۔[9]

مجاہد اس لفظ میں مُ ایک سابقہ ہے جو عربی لفظ 'مع' (بمعنی ساتھ) کا مخفف ہے۔ پس مجاہد کا معنیٰ ہے وہ لوگ جو جہاد کرنے والوں کے ساتھ ہوں[10]

Vatican یہ آج کل تو کیتھولک عیسائیوں کی مذہبی حکومت اور اس کی روحانی کا نام ہے لیکن ابتدا میں یہ ایک سنسکرت لفظ تھا: واٹکا (वाटिका) جس کے معنیٰ ہیں باغیچہ۔

یروشلم اس کی اصل ہے یدوشالام (यदु + शाला) جس کا معنیٰ ہوا یادو (यादव) لارڈ یعنی کرشن کی زیارت گاہ[5]

افغان یہ وہ لوگ ہیں جو قدیم ہندوستان کے اپی وشن ناگا قبیلہ "اپگھن" (Apghan) کی نسل سے ہیں۔

سیستان یہ سنسکرت لفظ ہے جو شی اور استھان کا مرکب ہے (शि + स्थान) (شی مخفف ہے ششر بمعنی سردی کا۔ پس اس لفظ کا معنیٰ ہوا ٹھنڈا علاقہ)

ایتھوپیا اس ملک کا عربی نام ابی سینیا ہے جو اصل میں ابوارسن Abuisin تھا ابوارسن کلاسک عہد میں سندھ (Indus) کا نام تھا جہاں سے ایتھوپیائی نسل کے لوگ ہجرت کر کے افریقہ پہنچے تھے۔

Scandnavia اس کا اصل سنسکرت لفظ ہے: اسکند نابھی (स्कन्द + नाभि) بمعنی سپاہ گر سردار۔ اسکینڈینویا کے لوگ ہندو چھتریوں کی اولاد ہیں۔

Edda. یہ اسکینڈینویا کے قدیم باشندوں کی مذہبی کتاب کا نام جو اصل میں وید (Veda) ہے[6]

سائنس

جو لوگ ویدوں کو ہندوستانی وحی اور مقدس الہامی کتب کا درجہ دیتے رہے ہیں، اب وقت آگیا ہے کہ وہ اپنے عقائد

درست کرلیں۔" ویدوں میں طبعیات، کیمیا، علم الحساب، علم الادویہ علم کائنات (Cosmology) اور فلکیات" کے اسباق درج کئے گئے ہیں "ہندوستانی ایٹمی تھیوریاں" تجربہ پر نہیں بلکہ ظن وقیاس اور منطق پر مبنی تھیں۔ علم الاصوات (Acoustics) میں بہرحال ہندوستانیوں نے تجربات کی بنیاد پر انکشافات کئے اور ویدوں کی صحیح قرائت کی صوتی ٹریننگ کے ذریعہ سدھائے ہوئے کانوں نے موسیقی کے باریک سروں میں امتیاز کرنا سیکھا"[۱۱] مزید برآں "ویدک فارمولوں میں ایک ایسا مرکب نظام موجود ہے کہ اس کی مدد سے کائنات کے کسی بھی مجرد یا مستعمل پہلو کی تفہیم ممکن ہوجاتی ہے"[۱۲]

حوالہ (مذکورہ بالا) والی کتاب میں ویدوں کے اندر درج ذیل علوم کی شناخت کی گئی ہے:

Space Science/Cosmic Rays/Solar Radiation Earth/Planets/Comets/Astrology Physiology/Anatomy Engineering & Technology Pathology/Metallurgy Homeopathy bacteriology.

بہرحال یہاں پر صرف علم الحساب کا ذکر کیا جائے گا۔

"ویدک علم الحساب استھاپتیہ (स्थापत्य) وید کے ضمن میں آتا ہے جو ایک اپ وید (उपवेद) ہے اور اس میں استھاپتیہ یعنی انجینئرنگ کے موضوع سے بحث کی گئی ہے جس کے تحت تمام بصریاتی فنون (Visual Arts) ، ہر طرح کی انسانی تعمیراتی (Architectural) اور تشکیلی (Structural) انجینئرنگ آتی ہے۔ علم الحساب یا ریاضی بھی اسی زمرہ میں آتی ہے۔ ان "قدامت پسندانہ" طریقوں کے برعکس جو ساری دنیا میں رائج ہیں، ویدک علم الحساب ہمیں ذہنی حساب کتاب کرنا سکھاتی ہے۔ انتہائی مشکل سوالات ویدک فارمولوں کی مدد سے بآسانی حل ہوجاتے ہیں" (جب کہ انہیں حل کرنے کے لئے ترقی یافتہ مغرب کی دنیائے سائنس کو بہت زیادہ وقت توانائی اور سرمایہ خرچ کرنا پڑتا ہے)"

"ویدک ریاضی کی اہم خصوصیات حسب ذیل ہیں:-

* یہ علم الحساب کی ہر شاخ ریاضی، الجبرا، جیومیٹری (ہر قسم کی) ٹریگونومیٹری (ہر قسم کی) فلکیات، علم الاحصار پر محیط ہے

* طریقہ بہت آسان ہے سمجھنے میں بھی اور یاد کرنے نیز استعمال کرنے میں بھی (یہ الگ بات ہے کہ اتر پردیش کے اساتذہ سال بھر میں بھی نہ سمجھ سکے۔ طلبار کا تو ذکر ہی کیا!)

* کتنا ہی پیچیدہ مسئلہ کیوں نہ ہو، مغربی طریقوں کے مقابلہ میں بہت ہی کم وقت میں اس کی مدد سے حل کیا جاسکتا ہے۔

* جو چیز ہندوستان کے موجودہ نظام میں ۱۵، ۲۰ برس لگ جاتے ہیں، وہ اس کے ذریعہ سال ۸ مہینہ میں سیکھ سکتے ہیں"[۱۲]

بہرحال ابھی تک ان دعووں کا کوئی ثبوت کہیں بھی نظر نہیں آیا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ہندتوکی نئی نصابی کتابوں میں ریاضی کے ایسے سوالات شامل کئے گئے جن سے کوئی ذہنی انقلاب آئے یا نہ آئے راتوں رات سماجی انقل پتھل ضرور پیدا ہوسکتی ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو:

* اگر بابری مسجد کے گنبد کی گولائی ۴۵۰ فٹ ہے، تو اس عمارت کے فرش کا رقبہ بتاؤ ؟

* اگر ایک کارسیوک روزانہ ۸ گھنٹے کام کرکے بابری مسجد کو ۴۰ دنوں میں منہدم کرسکتا ہے تو ۳۲ کارسیوک ۹ گھنٹے روزانہ کام کرکے اسے کتنے دنوں میں منہدم کریں گے؟ (بحوالہ ہندی روزنامہ آج)

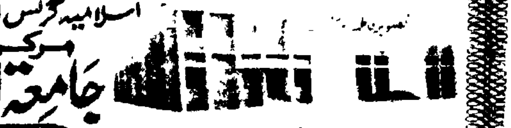
عملی درسیات

جب تمام علوم ویدوں سے ہی حاصل ہوجائیں گے تو پھر عملی تجربات کرنے کی زحمت ہی کیا؟ لہذا عملی درسیات کے نصاب میں جو چیزیں باقی رہ جاتی ہیں، وہ ہیں: (۱) یوگا (۲) علم نجوم اور (۳) علم سحر۔ اسباق کے ذریعہ مزید کچھ کرنے کی ضرورت بھی ختم ہوجائے گی اور سب کچھ گھر بیٹھے حاصل ہوتا رہے گا (بس کبھی کبھی زلزلوں اور حوادث کی شکل میں خدائی قہر ضرور نازل ہوگا۔ لیکن یہ تو اجتماعی مسئلہ ہے، کسی فرد کو اس سے پریشان ہونے کی ضرورت ہی کیا ؟)

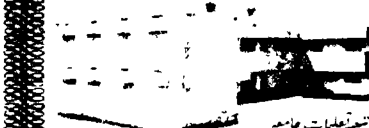
یوگا

اگرچہ "وید میں لفظ یوگا کا کہیں بھی ذکر نہیں ملتا (لفظ ہندو کی طرح) تاہم یہ بات خود بخود ظاہر ہے کہ یوگا کی کتابوں میں جو کچھ بتایا گیا ہے، اس پہ ویدک عہد میں عمل ہوتا ہی تھا"[۱۲] چنانچہ پرائمری درجات سے ہی یوگا کی تعلیم ضرور دی جائے گی یوگا کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ "علم الادویہ یا علم الحساب یا فلکیات یا تعمیراتی انجینئرنگ کے علم کی وحی حاصل ہوجاتی ہے"[۱۲] یوگا کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ برہمن بالادستی والا نظام خود بخود قائم ہوجائے گا کیونکہ یوگا کی تربیت کے لئے ایک کامل گرو کی ضرورت ناگزیر ہے اور "گرو خود برہمن بھگوان ہوتا ہے۔ گرو خود ہی ایشور ہوتا ہے گرو تو خدا ہے" اور "گرو، سچائی (Truth)، برہمن، ایشور، آتمن اور اوم — یہ سب ایک ہی ہوتے ہیں: گرو کے لئے شرط لازم یہ ہے کہ "گرو کو برہم شروتری ہی نہیں بلکہ برہم نشٹھ بھی ہونا چاہیئے"[۱۳]

یوگا کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ اس حلقہ میں داخل ہونے کے بعد ویدوں کے صحیح معنیٰ وتفسیر کا علم حاصل ہوتا ہے۔ ابھی تک دیگر مضامین کے تحت ویدوں کی جو تعلیم دی جاچکی ہوگی، وہ سب الفاظ کا ظاہری کھیل تھا، دنیا داری تھی۔ صحیح معنیٰ اور صحیح تفسیر علم باطن سے تعلق رکھتی ہے اور علم باطن کسی گرو کا مرید ہوکر ہی سمجھا جاسکتا ہے۔ چنانچہ "بیعت اسرار و رموز کے پردے چاک کردیتی ہے اور چیلے کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ مذہبی کتابوں کی پوشیدہ سچائی کو اخذ کرسکے جو



اسلامیہ گرلس اسکول، اسلامیہ گرلس کالج،
مرکز صنعت وحرفت
جامعۃ البنات
کھنڈیل، چیرکی
گیا (بہار)



اہمیت وضرورت

اسلامی نقطۂ نظر سے لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کی جو اہمیت ہے اس سے ہر باشعور مسلمان اچھی طرح واقف ہے۔ اس اہمیت کے پیش نظر کچھ حساس اور اسلام پسند لوگوں نے اپنی بے سروسامانی کے باوجود جنوری ۱۹۸۷ء میں اللہ کا نام لے کر جامعۃ البنات کا قیام عمل میں لایا۔ جہاں ابتدائی تعلیم سے لیکر عالمہ و فاضلہ کے ساتھ ساتھ B.A تک کی معیاری تعلیم کا نظم پیش نظر ہے۔ فی الحال درجہ دہم تک کی تعلیم دی جارہی ہے اور ہر سال بتدریج ایک ایک درجہ کا اضافہ ہوتا جائیگا

اغراض ومقاصد

اس ادارے کے قیام میں درج ذیل اہم مقاصد کارفرما ہیں۔

۱۔ لڑکیوں کے دل میں صحیح اسلامی عقیدے کی پختگی پیدا کرنا اور نیک عمل کا جذبہ ابھارنا۔

۲۔ ایک مکمل نظام زندگی کے طور پر اسلام کا تعارف کرانا اور قرآن وحدیث کو براہ راست سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنا۔

۳۔ اردو، عربی اور انگریزی زبان وادب میں ماہرانہ استعداد پیدا کرنا۔

۴۔ ایسی خواتین تیار کرنا جو درج ذیل صفات سے آراستہ ہوں

(الف) وہ اسلامی تہذیب کی نمائندہ ہوں اور اسلام کی چلتی پھرتی تصویر ہوں۔

(ب) مسلم گھرانے کی اخلاقی برائیوں اور سماج میں پھیلی ہوئی فکر ونظر اور عقیدہ کی خرابیوں کو دور کرنیکا فریضہ انجام دینے والی ہوں۔

(ج) نئی نسلوں کی دینی تربیت کرسکیں اور انھیں اخلاقی صفات اور اسلامی اقدار سے آراستہ کرسکیں

(د) مغربی تہذیب کی دلدادہ خواتین کے ذہن و دماغ کو اسلامی تہذیب کی طرف موڑ سکیں۔

(ہ) اپنی اولاد کی تربیت اور پرورش پرداخت کے لئے کامیاب ماں اپنے شوہر کے لئے مثالی رفیقۂ حیات اور اپنی سسرال میں سلیقہ مند اور خداترس بہو ثابت ہوسکیں۔

جامعہ ایک نظر میں

عمارتیں ۳
درجات۔ اوّل تا دہم
تعداد طالبات۔ ۲۵۰، تدریسی اسٹاف ۱۲
غیر تدریسی اسٹاف ۱۱
زمین ۔ ۵ ایکڑ (۲۴۲۰۰ مربع گز)
سالانہ بجٹ ۔ تقریباً تین لاکھ روپے

تعلیمی سیشن: جامعہ کی تعلیمی میقات یکم جنوری سے شروع ہوکر ۵ ار دسمبر کو ختم ہوجاتی ہے۔

تعلیمی نظام: جامعۃ البنات کا تعلیمی نظام تین مرحلوں میں مکمل ہوتا ہے۔

۱۔ مرحلہ ابتدائی (مدت تعلیم چار سال) درجۂ اوّل تا درجۂ چہارم۔ ان درجات میں اردو، حساب، اسلامیات، انگریزی، ہندی، معلومات عامہ اور ناظرہ قرآن کی تعلیم دی جاتی ہے۔

۲۔ مرحلہ ثانوی (مدت تعلیم چار سال) درجۂ پنجم تا درجۂ ہشتم: ان درجات میں اردو، عربی، اسلامیات ہندی، انگریزی، سائنس، حساب، تاریخ، جغرافیہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔

۳۔ مرحلہ اعلیٰ (مدت تعلیم چھ سال) اس مرحلہ کی دو منزلیں ہیں:

(الف) عالمیت (مدت تعلیم چار سال) اس منزل میں عربی صرف ونحو، عربی زبان وادب، عربی انشاء، تفسیر قرآن، حدیث، فقہ، انگریزی ادب (مساوی انٹرمیڈیٹ) امور خانہ داری اور معاشرتی علوم کی تعلیم دی جاتی ہے۔

(ب) فضیلت (مدت تعلیم دو سال) اس منزل میں عربی زبان وادب عربی انشاء، بلاغت، تفسیر قرآن حدیث فقہ، فرائض، اسرار شریعت، انگریزی ادب (مساوی بی اے) معاشرتی علوم، سلائی کٹنگ بنائی، کشیدہ کاری، تربیت اطفال، پرورش اولاد، فوری طبی امداد اور امور خانہ داری کی تعلیم دی جاتی ہے۔

اس مدت میں طالبات کے اندر اردو عربی، انگریزی زبان وادب اور دینی علوم میں اس حد تک دسترس پیدا کرنا پیش نظر ہے کہ وہ دین وملت کی بحسن وخوبی خدمات انجام دے سکیں مثلاً تدریسی خدمات، تبلیغی و دعوتی خدمات اور تصنیفی وصحافتی خدمات وغیرہ۔

نیا کمپلکس اور اس کا محل وقوع

اللہ کے بے پایاں فضل وکرم اور مسلم عوام کی مخلصانہ اعانتوں سے جامعۃ البنات کا نیا کمپلکس اپنی ۵ ایکڑ سرزمین پر تیار ہوچکا ہے اور یکم جنوری ۱۹۹۲ء سے اس کمپلکس کی حسین وجمیل بورڈنگ اور دو منزلہ عالیشان تعلیم گاہ مقامی لڑکیوں اور صوبہ بنگال و بہار کے گوشے گوشے سے آئی ہوئی طالبات سے آباد ہوچکی ہے۔

اس کمپلکس میں فی الحال ۴۰۰ طالبات کے لئے ایک دو منزلہ تعلیم گاہ ہے اور عصری تقاضوں کے مطابق دو خوبصورت اور آرام دہ بورڈنگ کی عمارتیں دو سو پچاس طالبات کے قیام کے لئے تعمیر ہوچکی ہیں جن میں سے ایک کا نام فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا ہال ہے اور دوسری بورڈنگ رابعہ بصریؒ ہال کے نام سے موسوم ہے۔

جامعہ کا نیا کمپلکس چیرکی شیر گھاٹی روڈ پر کھنڈیل نامی مقام پر واقع ہے جس کی دوری گیا سے انیس کیلو میٹر دکھن کی جانب ہے اور شیر گھاٹی سے گیارہ کیلو میٹر اُتر کی جانب ہے۔

تعمیری منصوبے:

جامعہ کے درج منصوبے فوری تکمیل کے محتاج ہیں۔ (۱) اسٹاف کوارٹرس (۲) خارجی دفتر برائے رابطۂ عامہ (۳) مہمان خانہ (۴) ڈائننگ حال (۵) مسجد نما ہال (برائے نماز) (۶) ریڈنگ ہال (برائے ۲۵۰ طالبات) (۷) لائبریری (۸) طالبات کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر بورڈنگ کی بالائی منزل کی تعمیر (۹) قرب وجوار کی طالبات کو لانے اور لے جانے کے لئے ایک بس کی خریداری

چیک اور کراس ڈرافٹ پر صرف اتنا لکھیں،

SECRETARY JAMIATUL-BANAT

اپنی اعانتیں بذریعہ رجسٹری مندرجہ ذیل پتے پر روانہ کریں:

SECRETARY JAMIATUL-BANAT
KHANDAIL P.O CHERKI
GAYA, BIHAR (INDIA) 824237
PHONE: 20687

ناظم جامعہ: نصیر الدین خان

عام طور پر مزید زبان میں اندرون پردہ رکھی جاتی ہے آپ خود مطالعہ کرکے انھیں سمجھ نہیں سکتے صرف گرو ہی دیکشا (दीक्षा) ظاہری لغوی مفہوم ہے تربیت) کے ذریعہ اس کے صحیح پس منظر سے آگاہ کریگا جس کی روشنی میں مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیئے ۔" [۱۴]

یوگا کا غالبًا ایک دوسرا اہم فائدہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ عملی سیاست کی تربیت ہوتی رہی ہے اور غبن کرنا ہڑتال کرنا، توڑ پھوڑ کرنا یہ سب خود بخود آجاتا ہے۔ اس کی ایک مثال مشہور سرکاری جوگی دھیریندر برہم چاری کی ہے جن کے یوگا انسٹی ٹیوٹ کو سرکار سے ۳۰ لاکھ روپیہ سالانہ کا مالی تعاون بھی حاصل ہے۔ لیکن گذشتہ اگست میں ان کے ملازمین نے " ان کے خلاف اپنی احتجاجی تحریک کا احیا کرنے کا فیصلہ کیا، وزارت صحت کی بے حسی کی وجہ سے ۔ ان کا خاص مطالبہ یہ تھا کہ حکومت اپنے ادارہ میں اسی انسٹی ٹیوٹ کو ضم کرے اور برہمچاری بھگوان کو سزا دے۔ ۱۹۹۰ء میں اخبارات نے انکشاف کیا تھا کہ دھیریندر برہمچاری نے کسٹم ڈیوٹی اور انکم ٹیکس کا ۲ کروڑ روپیہ ہضم کر لیا ہے لیکن اس پر ابھی تک کوئی کارروائی نہیں ہوئی اور اسی طرح وزارت صحت کے اپنے جوائنٹ سیکریٹری کی وہ رپورٹ ہنوز دھول کھارہی ہے جس میں اس بات کی تصدیق کی گئی ہے کہ برہمچاری کے پاس انسٹی ٹیوٹ کا ۱۵ لاکھ روپیہ اور ۲۲ لاکھ روپیوں کے اثاثہ جات قابل وصول ہیں نیز وہ ایک کروڑ ۱۷ لاکھ روپیہ کی مالیت والے ایک سرکاری پلاٹ کا غلط استعمال کررہا ہے" [۱۵] اس طرح کی خبریں آتی ہی رہتی ہیں جن میں ان اکال گروؤں پر زنا اور قتل سے لے کر ڈاکہ زنی اور ملک سے غداری تک کے الزامات لگائے جاتے رہے ہیں۔ بدعنوان سیاستداں اور افسران، بھکاریوں اور غنڈوں کی بھیڑ ان کے گرد بے سبب جمع نہیں رہتی یہ "یوگا" کا کرشمہ ہے۔

علم نجوم

علم نجوم کی بھی دو سطحیں ہیں: ایک ظاہری اور ایک باطنی ظاہری علم نجوم تو وہی ہے جس کی مدد سے چھوٹے موٹے ٹھگ سیدھے سادہ عوام کو "پیشین گوئی" کے ذریعہ لوٹتے رہتے ہیں۔ لیکن معتبر نجومیوں کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ یہ سب خرافات ہے اور اصل علم نجوم تو "روحانی" ہوتا ہے۔ یعنی علم نجوم ایک مشرکانہ مذہب ہے جس میں نجوم کے ناموں سے منسوب بعض شیاطین کو خوش کرنے کے لئے انسانی جانوں کی قربانی (बलि) چڑھائی جاتی ہے۔ کوئی شیطان بچے سے خوش ہوتا ہے، کوئی بوڑھے مرد سے، کوئی جوان عورت سے، کوئی جانور سے وغیرہ۔ لہذا حیرت نہ ہونی چاہیئے کہ اخبارات میں اکثر و بیشتر ایسی خبریں آتی رہتی ہیں کہ فلاں سادھو نے فلاں کو ہلاک کردیا یا فلاں سادھو فلاں کو اغوا کرکے لیا جارہا تھا۔ کیونکہ انسانی جانوں کی قربانی تو ہر سال دینی پڑتی ہے۔

پھر بھی علم نجوم کے بعض "ماہرین" اس کا انکار کرتے ہیں اور اپنے "فن" کو پر امن ذرائع پر مبنی اور "انسانیت کی فلاح کا ذریعہ بتاتے ہیں۔ ایسی ہی کچھ نوجوان کیرالہ میں ہیں جنھوں نے غیر ہندوؤں کی شدھی کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا ہے: ۳۲ سالہ رام چندر راؤ ائی ایک فوق الفطرت کھمبا کھڑا کرنے کے منصوبہ پر کام کررہے ہیں جس کی تعمیر ویدک شرائط کے مطابق کی جارہی ہے۔ اس کھمبے کے اندر ٹیراکوٹا کے بنے ہوئے ایک لاکھ انسانی چہرے دفن کئے جائیں گے جو انسان کے ازلی مزاج کی علامت کا کام دیں گے۔ اس کھمبے کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ اس کی تعمیر کے سہارے ہندوستانی نفسیات کے زنگ آلود شعور کی شدھی ہوجائے گی۔" [۱۶] انسانی چہروں کی مورتیوں یا تصاویر یا کسی بھی دیگر علامت کا استعمال ان دنوں علم باطن کے ماہرین میں بہت رائج ہوگیا ہے اور وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس طرح انھوں نے انسانی جان کی ہلاکت کا نعم البدل تلاش کرلیا ہے۔ یہ ایک تفصیلی تحقیق ومباحثہ کا موضوع ہے کیونکہ بادی النظر میں یہ دعویٰ غلط معلوم ہوتا ہے اور کسی نہ کسی انسان کو اس کا جانی مالی نقصان ضرور اٹھانا پڑتا ہے، بس یہ ہوسکتا ہے کہ وہ شخص نظروں کے سامنے نہ ہو۔

علم سحر

اس کے درجنوں فائدے ہیں اور درجنوں طریقے ہیں۔ لیکن جو چیز اسکولوں اور کالجوں میں بھی نظر آتی ہے، وہ ہے یگیہ جسے ——— "مذہب" کے ایک جزو کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر ایسا ہے تو پھر ہندو مذہب کے بارے میں لوگوں کو اپنی رائے تبدیل کرنی ہوگی بہر حال یگیہ روزمرہ کی عوامی ——— کم از کم ہندو زندگی کا ایک حصہ بنادیا گیا ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ویدوں میں، اپنشدوں میں اور دیگر ——— مذہبی کتب میں یہی "عملی درس" باقی رہ گیا ہے۔

آپ کو اولاد چاہیئے؟ پُترکامیشٹی (पुत्र कामेष्टि) یگیہ کرائیے "پانچ ہزار مرد و خواتین اس یگیہ سے مستفید ہوچکے ہیں۔ راجہ دشرتھ نے بھی یہی یگیہ کرایا تھا جس کے نتیجہ میں انھیں رام جیسا لڑکا حاصل ہوا تھا جو اس وقت اس سرزمین کی تاریخ کا مقدر بنا ہوا ہے ——— یگیہ کرانے والی تنظیم اب تک دو ہزار جوڑوں سے ۲۲ لاکھ روپئے کما چکی ہے جن میں سے ۲۷۳ جوڑے کیرالہ کے باہر سے آئے تھے۔ پانچ ہزار سال گذر جانے کے بعد یہ یگیہ پھر سے شروع کیا گیا ہے۔" [۱۷] لیکن جن پنڈتوں کو اس یگیہ سے کوئی آمدنی حاصل نہیں، وہ کہتے ہیں: "یہ عقیدہ غلط ہے کہ محض یگیہ سے لڑکا یا لڑکی کی پیدائش ہوگی بلکہ بچہ کی جنس کا تعین والدین کی قوت ارادی سے ہوگا۔" [۸]

آپ کو کینسر جیسے مرض کا علاج کرانا ہے؟ "شری مدھ بھاگوت مہا یگیہ کرائیے ——— اور آپ کے علم میں رہنا چاہیئے کہ یہ یگیہ کسی عام جاہل نے نہیں بلکہ انڈین کینسر انسٹی ٹیوٹ اور ریسرچ سنٹر کے قیام کے لئے ۲۵.۲۰ کروڑ روپئے کے چندے کا کام سوسائٹی نے رمنیش بھائی اوجھا کی "بھومی

پوجا" سے شروع کیا" [۱۹]

سب سے مفید یگیہ ہے : سوم یگیہ"۔ حکومت بچاؤ یگیہ چندر شیکھر نے کرایا، اندرا گاندھی نے کرایا، بھارتیہ جنتا پارٹی کے بہی خواہوں نے کرایا، ارجن سنگھ نے کرایا۔ سندر لال کے لئے بہت سے امراؤ کبرا کے نام موجود ہیں۔ اس دلچسپ یگیہ کے بارے میں کچھ دلچسپ معلومات "شیاطین کا گرو شکر آچاریہ سوم یگیہ کیا تھا اور پھر وہ جناتوں کو ہرانے کے لئے پڑا۔ شکست خوردہ جنوں نے بھی طے کر لیا کہ وہ بھی شیاطین کو ہرا کر ان کی سلطنت پر قبضہ کرنے کے لئے یگیہ کریں گے۔ دراصل اندر (Indra) کو کبھی شکست ہوئی ہی نہیں تھی کیونکہ وہ سوم رس چکھ چکے تھے اور اس طرح اپنی رعایا پر خوف پوری قوت سے حکمرانی کا حق حاصل کر چکے تھے۔ پھر سوم یگیہ کرنے کے بعد اندر (Indra) اتنے طاقتور ہو گئے کہ انھوں نے تینوں دنیاؤں پر حکومت کی ـــــ کئی ایسے سوم یگیوں کا ذکر ملتا ہے جو جنگ میں فتح حاصل کرنے کے لئے گئے تھے۔ رگ وید میں ایک سوم یگیہ اور اس سے حاصل ہونے والی الوہی طاقت کا تفصیلی ذکر موجود ہے (لیکن) آج کلجگ کے دور میں سوم لتا حاصل کرنا تو دور رہا ہم لفظ سوم کے صحیح معنیٰ سے بھی ناآشنا ہیں۔" [۲۰]

بچوں کی کہانیاں

ان کہانیوں پر ابھی تک تو یہ اعتراض کیا جاتا رہا ہے کہ ان میں ہندو صنمیات کا درس موجود رہتا ہے لہٰذا بچے فرضی کرداروں سے متاثر ہوتے ہیں۔ لیکن اب ہندتو کے کہانی لکھنے والوں نے اس اعتراض کو رفع کرنے کے لئے دوسرے متبادل تلاش کر لئے ہیں جو بچوں کی کہانیوں، بچوں کی ٹی وی اور ریڈیو پروگراموں نیز کامکس میں نظر آتے ہیں۔ کہانی نویسی کا یہ جدید فن اتنا عظیم الشان ہے کہ ان کہانیوں کو پڑھیں گے تو بچے لیکن عبرت حاصل ہوگی بالغوں کو ـــــ بلکہ جو جتنا زیادہ بالغ نظر ہو، اسے اتنی ہی زیادہ۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

"ملک کافور کے غارت گر فوجی دستوں نے مدورائی کے بہت سے مندروں کو مسمار کر دیا ہے۔ ترویتہ کندرم کے ہر شخص کی عقل حیران ہے کہ وہ کارتکیہ ( ) کے مندر کو کس طرح بچائے۔ اتنے میں ایک دس سالہ نوعمر لڑکا کنتی گاؤں کے مکھیا کے پاس جا کر اس سے پوچھتا ہے، "آخر مسلمان کسی چیز سے ڈرتے بھی ہیں؟" مکھیا نے بے دلی کے ساتھ جواب دیا: "مسلمانوں کو صرف بھوتوں سے خوف محسوس ہوتا ہے۔ اور بھوت وہی بن سکتا ہے جو خودکشی کرے۔" بس کنتی نے فیصلہ کر لیا کہ وہ مسلمان سپاہیوں سے بدلہ لینے کے لئے بھوت بنے گا۔ وہ گوپورم کے سب سے بلند مقام پر چڑھا اور اس نے مندر کی حفاظت کے لئے وہاں سے چھلانگ لگا کر اپنی جان کی قربانی دے دی۔"

ایک دوسری کہانی: "انڈمان جزیرہ کے کالا پانی میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے بیچ ٹھن گئی کیونکہ کسی مسلمان نے کسی ہندو کا کھانا چھو لیا تھا جو کہ پاک ہوتا ہے۔ ہندوؤں نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا تھا کیونکہ انھیں خوف تھا کہ اس طرح وہ ناپاک ہو جائیں گے۔ چنانچہ مسلمانوں کو موقع مل گیا اور وہ دن میں چار چار مرتبہ کھانا کھانے لگے۔ ہندو بے چارے بھوک کے مارے کمزور ہونے لگے۔ اس موقع پر ویر ساورکر ہندوؤں کے کام آئے اور انھوں نے ہندوؤں کو یہ گر سکھایا کہ "اوم نمہ شوائے" پڑھ کر یہی کھانا کھا لیا کرو، تمھارا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اس کے بعد سے مسلمانوں نے ہندوؤں کا کھانا چھونا بند کر دیا کیونکہ اب ان مسلمانوں کو یہ ڈر لگنے لگا کہ اگر انھوں نے اس پڑھے ہوئے کھانے کو چھو لیا تو وہ ہندو ہو جائیں گے۔ اس کے بعد ساورکر نے تمام ہندوؤں کو بلا کر تقریر کی: "بھائیو! کبھی بھی ڈرو مت ہمارا مذہب سب سے طاقتور ہے۔" [۲۱]

یہ تو ہندتو کے تعلیمی نصاب کے ان لازمی مضامین کا ایک سرسری خاکہ تھا جو ابھی تک دریافت کئے جا چکے ہیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو مضامین اختیاری ہوں گے: (۱) قانون اور (۲) منطق۔ غالباً انھیں اس لئے اختیاری رکھا جائے گا کہ جو ان کی تعلیم حاصل کرے گا، وہ گھاٹے میں رہے گا اور جو پڑھے ہی نہیں تو اس کا گھاٹا تو ظاہری بات ہے۔

قانون

قانون کی تعلیم کی تو کوئی ضرورت رہ نہیں گئی ہے عام خیال یہ ہے کہ ہر مقدمہ پیسے سے خریدا جا سکتا ہے۔ پھر بھی تعلیم قانون کو اختیاری مضمون بنانے کی مجبوری یہ ہو سکتی ہے کہ یہ دیوی "جسٹس" سے منسوب ہے جو "شمشیر و میزان کی خود مختار بیگم" ہے۔ اس کو مؤنث صیغہ میں اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس کو بار بار Miscarriage (ایک معنیٰ حمل ضائع ہونا / دوسرا معنیٰ غلط فیصلہ ہو جانا) ہو جاتی ہے اور یہ حرکت صرف اسی سے صادر ہوتی ہے۔" [۲۲]۔ ذومعنویت کے علاوہ ہندتو کے قانون میں نئے نئے الفاظ ایجاد بھی کئے جاتے ہیں۔

ہندتو کے قانون کا طریق کار کیا ہے؟ ـــــ جو کچھ بھی چکی میں آتا ہے، وہ سب کا سب مفید نہیں ہوتا (یعنی چکی میں گھن بھی پیسے جانے چاہئیں)۔ اس کا خام مواد ہوتا ہے حقائق جو شہادتوں کی بنیاد پر ثابت یا غیر ثابت شدہ قرار دیئے جاتے ہیں۔ اشو کے حقائق، اشو سے متعلق حقائق اور وہ حقائق جو کسی دوسری طرح سے اشو سے متعلق ہو سکیں، ان سب کی دل کو ٹھکتی ہوئی شہادت کے ذریعہ پشتہ بندی کی جاتی ہے۔" [۲۲]

ہندتو کے علم قانون کا شارح کون ہے؟ اس کے ایک بہت بڑے شارح ہیں امریکی ظرافت نگار مارک ٹوین۔ ہندتو کے قانون شہادت کے بارے میں مارک ٹوین کا استشہاد ملاحظہ ہو: "ارسو اور لینڈرف دو بھائی تھے ارسو جب مر گیا اور فریڈولین نے جائیداد پر دعویٰ

کیا تو لینڈ ہٹ نے دستاویزی ثبوت مانگے۔ فریڈولین کے پاس کچھ تھا ہی نہیں جو وہ دکھاتا۔ اس نے کہا کہ یہ ورثہ اسے "منھ کے لفظ" کے ذریعہ دیا گیا ہے۔ لینڈ ہٹ نے پھر کہا کہ گواہ لاؤ۔ فریڈولین کو اس سے کوئی پریشانی نہیں ہوئی اور اس نے کہا: "ٹھیک ہے اپنی عدالت (Court) بلاؤ، میں گواہی بھی پیش کر دوں گا۔" مقدمہ کی تاریخ طے ہوئی ـــــ جج بیٹھے انتظار کرتے رہے اور بالکل اخیر وقت میں جب ایک فریق کے حق میں (Ex-party) فیصلہ ہونے ہی والا تھا کہ فریڈولین ایک طویل انسانی ڈھانچہ کے ساتھ داخل ہوا۔ ہر کوئی خوفزدہ ہوگیا۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ ارسٹو کا ڈھانچہ ہے۔ ڈھانچہ چلتا ہوا ججوں کے پاس آکر رکا اور ہاتھ اٹھا کر کہنے لگا: "بھائی تم میرے باقی متبرک لوگوں کو کیوں پریشان کرتے ہو؟ اور جو چیز ہم نے خدا کے وقار کی خاطر تحفتہً دی تھی، اس پر ڈاکہ مارے بیٹھے ہو؟" [۲۲]

منطق

ہندتو کی منطق کمزور بھی ہے اور منطق ہندتو کی کمزوری بھی ہے کیونکہ اکثر صورتوں میں منطق ہندتو کی ایجاد کردہ تاریخ کی فرمانبرداری کرنے سے انکار کرتی رہی ہے۔ شاید اسی وجہ سے ابھی تک یہ ممکن نہیں ہو سکا ہے کہ ہندتو منطق کے کلیات وضع کئے جاسکیں۔ لیکن پھر بھی منطق کا مطالعہ ضروری ہے کیونکہ اس کی مدد سے توجیہ انصاف سے کہیں زیادہ اِنفصال قضایا میں مدد ملتی ہے۔ چنانچہ اس غرض سے یہاں پر کچھ مقدمات درج کئے جارہے ہیں، جن کی روشنی میں آپ ہندتو کی منطق کی کلیات وضع کرسکتے ہیں:۔

مقدمہ ۱: • اڑیسہ اور بہار جہاں آریوں کے عہد میں قطب شمالی واقع تھا، وہاں سے کھسکتا ہوا ہزاروں میل جا پہنچا۔
• سرجو ندی افغانستان اور سیر دریا تک پہنچ گئی۔
لیکن • رام کی جنم بھومی فیض آباد کے اسی قصبہ کی اسی عمارت کی "اسی جگہ" پر جمی ہوئی ہے۔

مقدمہ ۲: • مسلمان اپنی مسجد کے سامنے نماز کے وقت بینڈ باجا نہ بجانے دیں تو "ہندو بیک لیش" ہوتا ہے۔
• مسلمان اپنی مسجدوں میں اذانیں دیں تو "ہندو بیک لیش" ہوتا ہے۔
لیکن • مسلمانوں کی مسجدیں توڑنے کے بعد جب فسادی جیتے مسلمانوں کا قتل کریں، تب بھی یہ "ہندو بیک لیش" ہی ہوتا ہے [۲۵]

مقدمہ ۳: • راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے جنرل سیکریٹری وی شیشادری نے کہا ہے کہ چیف جسٹس گجیندر گڈکر اور اے این رے نے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے حوالے سے ہندوازم کی وضاحت کی ہے اور کہا ہے کہ ہندو دھرم کئی اعتقاد، فلسفوں، مذہبوں، اصولوں اور تعلیمات کا مجموعہ ہے [۲۳]
لیکن • شیو سینا لیڈر مور یشور ساوے کا صاف کہنا ہے: "ہندتو کی تشریح و تعریف کا حق عدالت کو حاصل نہیں ہے۔ ہندو دھرم کی تشریح ہمارے مہاپرش، سنت مہاتما کریں گے نہ کہ عدالت۔ عدالت میں بیٹھے جج کو یہ حق حاصل ہی نہیں ہے۔" [۲۴]

مقدمہ ۴: • سپریم کورٹ نے اپنے فیصلہ مورخہ ۲ دسمبر ۱۹۷۹ء (اپیل نمبر ۱۰۰۲) میں کہا ہے کہ آدی شنکر ۸ ویں صدی عیسوی میں پیدا ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ ۲ ہائیکورٹوں کے فیصلے بھی اس کی تائید میں موجود ہیں۔ کل ملا کر ۲۳ ججوں نے اب تک اس مسئلہ پر اظہار رائے کیا ہے اور کسی نے ابھی اس سے اختلاف کرتے ہوئے سرسری طور پر بھی یہ نہیں کہا ہے کہ وہ ۵۰۹ ق م میں پیدا ہوئے تھے۔ ان فیصلوں کے بعد سے ابھی تک کوئی ایسی تازہ تحقیق بھی سامنے نہیں آئی ہے جس میں اس کے برخلاف کوئی بات کہی گئی ہو۔
لیکن • رام کے بارے میں عدالت کچھ طے ہی نہیں کرسکتی [۲۶]

کیا آپ نے اس منطق کے کلیات وضع کر لیئے؟ یقیناً آپ غلط نتیجہ پر پہنچے۔ ہندتو کی منطق کی کلیات نہیں ہوتیں۔ صرف ایک کلیہ ہوتا ہے: جس کی لاٹھی اس کی بھینس ••

حوالے
A. मन्थन / Sept. Oct. '92/P 20-21.
1 M.S Golwalkar/ we or Our Natic hood defined
2 Times of India
3 Krishna Lal Jain Hindu Raj in the World
4. افکار ملی/اگست ۱۹۹۲ء/ص ۴۸
5 افکار ملی/اپریل ۱۹۹۳ء/ص ۴۹
6 Chaman lal / Hindu America?
7 PN Oak/ Some Blunders of Indian Historical Research
8. Organiser 29 March' 92
9 افکار ملی/ستمبر ۱۹۹۳ء/ص ۴۲
10 Nirad C. Chowdhary/ Interview in Times of India
11 D.D. Mehta/ Positivee Science in the Vedas
12 Gojri Krishna/ Yoga · Arision of the its Future p1, 143
13 Swami Sivananda/ Kundlini -21-22
14. Swami Scrananda / Tantra yoga, Nada Yoga, and Kriya Yoga p 27
15 Poineer / 1 Aug' 93 p4
16. Omnan Observer/ news from UNI/ 1991
17 Time of India 2 May'92 p 12
18. افکار ملی/جولائی ۱۹۹۳ء/ص ۲۳
19 Hindu / 1 Feb' 92
20 افکار ملی/جولائی ۱۹۹۳ء/ص ۲۲
21 Times of India 20 Oct' 93 / p 10
22 Organiser / 3 May'92 p- 8 -1
23 دعوت/۲۵ اگست ۱۹۹۳ء/ص ۳
24 पाञ्चजन्य / 28 सितम्बर 1991 P 11
25 Hindu / 21 Jun' 93 p 8
26 Hindu/ Sept' 92/ p 8

ہندتوا کا معاشی نظام

محمد رئیس

۲۳ مئی ۱۹۹۲ء کو گاندھی نگر میں بھارتیہ جنتا پارٹی کی نیشنل کونسل کے سہ روزہ اجلاس کے اختتام پر اٹل بہاری باجپئی نے ہندوستانی عوام سے اپیل کی کہ وہ سوشلزم اور سرمایہ داری سے ہٹ کر ایک تیسرا اور نیا متبادل معاشی نظام تلاش کریں۔ غالباً یہ پہلا موقع تھا جب بھارتیہ جنتا پارٹی کی جانب سے کسی متبادل پالیسی کے بجائے ایک متبادل معاشی نظام کی بات کہی گئی تھی۔ چنانچہ اخبارات نے اس اپیل کو سنجیدگی سے لیا اور ہندتو کی معاشی پالیسیوں پر بحث شروع ہوگئی۔ پھر جب دسمبر ۱۹۹۲ء میں بھارتیہ جنتا پارٹی نے ملک کے تمام آئینی اداروں کو ٹھکرا کر تمام اہل ملک کو انارکی کی بھنور میں ڈال دینے کا کرشمہ کر دکھایا تو بیرون ملک بھی اس پارٹی کے نظریات پر گفتگو کی گئی۔ نیویارک ٹائمز نے بھارتیہ جنتا پارٹی کی سرگرمیوں کا اجمالی جائزہ لیتے ہوئے لکھا: "اندرونی سطح پر بھارتیہ جنتا پارٹی غیر ملکی قرضوں اور سرمایہ کاری پر ملک کے انحصار میں نیز درآمدات میں کمی لا کر معیشت کو نیا رخ دے گی۔ خوردنی صنعتوں، آٹوموبائیل، مواصلات، ریزر بلیڈ اور چشمے وغیرہ صنعتوں میں سے کچھ سے کہا جائے گا کہ وہ تشریف لے جائیں۔ بیرونی کمپنیاں داخل ہوسکیں گی لیکن صرف اسی صورت میں جبکہ وہ اپنے ساتھ درکار ٹکنالوجی اور سرمایہ لے کر آئیں اور وہ صرف ان زمروں میں جن کی ٹکنالوجی ہمارے پاس مہیا نہیں ہے۔" لیکن ایک معاشی نظام صرف خارجی سرمایہ کاری کی پالیسی کا نام تو نہیں۔ پھر کیا ہندتو کے معاشی نظام کا نعرہ محض ایک سیاسی بازی گری نہیں ہے؟

پالیسی تا نظام

امر واقعہ کچھ یہی ہے۔ معاشی پالیسی سے معاشی نظام تک بھارتیہ جنتا پارٹی کا سفر یہ بتاتا ہے کہ وقتی سیاسی مفادات کی نعرہ بازی نے خوش نما لفاظیوں کا ایک مبہوت کن سراب ہندوستانی عوام کے سامنے لاکر رکھ دیا ہے۔ ابتدائی ایام میں یعنی جن سنگھ کے قیام سے لے کر ۱۹۹۱ء تک ہندتوا لابی صرف اپنی معاشی پالیسی کی باتیں کیا کرتی تھی اور یہ معاشی پالیسی بھی ایک ہی نکتہ پر مرکوز رہتی تھی: نہرو ماڈل کی مخالفت۔ یہ اندرا گاندھی حکومت کے ان دنوں کی بات ہے جب ہندوستانی دھنا سیٹھوں کے معاشی مفادات کے علی الرغم بنکوں کو قومیانے اور بیروزگاروں کو روزگار فراہمی کی بڑی بڑی اسکیموں پر عمل شروع کیا گیا تو اس کانگریس حکومت کی مخالفت میں ان دھنا سیٹھوں اور بڑے زمینداروں نے "ہندو مفادات کا تحفظ" کرنے والی سیاسی پارٹی کو آگے لانے کی مہم چھیڑ دی۔ یہ مہم رنگ لائی۔ ۱۹۹۱ء کے عام انتخابات کے وقت جب پہلی مرتبہ بھارتیہ جنتا پارٹی کو "ہندو مفادات کی محافظ" ملک گیر متبادل سیاسی پارٹی کی شکل میں پیش کیا گیا۔ لیکن پارلیمانی انتخاب میں کامیابی کے لئے سرمایہ کے علاوہ عوامی حمایت بھی درکار ہوتی ہے۔ چنانچہ بھارتیہ جنتا پارٹی نے اس انتخاب میں بہت سے معاشی وعدوں کو بھی اپنے پروگرام کا حصہ بنایا جو بعد میں "ان تیودے" अन्त्योदय کی شکل میں ظاہر ہوا۔ یہ گویا ہندتو کی پہلی معاشی پالیسی تھی۔

اسی دوران عالمی سیاست میں ایک بہت بڑا دھماکہ ہوا: سوویت یونین بری طرح منتشر ہوگیا اور اس طرح ہندوستانی ریاست کی معاشی اساس یعنی سوشلزم کا تقریباً جنازہ ہی نکل گیا۔ ہندتو لابی اگرچہ اس انہونی کے لئے تیار نہیں تھی لیکن یہ تازہ نظریاتی خلا ان کے لئے سیاسی امکانات بھی پیدا کر رہا تھا۔ چنانچہ ایک نئے معاشی نظام کی آواز اٹھائی جانے لگی اور خود انحصاری کی باتیں کی جانے لگیں۔ راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کی حالیہ سودیشی تحریک کی ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے۔ مارچ ۱۹۹۲ء میں منعقدہ بھارتیہ جنتا پارٹی کے مجلس عاملہ کے قومی اجلاس میں اس سلسلہ میں ایک ریزولیوشن بھی لایا گیا لیکن اتفاق رائے نہ ہوپانے کی وجہ سے معاشی ریزولیوشن ماہرین معاشیات کی ایک پانچ رکنی کمیٹی کے سپرد کردیا گیا جس نے ۳۰ر اپریل کے گاندھی نگر اجلاس کے لئے "معاشی پالیسی خاکہ" مرتب کیا۔ ڈاکٹر جے دوبھاشی، ٹی این چترویدی، جگدیش شیٹی گر اور ایس گرومورتی پر مشتمل اس کمیٹی کی سربراہی کر رہے تھے۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کے سینئر وائس پریسیڈنٹ کے آر ملکانی جو بھارتیہ جنتا پارٹی کی نظریہ سازی کے لئے مشہور ہیں۔ لیکن پھر بھی اس معاشی خاکے میں ایک "نئے نظام" جیسا کچھ بھی نہیں تھا۔ ہاں بعض مبصرین نے اس طرف ضرور اشارہ کیا کہ ہندتو کی معاشی فکر پر بمبئی کے مخصوص صنعت کاروں کے مالی مشیر غالب آگئے ہیں تاہم اس معاشی ڈرافٹ کی پالیسیوں میں خاصا تنوع تھا اور انھیں سلیقہ سے درجہ بند بھی کیا گیا تھا۔ تاہم معاشی ڈرافٹ کی منظوری کے بعد بھارتیہ جنتا پارٹی کی معاشی پالیسی ہی ہندتو لابی کے لئے ایک "نیا معاشی نظام" بن گئی جس میں (۱) نہرو ماڈل کی تنقید (۲) ان تیودے کی توسیع (۳) سودیشی کے فروغ اور (۴) معاشی آزادی پر سب سے زیادہ زور دیا گیا تھا۔ آخر آخر میں بدعنوانی کے امکانات

پر بھی غور کیا جانے لگا۔

نہرو ماڈل

مرلی منوہر جوشی کہتے ہیں: "گزشتہ ۴۴-۴۵ برسوں میں جس طرح سے مالی منصوبہ بندی کی گئی اور معاشی قوت مرکزی حکومت میں مرتکز ہو گئی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیس کا مالی نظام منجمد ہو گیا۔ نوکر شاہی کے جنجال میں خوش حالی کی گنگا اٹک کر رہ گئی۔ اس نئے شروع سے ہمارا یہ کہنا رہا ہے کہ جس طرح نہرو جی نے مرتکز مالی نظام کی پالیسی چلائی، اس نے دیس کی مکمل طاقت کو سرکار کے شکنجہ میں جکڑ دیا۔" [3]

اٹل بہاری باجپئی کہتے ہیں: "ملک قرضوں میں ڈوبا ہوا ہے محض ان پارٹیوں کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے جو مرکز میں حکمراں رہیں۔ یہ سب ہم نے تھوڑے ہی کیا ہے۔" اس خرابی کی مزید تشریح کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں: "نہرو ماڈل بھی ایک تیسرے متبادل کی تلاش کے لئے تھا لیکن وہ حسب توقع کامیاب نہیں ہو سکا کیونکہ روسی ماڈل اس پر بھاری پڑ گیا اور (نتیجہ یہ ہوا کہ) دونوں نظاموں کے بہترین نکات اپنائے جانے کی جگہ بدترین نکات اپنا لئے گئے۔ ترقیات کی پہل تو ہمیشہ نیچے سے کی جانی چاہئے لیکن (اس کے برعکس) نہرو ماڈل میں چیزوں کو اوپر سے تھوپنے کی کوشش کی گئی تھی۔" [3]

ہندتو لابی کے ایک مبصر نے اس اختلاف کو نظریاتی جامہ پہنانے کی کوشش بھی کی ہے: "نہرو جی نے جس بھارت کی تعمیر کی اور جس پر فخر کرنے کے لئے ہمیں مجبور کیا جاتا ہے، وہ بھارت بھکاری بھارت ہے۔ وہ معاشی غلامی کی اندھیری سرنگ جیسا ہے۔ اس کے مالیاتی نظام کا کنٹرول سودیشی نہیں بدیشی ہاتھوں میں ہے۔ وہ عالمی بنک، بین الاقوامی مالیاتی فنڈ IMF اور کثیر قومی کمپنیوں کا محتاج ہے۔ — نہرو جی کی فکر و تہذیب کی وجہ سے ہی ہم پہلے اپنے ماضی سے پیچھا چھڑا کر بھاگے اور اب اپنے حال سے بھاگ رہے ہیں — آج اپنا دیس جات پات کی کشمکش، فرقہ وارانہ عناد، علاقائی عدم توازن، لسانی اور مذہبی قومیت اور نسل و خاندان کے امتیازات کی بھنور میں پھنسا ہوا ہے — کیا رامیشورم اور اجودھیا کے ماضی کی نفی کر کے کسی موجودہ بھارت کی تعمیر کی خواہش کی جا سکتی ہے؟ — بھارت ہی نہیں کوئی بھی دیس اپنے ماضی سے کٹ کر اپنے حال کی تعمیر نہیں کر سکتا — کاویری کرشنا اور نرمدا کے پانیوں کا مسئلہ ہو یا کشمیر، پنجاب یا آسام کا مسئلہ سبھی کا پس منظر ایک جیسا ہے: نہرو واد اور کانگریس کا سیاسی کلچر، یعنی ملک کو اس کے ماضی سے کاٹ کر اس کے حال کی تعمیر کی نادانی۔" [4]

ان تیودے

ماضی اور حال کی ان گتھیوں کو سلجھانے کی راہ دکھائی گئی ہے۔ معاشی ڈرافٹ میں: "ہمیں اپنا ماڈل خود تیار کر... ایک ایسا ماڈل جو سالم و مربوط، انسان دوست اور ... ہونے کے ساتھ ساتھ ہماری ضرورتوں اور بیرونی دنیا کے ... کے مابین تال میل بھی بنائے رکھے گا۔ دوگ پرشوں (... گاندھی جی[1] اور دین دیال جی[2] سے فیضان حاصل کر کے ہم ... کی طرف بڑھیں گے۔ گرام اودے ... کی راہ ... تک" [3] اس 'ان تیودے' अन्त्योदय ... مقصد یہ بتایا جاتا ہے کہ اس سے "فرد اور سماج کو ... پر خود کفیل بنایا جائے گا تاکہ حکومت پر ہی انحصا... اس پروگرام کے ذریعہ سماج کے کمزور طبقات کی ا... اسلوبی کے ساتھ مدد کی جائے گی کہ سماج میں کوئی منا... پیدا نہ ہونے پائے۔" لیکن حقیقت یہ ہے کہ 'ان تیود... محض انتخابی سیاست کا نعرہ تھا اور یہی وجہ ہے کہ ۱۹۹۱ میں ہندی بیلٹ میں غیر متوقع کامیابی حاصل کرنے کے بعد پارٹی کے چاروں صوبوں کے وزرائے دیہی ترقیات لکھنؤ ... اور 'ان تیودے' اسکیم کے تحت "دین دیال وکاس یوجنا" ... اعلان کرنے کے ساتھ ساتھ سیلز ٹیکس قوانین کی تسہیل پر بھی غو... اپنے انتخابی منشور (۱۹۹۱ء) میں بھارتیہ جنتا پارٹی ... کیا تھا: "کسانوں کو بہتر دام اور رعایتی بیج و کھاد ...

میں ان تیو دے اور روزگار گارنٹی اسکیم کا نفاذ/ بنکروں/ لوہاروں/ ڑھیوں/ موچیوں وغیرہ کے لئے "رہائش جیسی بنیادی ضروریات کی فراہمی" "/ ۶ تا ۱۴ سال عمر کے بچوں کی مفت تعلیم" [۶] وغیرہ اس کے ساتھ ہی نجی آمدنی پر ٹیکس کم کرنے اور ایکسائز ڈیوٹی نہ بڑھانے کا وعدہ بھی کیا گیا تھا۔ ان میں سے جو وعدے سرمایہ داروں کے حق میں تھے وہ تو بی جے پی کو پورے کرنے ہی تھے لیکن عوامی وعدوں کا ایفا ممکن نہ تھا چنانچہ اس کے لئے بہانہ تراشا گیا: مرکزی امدادی اسکیمیں واقعی مستحق افراد تک نہیں پہنچ سکی ہیں۔ اس کے لئے ایک متوازی معائنہ پروگرام کی ضرورت ہے" اور یہ کہ اس پروگرام کے لئے نمائندہ اور سماجی کارکنان" کی ضرورت ہوگی۔ اس طرح ریاستی سطح پر بھارتیہ جنتا پارٹی نے اپنے ہمدردوں کو مدد بہم پہنچانے اور مخالفین کو تنگ کرنے کی سبیل پیدا کرلی۔ پھر بھی معاشی بدعنوانیوں اور عوامی ناآسودگیوں کی بنا پر اضطراب تو پیدا ہوا ہی جسے سودیشی تحریک کے ذریعے ایک نیا موڑ دینے کی کوشش کی گئی۔

سودیشی تحریک

سودیشی تحریک کا ایک بڑا فائدہ یہ تھا کہ اس طرح ہندتو لابی کو گاندھی مفت ہاتھ آگئے۔ گاندھی کی ایک بات بھی تسلیم کئے بنا، دوسری طرف یہ نعرہ ایک طرح کا نظریاتی خلا بھی پر کرسکتا تھا: "بھارتیہ جنتا پارٹی کے نزدیک سوراج اور سودیشی ناقابل تقسیم ہیں سودیشی کے بنا کسی بھی سوراج کا کوئی امکان نہیں"، کیونکہ "سودیشی کی راہ سے سواولمبن स्वावलंबन خودکفالت) تک پہنچا جاسکتا ہے" راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے جنرل سکریٹری ایچ وی سیشادری نے لکھنؤ میں اس نکتہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: "سرکار جس طرح بے بس ہوکر قرض کے جال سے باہر نکلنے کی کوشش کررہی ہے اس وجہ سے ہماری معاشی آزادی کو سنگین خطرہ لاحق ہوگیا ہے کیونکہ اس کے باعث عفریت نما کثیر قومی کمپنیاں اور در آمداتی، برآمداتی اداروں کو بھی ہماری قومی زندگی کے اہم میدانوں ــــ مثلاً زراعت، صحت، تعلیم، مواصلات، بنکاری و مالی خدمات ہی نہیں بلکہ دفاع ایٹمی توانائی اور خلائی تحقیقات کا بھی دم گھوٹنے کا موقع مل رہا ہے۔ یہی نہیں، ہمارے مقامی بازار بھی غیر ملکی مال کی باڑھ کی وجہ سے ہمارے تمام گھریلو اور چھوٹے دھندوں کے لئے خطرہ بن گئے ہیں۔" [7]

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ایسے نازک حالات میں ہندتو کی پوری لابی اس معاشی خطرہ سے نمٹنے کے لئے یکسو ہوجاتی لیکن ہوا اس کے برعکس جو پرجوش مؤید اور سماجی کارکن تھے، وہ تو گاندھی کی کھادی تحریک کے طرز پر سرگرم ہوگئے اور صارفین کا انقلاب' उपभोक्ता क्रान्ति کا بگل بجانے لگے لیکن بمبئی کے لبرلزم حامی ماہرین معاشیات نے اسے اپنے دھنا سیٹھوں کی چودھراہٹ جمانے کا بہترین موقع سمجھ کر لبرل سرمایہ داری کے لئے ہندتو کے دروازے کھول دیئے جیسا کہ اس فہرست سے واضح ہوتا ہے جس میں بیرونی مصنوعات کے ملکی متبادل کی تجویز پیش کی گئی ہے۔ [۸] اس سفارش میں متبادل مصنوعات کی کوالٹی اور قیمت کا تو کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا ہے، البتہ ہندتو کے سرمایہ داروں کا مفاد نظرانداز نہیں کیا گیا ہے۔

معاشی آزادی

یہ کوئی اتفاقیہ بات نہیں ہے بلکہ ہندتو کے معاشی فلسفہ میں اس طرح کی معاشی کیفیت کا حصول ہی ان کے معاشی آزادی Economic Liberalism کا ماحصل ہے کیونکہ: بھارتیہ جنتا پارٹی کی سیاسی بنیاد تاجروں اور زمینداروں پر قائم ہے جو طبعاً بت پرست ہوتے ہیں۔ ان کو نہ تو یہ حوصلہ ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے ذرائع انھیں حاصل ہوتے ہیں کہ وہ آفاقی محبت اور عرفانِ نفس کے مجرد تصورات سے بہرہ ور ہوں۔ وہ تو بس اپنی معاشی قسمت کے عروج و زوال کی کسی فوری توجیہ کے خواہاں ہوتے ہیں اور یہ انھیں بتوں کے بھگوان سے دستیاب ہوجاتی ہے۔ ان کے معاشی مفادات بھی دستور (ہند) سے وابستہ نہیں ہوتے بلکہ وہ تو اسے اپنے جی کے لئے ایک جابر ہی سمجھتے ہیں، کوئی مددگار نہیں۔ ٹیکس، دنیا بھر کے کنٹرول اور دستور زدہ بیوروکریسی کی بدعنوانیاں اور دستور کی رو سے ان پر عائد ہونے والی مہنگی مزدوریاں ان کے دلوں میں دستور کے تئیں کوئی ہمدردی نہیں پیدا کرتیں۔ آزاد تجارت پر بیوروکریسی کی پابندیاں بھی زمینداروں کے خلاف جاتی ہیں (چناچہ) بھارتیہ جنتا پارٹی کہے یا نہ کہے، اس کے بیوروکریسی و مزدور مخالف جذبات دستور (ہند) کے تئیں اس کے موقف سے مترشح ہو (رہی) جاتے ہیں" [۹]

چنانچہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ جب کانگریس حکومت کچھ کلیدی زمروں مثلاً دفاع وغیرہ چھوڑ کر بقیہ تمام زمروں سے لائسنس اور کنٹرول ہٹانے کی بات کرتی ہے تو بھارتیہ جنتا پارٹی کی باچھیں کھل جاتی ہیں۔ یا جب بنکوں و سرکاری اداروں کو نجی زمرہ میں دینے کی بات چلتی ہے تو وہ کانگریس کی سرجوڑ کر حمایت کرتی ہے۔ اسی طرح مالیاتی اصلاح، بجٹ گھاٹا میں تخفیف اور ٹیکسوں میں کمی پر تو وہ کانگریس کی پیروی کرتی ہے لیکن بازاری قیمتوں میں بے تحاشا زیادتیوں کو ایک "خودمختار کمیشن" پر چھوڑنا چاہتی ہے۔ آخر یہ کس قسم کی 'معاشی آزادی' ہے جس کی برکات میں عوام کا کوئی حصہ نہیں؟ نہیں، بھارتیہ جنتا پارٹی کے پاس اس کا ایک دوسرا جواز ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر سرمایہ داروں کو پوری چھوٹ نہ دی جائے تو انتظامی مشینری بدعنوانی کی لت میں پڑجاتی ہے تو کیا معاشی بدعنوانیوں کے میدان میں ہندتو لابی کا ریکارڈ بہت روشن ہے؟

معاشی بدعنوانیاں

معاشی بدعنوانیاں بھارتیہ جنتا پارٹی کے لئے کئی مرتبہ سیاسی

[illegible] تک ضامن بن کر آئیں۔ انھوں نے کچھ کوشش بھی کی لیکن بدقسمتی سے پہلے ہی قدم سے ہی ہمت ٹوٹ گئی۔ مثال کے طور پر ہرشد مہتہ کا سوٹ کیس بھارتیہ جنتا پارٹی کو بھایا تو بہت لیکن ابھی ان کی مہم شروع بھی نہ ہوئی تھی کہ آوازیں آنے لگیں کہ ایڈوانی وغیرہ نے تو زر سمہاراؤ سے بھی زیادہ ہرشد مہتہ سے رقم وصول کی ہے! پارلیمانی انتخابات اور پارٹی چلانے کے لئے بھارتیہ جنتا پارٹی کے افراد جن ذرائع سے رقم حاصل کرتے رہتے ہیں، ان کے ناجائز ہونے کا ڈھکا چھپا اعتراف تو اس کے ذمہ داران کر بھی چکے ہیں۔ ہندتو کے ایک بہت بڑے سرمایہ دار لندن میں ایک ویدک انسٹی ٹیوٹ قائم کر رہے ہیں، ان کے بارے میں بوفورس توپوں کے سودے میں ناجائز دلالی کی رپورٹیں سب کی نظروں سے گذر چکی ہیں۔ ایسی ہی بدعنوانی کی خبریں کئی دیگر فنڈز اور ٹرسٹ کے بارے میں بھی آئی ہیں۔ غیر ملکی ہندو نیوں سے اندرون ملک سرمایہ کاری کے بارے میں بھی مالیاتی بدعنوانیوں کے اندیشے بیان کئے گئے ہیں۔ وشو ہندو پریشد کے جنرل سکریٹری کے بھائی کے ایک زرمبادلہ والے معاملہ میں ملوث ہونے کا سراغ لگنے کے بعد سے یہ اندیشہ زیادہ قوی ہوا ہے۔

اس مرحلہ میں فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ہندتو کی معاشی پالیسی یہاں آکر ناکام کیوں ہو جاتی ہے؟ وجہ ظاہر ہے: ہندتو کے نظریہ سازوں نے مغربی معیشت کی حدود کے اندر رہتے ہوئے ایک "نئے نظام" کی تشکیل کرنی چاہی ہے۔ لہٰذا ناگزیر طور پر مغربی معیشت کی ناکامیاں بھی ان کا مقدر بن گئی ہیں۔ لیکن یہ شاید ان کی مجبوری بھی رہی ہے سیکڑوں برس قبل بعض ہندو مفکرین مثلاً منو/ کوٹلیہ/ مترا مصر نے اپنے عہد کے قبائلی معاشروں کے لئے کچھ معاشی قوانین وضع ضرور کئے تھے لیکن وہ جدید دنیا کی پیچیدگیوں کا حل پیش کرنے سے قاصر نظر آتے ہیں۔ بریں بنا ہندتو کی نئی پالیسیوں یا "نئے نظاموں" کے خاکے کسی فکری یا نظریاتی یا عقائدی اساس سے معرا نظر آتے ہیں لیکن پھر انہے نظریہ سازوں کو یہ بھی تو سوچنا چاہیئے کہ ایک خالص مذہبی ملک کی معیشت کے لئے ایک خالص مادی نظام فکر مہیا کرنا ایک قسم کی اخلاقی بدعنوانی بھی تو ہے!

حوالے

1. The Hindus now demanding the leadership of India / An article by Edward A gargan in the New York Times at 24 Jan 93
2 पान्चजन्य / 22 मार्च 1992 डा० जोशी से इन्टरव्यू
3 The Hindu / 4 May 1992
४ वह देश जो हमें नेहरू ने दिया' भानुप्रताप शुक्ल' पान्चजन्य' 12 जनवरी 1992
5. BJP'S model of development/ Pankaj Vohra The Hindu/ 14 - 92
6 How viable is BJP's economic policy sudhanshu Ranade/ The Hindu/ 11 Dec 91
7 पान्चजन्य / 22 मार्च 1992 डॉ० के० शपादि से इन्टरव्यू
8 The Organiser 22 March 92
9 Economic forces behind Babri Questions Main stream/ 16 Jan 93

ہندتوا اور راشٹرواد

محمد احمد

ہندتوا وید کے اس منتر کو قومی ترانہ قرار دیتا ہے:

आ ब्रह्मन् ब्राह्मणो ब्रह्मवर्चसी जायताम् ।
आ राष्ट्रे राजन्य शूर इषव्योऽतिव्याधी महारथो जायताम् ।
दोग्ध्री धेनुर्वोढानड्वानाशु सप्तिः पुरन्धिर्योषा ।
जिष्णू रथेष्ठा सभेयो युवास्य यजमानस्य वीरो जायताम् ।
निकामे निकामे नः पर्जन्यो वर्षतु ।
फलवत्यो न ओषधयः पच्यन्ताम् ।
योगक्षेमो नः कल्पताम् ।।
(यजुर्वेद संहिता 22-22)

یعنی برہمن ہمارے راشٹر میں روشن دماغ، ذہن رسا کے حامل اور برت (روزہ) رکھنے والے ہوتے رہیں، چھتری بھی اسلحہ اٹھانے میں ماہر اور بہادر ہوتے رہیں، وہ ہمیشہ دوسروں پر غالب آنے والے اور دشمنوں کو زیر وزبر کردینے والے ہوں، گائیں دودھ دینے والی ہوں اور ریاست میں خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ ہو۔

بیل طاقتور ہوں جو (بار برداری کے کام میں) بھاری بھرکم بوجھ برداشت کرسکیں، گھوڑے تیز رفتار ہوں جو پرخطر راستوں کو بھی تیزی سے عبور کرسکیں اور رتھوں کو کھینچ کر فتحیاب کریں۔ عورتیں فداکاری خوش خصال اور صاحب حسن وجمال ہوں۔ رتھ پر سوار بہادروں کو فتح نصیب ہو۔ یجمان (برہمن) کو ایسے بیٹے میسر ہوں جو دشمنوں کو غارت کرنے والے، مہذب اور شائستہ، قوی اور باصلاحیت ہوں۔ پھل اور دواؤں کی کثرت ہو اور خود پک کر تیار ہوجائے نیز گاہے گاہے بارش ہوتی رہے اور ہم فلاح وسعادت سے ہمکنار ہوں۔"

یہ ترجمہ پنڈت شری رام شرما رونتھلہ اور 'رام' کے ترجمہ کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ رونتھلہ جی نے "ویدک راشٹرگیت" نامی کتابچہ میں اس کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔ اور "رام" نے بھی "کلیان" کے "ہندو سنسکرتی نمبر" میں ص ۲ پر اس منتر کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔ یجروید کے اس منتر کے مفہوم سے ملتی جلتی بات 'واج سنیئ سنگھتا: (۲۲-۲۲)، تیتریہ سنگھتا: (۱۸-۵-۷) اور تیتریہ برہمن (۱۳-۸-۳) میں بھی ملتی ہے۔

راشٹر کیا ہے؟

قبل اس سے کہ ہم آگے بڑھیں، یہ جان لینا ضروری ہے کہ لفظ "راشٹر" جو مذکورہ وید منتر میں آیا ہے، کے معنی کیا ہیں۔ اس قدیم لفظ کے مفہوم کے تعین پر ہی جدید تناظر میں اس لفظ کے صحیح مفہوم متعین کرنے کا انحصار ہے۔

رگ وید (۱-۴۲-۱۲) میں آیا ہے:

मम द्विता राष्ट्रं क्षत्रियस्य یعنی میرا راشٹر دونوں طرف یا دونوں کروں میں ہے۔ رگ وید: (۱۱-۳۴-۷) میں ہی آیا ہے کہ راشٹر کا مالک وَرُنْ ہے۔ اس وید میں ۲-۴۴-۸، ۷-۳۴-۹-۱۰-۱۰ وغیرہ حوالوں کے منتروں میں لفظ "راشٹر" کا استعمال ہوا ہے۔

رگ وید کے ان منتروں کے مطالعہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ لفظ راشٹر سے مراد ساری دنیا ہے۔ رگ وید ہی کے براہمن گرنتھ "ایتریہ براہمن میں آیا ہے۔:

'पृथिव्यै समुद्र पर्यन्ताया एकराट् ।'

یعنی سمندر تک جتنی بھی زمین ہے اس پر ایک ہی راجہ کی حکومت ہو۔

رگ وید: (۳-۳۷-۸) میں اندر دیوتا کو "ایک راٹ" بھی کہا گیا ہے۔ اسی براہمن (۳۹) میں "سارو بھوم" لفظ آیا ہے جس کا مطلب ماہر زبان پاڑنی (۴۲/۴۱-۱-۵) نے "ساری زمین کا مالک" بتایا ہے (رگ وید (۹-۶۸-۶ اور ۱-۱۶-۶) میں وَرُنْ اور اِندر کو سمراٹ یعنی شہنشاہ کہا گیا ہے اور "سامراجیہ" یعنی سلطنت کا لفظ بھی اسی وید (۶-۱-۲۵) میں ملتا ہے۔ ڈاکٹر پی وی کانے کے مطابق:

"ایسا محسوس ہوتا ہے کہ رگ وید کے دور میں شہنشاہ مطلق کا تصور پیدا ہوچکا تھا۔" بہت ممکن ہے کہ راشٹر کے وسیع مفہوم کا دائرہ آہستہ آہستہ تنگ ہوتا گیا ہو اور وہ مخصوص شکل وصورت والا خطہ یا ملک قرار پاگیا ہو۔ اس مفہوم کو سمیٹنے کے پس پردہ ہندتو کا مقصد بھی کارفرما ہوسکتا ہے کیوں کہ پوری دنیا کو ایک ساتھ "آریہ" یا ہندو ملک یا راشٹر تو بنایا نہیں جاسکتا۔ لہٰذا اس مقصد کے لیے ابتدائی طور پر کسی خطہ کو دائرہ کار بنایا جانا زیادہ ممکن ہے۔

غالباً اسی مقصد کے پیش نظر زمین کو 'ماں' کہا گیا۔ اتھر وید: (۸-۱-۱۲) میں ہے۔
پرتھوی (زمین) ماں ہے۔ اس کی دعا کی گئی ہے کہ وہ راشٹر کو طاقت اور روشنی دے۔
یوں تو یہ امر یقینی ہے کہ قدیم ہندوستان میں جدید قوم پرستی کا جذبہ نہیں تھا۔ اسمرتیوں، دھرم سوتروں اور پرانوں میں راشٹر کو ایک محدود دائرہ دیا گیا ہے اور راشٹر سے مراد "بھارت ورش"، نام کا ملک بتایا گیا۔ امرکوش (نعمت) میں درج بھی ہے کہ راشٹر، دیش (ملک)، وشئے (دائرہ کار) اور جن پد (علاقہ) الفاظ ایک دوسرے کے مترادف ہیں۔ مگر اہل علم اس نظریہ سے اتفاق نہیں کرتے۔
اگنی پران (۲-۲۳۹) کے مطابق: ریاست کے تمام اجزاء میں راشٹر سب سے زیادہ اہم ہے۔ وشنو پران: (۲-۳-۲) اور براہم پران، مارکنڈے پران اور دیگر پرانوں نے بھی ہندوستان کو "کرم بھومی" (سرزمین عمل) تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ وہ ملک ہے جہاں بہشت اور نجات کے متمنی لوگ بستے ہیں۔
شنکھ لکھت سیاگیہ ولکیہ (۱-۲) کی شرح میں) کے مطابق: "آریوں کی سرزمین اعلیٰ صفات سے متصف، قدیم تر اور مقدس ہے۔" ایتریہ براہمن: (۳-۳۸) نے ہندوستان کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ مشرق، مغرب، شمال، جنوب اور وسط۔ پرانوں، اسمرتیوں اور دیگر قدیم کتب میں ہندوستان کو "آریہ ورت" (آریوں کی سرزمین) بھی کہا گیا ہے مگر اس کی آبادی کے بارے میں اسمرتی کے مصنفین کے درمیان اختلاف ہے۔ منوسمرتی (۷-۶۹) کے مطابق ملک میں صرف آریوں کی آبادی رہے مگر دوسری طرف منو (۸-۲۲) یہ بھی کہتے ہیں کہ "جس ملک میں شودروں کی تعداد زیادہ ہو اور جہاں ملحد زیادہ تعداد میں رہتے ہو اور "دوج" یعنی برہمن اور چھتری مفقود ہوں وہ راشٹر مشکلات اور مفلسی کا شکار ہو کر تباہ ہو جاتا ہے۔" یہی بات متسیہ پران (۵/۱-۲۱۷)، وشنو دھرموتر ۱/۵-۲۶-۲ اور نیتی واکیامرتی (جن پد سمدیش ص ۱۹) नीति वाक्यामृत نیز بعض دیگر کتب میں بھی آئی ہے۔ متسیہ پران اور وشنو دھرموتر پران میں کہا گیا ہے کہ راشٹر (ملک) میں ان اوصاف کا پایا جانا ناممکن ہے اس لیے راجہ کو چاہیے کہ اسے جو کچھ حاصل ہے، اس کا بہتر استعمال کرے۔ پرانوں میں ہندوستان کی عظمت اور فضیلت کا بیان کیا گیا ہے۔
درج بالا تفصیلات سے یہ بات سامنے آئی کہ راشٹر جو بذات خود ایک بڑے وسیع معنیٰ اور مفہوم کا حامل تھا، ایک مخصوص علاقہ یا خطہ کی حدود میں محدود کر دیا گیا چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو بھی راشٹر تسلیم کیا جانے لگا جیسے پلو पल्लव واکاٹک वाकाटक یا گہروال بھی خود کو راشٹر کہا کرتے تھے۔
۱۶۷۴ء میں شیواجی نے متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ملا کر مہاراشٹر بنا دیا تھا مگر ہندتو نے تو اسے ایک ذات تک محدود کر دیا اور کہا کہ ہندو ایک راشٹر ہیں۔

راشٹر واد کیا ہے؟

اس راشٹر کے حصول کے لیے جو کام سرانجام دیئے جاتے ہیں اور جو طریقے یکسو ہو کر اختیار کیے جاتے ہیں اور اس ضمن میں جو کوششیں کی جاتی ہیں اسے راشٹر واد کا نام دیا جاتا ہے۔
آکسفورڈ ڈکشنری ص ۵۷ پر نیشنلزم Nationalism کے درج ذیل معانی دیئے ہیں: (۱) راشٹر کے تئیں مکمل خود سپردگی، حب الوطنی کا جذبہ، کوششیں، اصول (۲) سیاسی آزادی کے لیے مہم۔
یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ نیشنلزم کا معنیٰ پس منظر کے اعتبار سے راشٹر واد کے مفہوم سے تھوڑا مختلف ہے جو راشٹر کے مطلب سے واضح ہو جاتا ہے۔ ہندوستان میں راشٹر واد اصلاً سترہویں اٹھارہویں صدی میں مرہٹوں اور سکھوں کے ذریعہ ہوا۔ یوں 'چکرورتی راجہ، جو ساری دنیا پر حکومت کرے' کا تصور وید اور پرانوں میں ملتا ہے مگر اس میں نیشنلزم کا عنصر نہیں پایا جاتا۔ ہندوستان میں سیاسی آزادی حاصل کرنے کے لیے جو راشٹر وادی کوششیں ہوئیں اس نے ملک میں راشٹریتا (نیشنلزم) کے تصور کو فروغ دیا۔ یہ کوششیں ہندو مذہب کے احیاء اور ہندوؤں میں مذہبی شعور بیدار کرنے کے ساتھ ساتھ انجام دی گئیں جسے ہندتو نے آگے چل کر ہندو راشٹر کی شکل میں تبدیل کرنا چاہا۔
ڈاکٹر دینا ناتھ ورما رقمطراز ہیں:
"ہندو مذہب کی تحریکوں میں قریبی روابط موجود تھے اور قومی شعور کے ارتقاء میں ان چیزوں نے بڑا اہم رول ادا کیا۔ "برہمو سماج" نے خوابیدہ ہندوستان کو جگایا۔ کیشو چندر سین کی قیادت میں برہمو سماج عیسائیت کے رنگ میں رنگ گیا تھا اس لیے آریہ سماج نے ہندوستانیوں کو اس کے اثرات بد سے بچایا۔ مگر آریہ سماج نے دیگر مذاہب کے پیروؤں کے ساتھ انتہا پسندانہ رویہ اختیار کیا۔ "رام کرشن مشن" اور "تھیوسوفیکل سوسائٹی" نے تمام مذاہب کی وحدت (وحدت ادیان) پر زور دیا۔ تھیوسوفیکل سوسائٹی کے زیر اثر دوسرے مذاہب کے متبعین بھی راشٹریتا (قوم پرستی) کی طرف جھکے۔ اگرچہ مذہبی اصلاح کی یہ تحریکیں بنیادی طور پر مذہبی تھیں۔ پھر بھی انہوں نے قومی خودداری اور حب الوطنی کے جذبات بیدار کر کے قومی شعور کو جگایا۔ اسی کے ساتھ انہوں نے مغربی تہذیب و تمدن

کے تئیں نفرت کے جذبات بھڑکائے۔"
(ملاحظہ ہو: بھارت کے اُپنیوشش وادتھا راشٹروادص ۱۱۳)

یہی وجہ ہے کہ سر ولینٹائن شرول نے ہندو مذہب کی بیداری میں قوم پرستانہ جذبات کا نمود دیکھا۔ فرکہر نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ "قومی جذبات کو فروغ دینے کی ترغیب کی وجہ سے نقشہ ہی بدل گیا۔ صرف مذہب ہی نہیں بلکہ مشرق کی ہر بات کو روحانی اور بلندی کی طرف لے جانے والا بتا کر اس کی قدر افزائی کی گئی جب کہ مغرب کی ہر بات کو قعر مذلت میں گرانے والی مادہ پرستانہ بتا کر اس کی مخالفت کی گئی۔

بنگال میں بنکم چندر جیسے ادیب نے نیشنلزم کے جذبہ کو روشنی عطا کی، کہتے ہیں، ان کی تخلیق 'آنند مٹھ' جدید بنگالی قوم پرستی کا گیتا بن گیا۔ ان کے "وندے ماترم" گیت نے بھی راشٹروادا (نیشنلزم) کو متاثر کیا۔ بال گنگادھر تلک نے جو گیتا کی تشریح کی، اس میں بھی انتروادی (قوم پرستانہ) جذبات کو ابھارا۔ کہتے ہیں کہ ان کی تشریحات کو پڑھ کر یا سن کر لوگ ملک پر خود کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ بھارت کو ماں کا درجہ ملا اور بڑے زور و شور سے اس کی پوجا ہونے لگی۔ آزادئ ہند کی تحریک میں مسلمانوں کا بھی اہم رول رہا۔

ہندتو نے ہندوؤں میں بڑھتے ہوئے ان قوم پرستانہ جذبات کا استعمال غیر ہندوؤں کے خلاف ہندو راشٹر کے قیام کی شکل میں کرنا چاہا اور آج بھی اس کی یہ خواہش برقرار ہے۔ اس کے لیے کسی نہ کسی بہانے ایک جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس وقت آر ایس ایس کے بانی ڈاکٹر کیشوراؤ ہیڈگوار نے اعلان کر دیا تھا۔

"ہندتو ہی راشٹریتو ہے (اصل حب الوطنی اور قوم پرستی) ہے۔"
جب کہ ساورکر کا کہنا تھا کہ "ہندو ایک راشٹر (قوم) ہیں۔"

ہندتو کے راشٹروادی کو کیا کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر ہیڈگوار اس سلسلے میں کہتے ہیں:

"ہمیں یہ ثابت کر کے دکھا دینا ہے کہ عوام کو منظم کرنے ہی کے نتیجہ میں یہ ملک ایک بڑی طاقت کے روپ میں ابھر سکتا ہے۔ اس مقصد کے لیے ہم میں سے ہر ایک کا دل مضطرب اور بے چین ہو جانا چاہیئے۔ اس کے علاوہ کسی اور چیز میں ہماری دلچسپی نہ ہو۔ جس نے ملک اور سماج کی خدمت کو اپنا عظیم نصب العین بنا رکھا ہو اسے اب آرام اور آسائش کہاں؟ کام ہی اس کا سب کچھ ہے۔ اسے اپنی پوری طاقت داؤں پر لگا کر اپنے کام میں لگ جانا چاہیے۔ ہمارے اندر اپنے مقصد کو اپنی نگاہوں کے سامنے پورا ہوتے دیکھنے کا زبردست داعیہ ہونا چاہیئے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ سنگھ کا ہر خادم

اپنا فرض بدرجہ اتم پورا کرے گا۔ ہندوستان کی قسمت بنانے والی دیوی کو بھلا آپ کے سوا اور کون خوش کر سکتا ہے؟ اور کون ہے جو اپنا سب کچھ قربان کر کے نامساعد حالات میں بھی اپنے مقصد کے حصول کے لیے مسلسل جد وجہد کر سکے؟ یہ تو آپ کو اور صرف آپ ہی کو کرنا ہے "

ملاحظہ ہو: "سنگھ ورکش کے بیج۔ ڈاکٹر کیشوراؤ ہیڈگوار"

'संघ - वृक्ष के बीज - डा0 केशव राव हेडगेवार

- सुरुचि प्रकाशन 1988, पृ0 64

ہندتو کے نزدیک "راشٹر" سے مراد ہندو راشٹر ہے۔ اس کے حصول کے لیے اس کا راشٹروادی انسان کام کرتا ہے۔ آر ایس ایس کے اس وقت کے سرسنگھ چالک (سرپرست) ایم ایس گول والکر جی نے ۱۹۳۹ء ہی میں لکھ دیا تھا کہ "ہندوؤں کی زمین پر ہندو راشٹر ہی ہونا چاہیے۔ اور فی الحقیقت صرف وہی تحریکیں راشٹریہ (قومی) ہیں جن کا مقصد ہندو راشٹر کو موجودہ جمود سے نکال کر از سرنو طاقتور بنانا ہے۔ باقی سب کچھ قوم کے مفاد میں تباہ کن ہے " ملاحظہ ہو:

"We or our Nationhood defined"

ساورکر جی اسی کتاب میں ہندو راشٹر کے حصول کے لیے فسطائی طریقہ اختیار کرنے کی وکالت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

نسلی اور تمدنی تقدس کو قائم و برقرار رکھنے کے لیے اپنے ملک کو یہودیوں سے خالی کر کے جرمنی نے ساری دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ نسلی برتری کا یہ اعلیٰ ترین مظاہرہ ہے۔ جرمنی نے یہ بھی دکھا دیا ہے کہ ان نسلوں اور تمدنوں کو جن کے اختلافات بنیادی نوعیت کے ہیں، ایک مکمل وحدت میں جذب کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ ہم ہندوستانیوں کے لیے یہ ایک اچھی مثال ہے جس سے سبق لینا چاہیے "

مگر یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہندو راشٹر کیسا ہوگا؟ اس میں کون کون سے لوگ رہیں گے اور اس کے باشندوں کے ساتھ عدل و انصاف کرنے کی بنیادیں کیا ہوں گی یہ، اور اس جیسے کئی اور سوال پیدا ہوتے ہیں مگر آج تک ہندتو کے کسی نمائندے یا کسی اور نے ذمہ دارانہ حیثیت میں آج تک جواب نہیں دیا ہے۔ البتہ اکا دکا کوئی بات کسی نے کہہ دی ہو تو یہ بات دیگر ہے۔ انشاء اللہ مضمون کے اختتام پر اس سلسلہ میں گفتگو کی جائے گی۔

کیا ہندو راشٹر ہندو مذہب کی کتب کی بنیاد پر قائم ہو سکتا ہے؟ اور کیا آج کے سماج میں اسے نافذ کیا جا سکتا ہے؟ نیز موجودہ ہندتو جو گاندھی جی کے "رام راجیہ" کے توڑ کے طور پر "اصل رام راجیہ" کی بات سیاسی انداز میں کرتا ہے، وہ فی نفسہ کیسا ہے؟ کیا وہ رام راجیہ، جو بالفرض تاریخ کے کسی دور میں رہا بھی ہو، کیا مزعومہ ہندو راشٹر کا آدرش (آئیڈیل) بن سکتا ہے؟ ان تمام باتوں کو جاننے کے لیے قدیم مذہب کی کتب میں راج کاج سے متعلق ان باتوں کو دیکھنا ہوگا جن سے راشٹر (خالص ہندو اسٹیٹ) کا ہیولیٰ تشکیل پاتا ہو۔ یہاں ہم اس سلسلہ میں بعض امور پر گفتگو کریں گے۔

راجہ کا عہدہ

یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ ان کتب میں تقریباً ہر بات کو لے کر شدید اختلافات ہیں۔ بعض حضرات اسے اس مذہب کی خصوصیت قرار دیتے ہیں مگر یہ بھی سچ ہے کہ اختلافات کی وجہ سے کسی ایک فارمولہ پر مشترکہ عمل ایک لحاظ سے ناممکن ہو جاتا ہے اور اگر کبھی ایسا ہوا بھی ہو تو عام طور سے اسے استقلال نصیب نہیں ہوتا۔ دھرم کی سیاسی باتیں بھی اسی دائرہ میں آجاتی ہیں۔ مہابھارت، میں دیگر مذہبی کتب کی بہ نسبت سیاسی باتیں بہت زیادہ ہیں۔

اس بات سے سبھی واقف ہیں کہ کسی راشٹر (ریاست) کے ڈھانچہ میں ریاست کے صدر (head of the States) یا راجہ کا عہدہ سب سے زیادہ اہم ہوتا ہے مگر ہندوؤں کے نزدیک ست جگ کے جمہوری معاشرہ میں راشٹر یا ریاست کا کوئی دخل نہیں تھا۔ مہابھارت کے شانتی پرب (۱۴ - ۵۹) میں ہے:

" ست جگ میں نہ تو کوئی ریاست تھی، نہ راجہ کا وجود تھا، نہ سزا تھی اور نہ کوئی سزا دینے والا تھا، ساری رعیت مذہب ہی کے ذریعہ باہم مل کر اپنی حفاظت آپ کرتی تھی۔"

اسی باب میں ایک دوسرے مقام پر آیا ہے:

" سنا جاتا ہے کہ رعایا پر ڈانٹ پھٹکار اور تنبیہ و ملامت کے ذریعہ حکومت کی جاتی تھی۔ اصطلاح میں اسے "دھگ دنڈ" धिग्दण्ड " کا نام دیا گیا ہے (۸ - ۲۹۴) مگر یہ نظام قائم نہیں رہ سکا۔ شانتی پرب (ست جگ): ۱۳/۱۱ - ۲۵۴ میں بتایا گیا ہے کہ: گن ساج (ست جگ) کے لوگوں میں غرور اور نخوت پیدا ہوا جو کہ رعایا کے مذہب کے زوال کی خاص وجہ ہے۔ دوسروں کو خود اپنے سے ہیچ سمجھنے اور خود کو بالا و برتر سمجھنے کا جذبہ ہی تو غرور ہے۔ جن لوگوں میں غرور پیدا ہوا، ان میں غصہ اور غضب کے جذبات بھی پروان چڑھے اور غیظ و غضب کے زیر اثر ان کا اخلاق باعث شرم ہو گیا۔ وہ بے شرمی اور بے حیائی سے پیش آنے لگے۔ اس کے نتیجہ میں ان کے اندر (دنیائے دنی کی) محبت اور حرص نے بھی راہ پائی۔ حب دنیا کے غلبہ کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو پہلے کی طرح دیکھ نہیں سکتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو ذلیل و رسوا کر کے اور انھیں تباہ کر کے خود کو مستحکم اور خوشحال بنانے کی کوشش کرنے لگے"، عوامی حکومت کے نظام کے ٹوٹنے بکھرنے کے اور بھی اسباب بتائے گئے ہیں۔

دوسری طرف رگ وید: (۱۲-۶۴-۱۰) میں آیا ہے:

" آپ لوگوں میں جو بڑے جتھے کا کمانڈر تھا، وہ 'برات' व्रात,

(یعنی گنوں کے گروہ) کا پہلا راجہ تھا۔" اس منتر سے یہ معلوم ہوا کہ جو طاقتور ہوتا تھا وہی راجہ ہوتا تھا۔ آگے چل کر راجہ کا عہدہ معاشرہ کی ایک بنیادی ضرورت بن گیا ہوگا۔ مہابھارت کے شانتی پرب (۶۷-۵) ہی میں ہے: "سب سے پہلے راجہ کا حصول کرنا چاہیئے۔ پھر بیوی، اور اس کے بعد دولت جمع کرنی چاہیئے۔ کیونکہ راجہ کی عدم موجودگی میں نہ تو بیوی رہ سکے گی اور نہ دولت حاصل ہو سکے گی۔"

راجہ کا عہدہ برہما (خدا) نے بنایا ہے۔ شانتی پرب (۸۷-۲۲) کے مطابق، جس طرح لوگوں کو تشدد کرنے والے جانوروں کا خوف ہوتا ہے، اسی طرح (انسانوں میں سے بھی) سرکش لوگوں کا خوف بھی ہمیشہ انسانوں پر طاری رہتا ہے۔ ان کے دفعیہ کے لئے برہما (یعنی خالق کائنات) نے راجہ کی تخلیق کی۔ راجہ میں دیوتاؤں کے جوہر (ملکوتی صفات) ہوتے ہیں۔ منو سمرتی (۷-۳ اور ۵/۴-۷) میں ہے:

"خالق نے اِندر، مرودت، یَم، سورج، اگنی، وَرُن، چندر (چاند) اور کُبیر کے مخصوص جوہروں سے راجہ کی تخلیق کی۔ اسی لئے وہ (راجہ) اقتدار کی عظمت کے سبب تمام ذی ارواح میں سب سے سبقت لے جاتا ہے۔"

"اگنی پران": ۲۰/۱۷-۲۲۶) میں بتایا گیا ہے کہ راجہ سورج، چاند، وایو (ہوا)، یَم، وَرُن، اگنی، کُبیر، پرتھوی اور وِشنُو کے کام سرانجام دیتا ہے۔ اس لئے اس میں ان کے اجزاء ہوتے ہیں۔ دیوتا ہی ہے "طفل" راجہ کا بھی یہ خیال کرکے کہ وہ بھی انسان ہی ہے، توہین نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ وہ "انسانی شکل میں منو سمرتی: (۸-۷) اور شانتی پرب: (۶۸-۴۰) میں یہی بات دوسرے انداز سے نیز گوتم دھرم سُوتر (۳۲-۱۱) اور آپستمب دھرم سُوتر (۵-۳۱-۱۱-۱) میں بھی یہی بات آئی ہے۔

راجہ کون ؟

یہاں یہ سوال خود سے پیدا ہوتا ہے کہ آخر راجہ کون ہو؟ کسے راجہ بننے کا حق ہے؟ مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ چھتری ہی کو راجہ بننے کا حق ہے۔ رگ وید (۹۰-۱۰) میں راجَنیہ (राजन्य) لفظ آیا ہے جو چھتری کے مفہوم میں ہے۔ راجَنیہ کے معنی ہی ہیں راجہ سے متعلق یا امور سلطنت سے متعلق۔ ڈاکٹر راج بلی پانڈے کے مطابق "راجَنیہ" زمانہ قدیم کا چھتری کے معنی میں مستعمل ہونے والا لفظ ہے مگر دونوں کی اصل ایک ہی ہے (یعنی راجہ سے متعلق یا راجہ کے خاندان سے متعلق)۔

ویدک لٹریچر میں لفظ چھتری کا ابتدائی استعمال حاکم ریاست یا خدائی ذمہ دار کے معنی میں ہوا ہے۔ ہندو دھرم کوشس ص۲۱۵۔

منو سمرتی (۱-۷) میں واضح طور سے آیا ہے کہ چھتری ہی راجہ بننے کا اہل ہے۔ مہابھارت میں شانتی پرب: (۱۴-۶۹) کا بھی یہی عندیہ ہے: "سزا دینے کی پالیسی چھتری (یعنی راجہ) کا خاص بزنس ہے۔" مہابھارت ہی میں درج ہے کہ مُنی وِششٹھ نے کہا:

" बली राजा क्षत्रियस्व पृथिव्या पतिरेव स' । "

یعنی راجہ طاقتور ہے اور چھتری ہے اور روئے زمین کا مالک بھی ہے"
شری مد بھگود گیتا: (۴۳-۸)، شری مد بھگوت پران (۱-۱۲) اور برہم ویورت پران (کرشن جنم کھنڈ، ۸۳واں باب) وغیرہ میں بھی چھتری کے راج کرم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس مفہوم کے حامل کچھ اور حوالے بھی بعض دیگر کتب میں ملتے ہیں۔

آپستمب دھرم سوتر (۱۶-۱۰-۵-۲۰) میں چھتری (راجہ) سے کہا گیا ہے کہ وہ مذہبی اور معاشی معاملات میں ماہر اور جید عالم کو پروہت کے منصب پر مقرر کرے۔"

والمیکی رامائن: (۶۸-۲) میں آیا ہے کہ دشرتھ کے آنجہانی ہوجانے پر مارکنڈیہ اور وام دیو جیسے منیوں نے اماتیوں अमात्यों کے ساتھ خاندانی پروہت منی وششٹھ کے سامنے یہ اعلان کیا کہ رام اور لکشمن جنگل چلے گئے، بھرت اور شترگھن ککیے केकय نامی ملک میں ہیں لہٰذا اکشواکو इक्ष्वाकु خاندان کے کسی فرد کو راجہ منتخب کرنا چاہیئے۔

مہابھارت میں آدی پرب (۲۵/۲۱-۱۵۰) میں ہے: راجہ کی شکل میں چھتری (عطیات، بخشش اور مختلف شکلوں میں مال و دولت) جمع کرنے نیز داد و دہش جیسے اعمال کے ذریعہ بھی وہ عوام کی خدمت کرتا تھا — بہرصورت، مطلب یہ کہ راجہ چھتری ہی ہوگا۔

اکا دکا واقعات ہی ایسے ملتے ہیں جہاں برہمن یا شودر راجہ بنا ہو۔ شودر کے راجہ بننے کا ایک واقعہ ۱۶۷۴ء میں اس وقت پیش آیا جب شیواجی کی راجہ کے شکل میں تاج پوشی ہوئی۔ شیواجی بھونسلے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس کا شمار شودروں میں ہوتا تھا۔

شیواجی کو راجہ بنانے میں سمرتھ گرو رام داس نے بڑا اہم رول ادا کیا تھا۔ رام داس جی کو ہندتو کی نئی بیداری میں شنکراچاریہ کے بعد دوسرا مقام دیا جاتا ہے۔ انھوں نے ہی ہندتو کی علامت کے بطور بھگوا جھنڈا رائج کیا تھا۔ وقت کی نزاکت کو بھانپ کر جس طرح شنکر نے ورن ویوستھا (ذات پات پر مبنی نظام معاشرت) کو دوبارہ قائم کرکے شودروں کو مذہبی رسوم ادا کرنے کے معاملہ میں تھوڑی سی ڈھیل دی تھی، اسی طرح رام داس جی شودروں کو کچھ اور زیادہ درجہ دینا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ شودروں کو ساتھ لے کر ہی ہندو دھرم اور سنسکرتی (کلچر) کا بول بالا ہوسکتا ہے۔
لکھنے والے تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ:

" چھترپتی شیواجی کی اپنی حکومت قائم ہوئی تو اس کے ذریعہ انھوں نے (رام داس جی نے) ہندو راشٹر کا سوتنتر سبھا کیندر (کھلا مرکزاجلاس) قائم کیا۔ اس واقعہ کو اگر ہم انقلاب زمانہ کا حامل واقعہ تسلیم کریں تو سمرتھ رام داس کے ذریعہ اس ملک کے اصل قومی سماج کو حیات آفریں نقطہ نظر دے کر سوراج قائم کرنے کی زبردست خواہش اور اس کے لئے فدویانہ کوشش، جد وجہد اور زبردست ایثار و قربانی کی شمع روشن کرنے کا سہرا انھیں کے سر بندھتا ہے"

ملاحظہ ہو: बी के [illegible] 'श्रेय' रामदास नम्बर पृ० ६८

مگر سوال یہ ہے کہ کیا واقعی رام داس جی شودروں کو راجہ کے منصب پر فائز کرنے میں کامیاب ہوسکے؟ اس کا جواب نفی میں ہے۔ شیواجی کے راجہ ہونے کا اعلان اس وقت تک نہیں کیا گیا جب تک برہمنوں نے ان کے چھتری ہونے کا اعلان نہیں کر دیا۔ اس واقعہ کو ڈاکٹر جگدیش چندر جین ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

" ان دنوں بھونسلے خاندان کو شودر تسلیم کیا جاتا تھا۔ کلنک کا یہ ٹیکہ پیشانی سے مٹانے کے لئے راج کرم چاریوں (ریاست کے ملازمین) نے کاشی کے باشندہ وشویشور بھٹ (گاگل بھٹ) کو دان دکشنا دے کر ان سے یہ لکھوالیا گیا کہ شیواجی کے اسلاف سورج بنشی چھتری چتوڑ کے مہاراجہ کے بیٹے ہیں۔ وشویشور بھٹ نے شیواجی کی تاج پوشی کی تقریب کا ہیڈ پروہت بننا قبول کرلیا اور شمالی ہند میں بڑی بڑی رقوم پانے کے لالچ میں مہاراشٹر کے دوسرے برہمنوں نے بھی بغیر کسی مخالفت کے شیواجی کو چھتری تسلیم کرلیا۔ شیواجی کی تقریب تاج پوشی میں تقریباً پچاس ہزار برہمن حاضر ہوئے تھے جو متواتر چار مہینے تک شیواجی کے خرچہ پر مٹھائی اور پکوان اڑاتے رہے۔ جس وقت شیواجی نے تیرتھ یاترا کے بعد کفارہ ادا کیا اور انھیں زنار پہنایا گیا، اس وقت انھوں نے خاص پروہت وشیشور بھٹ کو پینتیس[۳۵] ہزار روپئے اور دیگر برہمنوں کو پچاسی ہزار روپئے بطور عطیہ دیئے۔ اور تلادان (انسان کے ہم وزن نقد اور اشیاء تول کر صدقہ خیرات کرنا) کے وقت تقریباً دو من سونا، چاندی و دیگر اشیاء اور پانچ لاکھ روپئے نقد برہمنوں کو دیا۔ اس کے علاوہ مفتوحہ ریاستوں کو لوٹتے وقت شیواجی اور ان کے فوجیوں نے جوگالیوں، برہمنوں، عورتوں اور لڑکوں کو قتل کیا تھا، اس کے کفارہ کے بطور آٹھ ہزار روپئے کا عطیہ دیا۔ الغرض، شیواجی کی تقریب تاج پوشی کی دھوم دھام میں مجموعی طور پر پچاس لاکھ روپئے (اور کرشن جی کے خاص الخاص مصاحب کے مطابق سات کروڑ دس لاکھ روپئے) خرچ ہوئے تھے جس کی وجہ سے سرکاری خزانہ خالی ہوگیا تھا"

ملاحظہ ہو: سمپرداے واد सम्प्रदायवाद ص ۷۳-۷۲

اس طرح یہ بات واضح ہوگئی کہ ہندو مذہب کو شودر طبقہ کا راجہ بننا پسند نہیں ہے۔ منوسمرتی: (۶۱-۴) میں آیا ہے "جس ملک میں شودر کی حکمرانی ہو، وہاں برہمنوں کو نہیں رہنا چاہیئے۔"

بعض پرانوں میں بھوشیہ وانی (پیشین گوئی) کے طور پر کہا گیا ہے کہ کل جگ (یعنی زمانۂ حال) میں زیادہ تر شودر راجہ ہوں گے"

ملاحظہ ہو: ہری ونش: (۶-۳-۳)، متسیہ پران: (۴۳/۴۰-۱۴۴) اور لنگ پران: (۷-۴۰ اور ۴۲) وغیرہ۔

ہندو تو اسے پسند نہیں کرتا کہ راجہ کا یہ عہدہ شودر کو ملے مگر اس کے نزدیک یہ بات پسندیدہ ہے کہ انھیں حیثیت کے مطابق درجہ دے کر اپنا مطلوبہ مقصد حاصل کیا جائے۔ گذشتہ سال ۱۹۹۲ء میں وی پی سنگھ کے اس بیان پر سخت اعتراض کیا گیا کہ دلت (طبقہ کے فرد) کو وزیر اعظم بنایا جانا چاہیئے"

ہندو مذہب میں ایک عام قاعدہ یہ تھا کہ راجہ صرف مرد ہی بنے۔ پرانوں کے، دور اور مہابھارت کے زمانہ میں راجہ نسل در نسل ہوتے

تھے۔ وشنو پُران اور مہا بھارت میں ان خاندانوں اور نسلوں کا تفصیلی بیان ملتا ہے۔ کے پی جائسوال نے " Hindu Polity " اور آر سی۔ مجمدار نے Corporate Life In Ancient India' میں لکھا ہے کہ زمانہ ماقبل تاریخ میں بطور خاص سنگہتا (ویدوں) اور براہمن (گرنتھوں) کے زمانہ میں راجاؤں کا انتخاب ہوتا تھا۔ مگر مجھے ایسا نہیں محسوس ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں انتخاب ہوتا رہا ہوگا۔ اگر ایسا ہوتا تو علم سیاست کے لئے یونان کی طرف رجوع نہ کرنا پڑتا۔"

راجہ کے اختیارات

برہمنوں کے معاملہ میں راجہ کے اختیارات محدود تھے۔ گوتم دھرم سُوتر (۷۔۱۔۱۱ اور ۸) میں آیا ہے: برہمنوں کے ماسوا، راجہ سب پر حکومت کرتا ہے۔ برہمنوں کے علاوہ دوسرے تمام لوگوں کو نیچے بیٹھا نشست پر بیٹھ کر راجہ کی تکریم کرنی چاہیئے۔ ایتریہ برہمن: (۵۔۲۷ اور ۱۔۴) اور گوتم دھرم سُوتر: (۲۷۔۱۱۔۱۔۸) میں کہا گیا ہے: " برہمن گرنتھوں کے زمانہ سے ہی برہمنوں اور راجہ کے ہم منصب ہونے نیز راجہ کے ذریعہ برہمن کی رایوں کا احترام کرنے کی روایت چلی آرہی ہے۔"

شکر نیتی سار: (۲۳۳/۲۳۲ ۔ ۷ ۔ ۴) میں تو یہاں تک کہا گیا ہے کہ اگر برہمن لوگ ظالم راجہ کو معزول کرکے قتل کردیں تو اس عمل سے گناہ نہیں سرزد ہوتا۔" یہی بات مہابھارت کے انوشاشن پَرب: (۳۲۔۶۱) اور (۳۳)، نیز شانتی پَرب (۱۹۔۹۲) میں کہی گئی ہے۔ تیستریہ سنگہتا: (۱۔۳۔۲) اور شتپتھ براہمن: (۱۔۳۔۹۔۱۲) میں بھی لکھا ہے کہ شریر النفس راجہ ملک بدر کئے جاتے رہے ہیں۔

ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ برہمنوں نے راجاؤں کو مار ڈالا۔ بھاگوت پُران: (۴:۱۴) اور شانتی پرب: (۹۵۔۹۲۔۵۹) میں کہا گیا ہے کہ راجہ وَین کو برہمنوں نے مار ڈالا کیونکہ وہ دیوتاؤں کو نہیں مانتا تھا۔ اپنے لئے یگیہ کرانا چاہتا تھا اور خود لامذہبیت کو فروغ دیتا تھا۔

وین نے یہ حکم جاری کیا تھا کہ نہ یگیہ کیا جائے اور نہ ہَوَن (آتشیں نذرانہ وغیرہ) کیا جائے۔ اس کا کہنا تھا کہ اعلیٰ ذاتوں کے ذریعہ انجام دیئے جانے والے تمام یگیوں میں، میں ہی قابل ستائش اور لائق پرستش ہوں شری مد بھاگوت (۱۶۔۱۴۔۴) کے مطابق وین نے اطراف واکناف میں ڈنکا بجوا کر یہ منادی کرادی کہ کوئی بھی برہمن نہ یگیہ کرے، نہ دان (عطیہ، نذرانہ) دے اور نہ ہَوَن کرے۔ برہمنوں نے اس کی سخت مخالفت کی اور راجہ وین کو ایسا کرنے سے باز رہنے کے لئے کہا۔ وَین نے کہا: راجہ تمام اعلیٰ اوصاف اور ملکوتی صفات کا حامل ہوتا ہے اس لئے اے برہمنو! غرور سے باز آؤ اور عمل سے میری پوجا کرو۔ میرے لئے قربانی کے جانور لاؤ۔ مجھ سے پہلے کھانے والا دوسرا کون ہوسکتا ہے؟ اس پر برہمنوں نے یک لخت کہا: مار ڈالو، مار ڈالو، اس موذی فطرت والے کو۔ (۳۱۔۱۴۔۴)۔ مہابھارت کے آدی پرب: (۵۔۲۰۔۷) کے مطابق راجہ پُرُ رَوَا کو برہمنوں

نے مار ڈالا کیوں کہ اس نے ان کے جواہرات چھین لئے تھے۔ پَرَشُ رام جو کہ برہمن تھے، نے ۲۱ مرتبہ ساری دنیا کے چھتریوں کا صفایا کیا تھا اور "اَشیہ مَنتَ پَنچک स्यमन्तपंचक میں خون سے تین کُنڈ (کھائیاں) بھر دی تھیں (بھاگوت پُران ۲۰۔۳۔۱، ۲۲۰، ۲۷۔۲۷، ۱۴۔۱۵۔۱۶ اور ۲۰۔۴۰۔۱۰)

ہندوؤں کی مذہبی کتب میں شری پَرَش رام جی کو کبھی چھٹا تو کبھی سولہواں اوتار بتایا جاتا ہے۔ مگر رام، جو کہ ساتویں اوتار تھے، کے ساتھ پرش رام جی کو رامائنوں میں دکھایا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک ساتھ دو دو اوتار ہوسکتے ہیں۔

آر گووند لکھتے ہیں: چھتریوں کے خلاف برہمنوں کی اس جنگ کی قیادت کرنے والے پَرَش رام کو قدیم صحیفہ نویسوں نے بھگوان کے اوتار کا مقام دے دیا تھا مگر بعد میں چھتریوں کی بالادستی قائم کرنے والی رامائن کے مصنف نے برہمن پَرَش رام کو چھتری رام سے شکست دلوا دی اور بعد میں اس رام کو بھگوان بنادیا۔"

ملاحظہ ہو: بھارتیہ سماج کا دکاس ص۵۵

درج بالا تفصیلات سے معلوم ہوا کہ راجہ تو چھتری ہوگا جس پر کنٹرول برہمنوں کا رہے گا مگر مذہبی کتب میں یہ بات بھی آئی ہے کہ چھتری اور برہمن کے اتحاد ہی سے ہمہ جہتی ترقی ممکن ہے۔

ویدک نظام حکومت

"ہندو راشٹر کے مزعومہ نظام حکومت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ اس سلسلہ میں اسے مذہب کی کتابیں کیا کہتی ہیں۔ سب سے پہلے ہم ویدک نظام حکومت کو لیتے ہیں۔ میں یہ پہلے ہی عرض کرچکا ہوں کہ ماقبل تاریخ اس زمانہ میں ہندو مذہب کی کتابوں کے مطابق راشٹریتا (قومیت) کا کوئی عنصر نہیں پایا جاتا۔ مگر برہمن گرنتھوں (کتب) بالخصوص ایتریہ برہمن کے آٹھویں باب میں نظم حکومت سے متعلق بعض امور و مسائل کا تذکرہ ضرور ملتا ہے۔

پنڈت دامودر ساتولےکر، کے "ویدک راجیہ شاشن" کے زیرعنوان لکھے گئے مقالہ کے مطابق ایتریہ براہمن میں آٹھ قسم کی حکومتوں کا تذکرہ ہے: سامراجیہ، بھوجیہ، سواراجیہ، وَیراجیہ، پارمیشٹھیہ، مہاراجیہ، آدھپتیہ مے اور سَمَنتَ پَریایی۔ (ماہنامہ کلیان، ہندو سنسکرتی نمبر ص۳۸۳)

ان حکومتوں سے کس طرح کی حکومتیں مراد ہیں، انھیں یہاں سلسلہ وار پیش کیا جارہا ہے:

(۱) سامراجیہ :۔ اُتر رام چرت (۲۲۔۶) اور رگھو بنش (۵۔۴) میں لفظ 'سامراجیہ' آفاقی سلطنت اور عالمگیر اقتدار کے معنی میں آیا ہے۔ پنڈت ساتولےکر کے مطابق: " رشیوں کی سلطنت میں ایک طاقتور راجہ کا دوسرے متعدد راجاؤں کو شکست دینا، ان کو اپنا مانڈلِک (ماتحت بناکر رکھنا) اور ان کو "آریہ ودھان" (آریوں کا قانون) دے کر اس نظام کے مطابق حکومت چلانے کا حکم دینا ـــــ بس اتنا ہی ہوتا تھا۔ حوالہ مذکور ص۳۸۴

(۲) بھوجیہ :۔ طرز حکومت کی دوسری قسم ہے۔ اس کے دو معنی خاص ہیں: (۱) زمین کی قدرتی حدود سے محفوظ سلطنت۔ جس طرح کہ ہندوستان ہے۔ جس کے شمال میں کوہ ہمالہ اور جنوب میں سمندر قدرتی سرحدیں ہیں اس لئے یہ ملک بھوجیہ ہے۔ چونکہ اس ملک کی سرحدیں قدرتی ہیں اس لئے یہاں کا راجہ ان حدود تک حکومت کرے اور بیرونی ممالک پر حملہ نہ کرے ... . اس طرح کئی رشیوں، منیوں نے بھوجیہ کے قانون قاعدے منضبط کئے تھے۔ (۲) بھوجیہ کا دوسرا مفہوم جو رشیوں کے دوسرے گروہ نے متعین کیا تھا، یہ تھا: " 'भुज'=पालनाभ्यवहारया '

"To Protect and govern" رعایا کے کھانے پینے کا بندوبست کرنا اور انکی حفاظت کرکے ان پر حکومت کرنا۔ (حوالہ ایضاً)

(۳) سوا راجیہ :۔ "سوا راجیہ" میں "سوا" بمعنی نفس کی پاکیزگی، طہارت اور تمام رذائل سے پاک وصاف رکھنے کی کوشش۔ ان صفات سے متصف باصول انسان ہی ریاست کی سربراہی کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں اور اسی بنا پر پوری حکومت کا نظم ونسق پاک صاف رہتا ہے۔ رشوت ستانی، غرور، جھوٹ، حرص، حقوق ومراعات کا لالچ وغیرہ مذموم صفات مذکورہ نظام حکومت میں نہیں پائی جاتیں۔ مگر جو "سوا راجیہ" ہے، اس میں "سوا" یعنی پاکیزگیٔ نفس کو نظرانداز کرنے اور ریاست کی مشینری کی طاقت سے خویش واقارب کے لئے عیش وراحت کا سامان کرنے کی کوشش ہوتی ہے اس لئے گروہ بندی کے رجحان کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک گروہ دوسرے گروہ کو دبانے کی کوشش کرتا ہے اور ہر سو جنگ وجدل کا ماحول پروان چڑھتا ہے۔ آج کل ہم ہر جگہ اسی کیفیت کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

نوٹ : رگ وید میں "سوا راجیہ" کے بجائے "سوراجیہ" کا لفظ ملتا ہے۔

(حوالہ مذکور ص ۳۸۶)

(۴) ویراجیہ :۔ اس طرز حکومت میں کوئی راجہ نہیں ہوتا۔ تمام رعایا باہم مل کر اپنی حکومت چلاتی ہے۔ اس ویدک طرز حکومت کے آثار وبقایا اب بھی ہندوستان میں موجود ہیں۔ مہاراشٹر میں اس کا نام "ذیو" ہوتا ہے۔ وہ ذات مکمل طور پر اپنی ہی ذات پر اپنا حکم چلاتی ہے۔ کوئی ایک راجہ، حکمراں، منتظم، صدر یا پردھان نہیں ہوتا۔ پوری ذات کے لوگ ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور معاملات ومسائل طے کرتے ہیں۔ اس فیصلہ پر وہ سارے لوگ عمل درآمد کرتے ہیں۔ ہندوستان میں ایسی جنگلی ذاتیں اب بھی موجود ہیں جو اس "ویراجیہ" طرز حکومت کے جیتے جاگتے مظاہر ہیں۔ اس طرز حکومت میں نقص کا پہلو یہ ہے کہ اس طرح کی حکومت کسی بڑے خطۂ ارضی پر نہیں قائم ہوسکتی۔ چھوٹی چھوٹی جگہوں پر تھوڑی تعداد میں موجود لوگوں کے درمیان یہ طرز حکومت چل سکتی ہے۔ اتھروید میں کہا گیا ہے

" विराड्वाइदमग्र आसीत्' (8-10-1) " (۸-۱۰-۱)

یعنی شروع شروع میں راجہ یا حکمراں کا وجود نہیں تھا۔ اسی کا نام ویراجیہ ہے۔

حوالہ مذکور ص ۳۸۵

(۵) پارمیشٹھیہ :۔ "پرمیشٹھی" نام پرجاپتی (ایشور۔ خدا) کا ہے۔

پرمیشورکا یہ اسم صفاتی ہے۔ سارے انسانوں پر خدائی حکومت قائم ہے۔ اسی اصول کو بنیاد بناکر اپنا نظم حکومت چلانا "پارمیشٹھیہ" ہے۔
(حوالہ مذکور)

(۶) مہاراجیہ :- اس طرز حکومت میں متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستیں خود اپنی خواہش سے متحد ہوتی ہیں اور خود کو ایک نظام کے تابع کرلیتی ہیں۔ ایسی ریاست "مہاراجیہ" کہلاتی ہے۔ اس نظم حکومت میں کوئی زور زبردستی یا ظلم نہیں ہوتا بلکہ اس میں سب کا مفاد مشترک ہوتا ہے، دنیا کی ہوس اور مسابقت میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں برقرار نہیں رہ سکتیں اس لئے ان کا کسی بڑی ریاست میں ضم ہوجانا مناسب ہی ہے۔ اس طرح تبدیلی کے مسلسل عمل سے سمندر کی حدود تک ایک عظیم الشان سلطنت قائم ہوسکتی ہے۔ اگر اس میں خودغرضی کو راہ نہ ملے تو پوری رعایا خوشحالی اور فارغ البالی سے ہمکنار ہوسکتی ہے۔

(۷) آدھی پتیہ مئے :- "پتی" اور "آدھی پتی" یہ ریاست کے عہدیداروں کے نام ہیں۔ ان کے باہمی مشوروں سے جو حکومت چلتی ہے وہ "آدھی پتیہ" پر مبنی نظام حکومت ہے، انگریزی میں اس طرز حکومت کو "بیوروکریسی" کہتے ہیں۔ خودغرضی بڑھ جانے کی وجہ سے اس اصطلاح کا بھی آج بہت ہی قابل نفرت مفہوم ہوگیا ہے۔

(۸) سمنت پریایی समन्तपर्यायी : جو نظم حکومت سامنتوں (راجاؤں) کے تابع رہتا ہے اسے "سمنت پریائی" حکومت کہتے ہیں۔ سامنت، ریاستوں کے راجاؤں کا نام ہے۔ ان ہی کے تابع و تحت یہ نظام حکومت رہتا ہے۔ (حوالہ مذکور)

ظاہر ہے کہ یہ تمام نظام ہائے حکومت ناقص تو ہیں ہی، غیر واضح بھی ہیں۔ ان کا قابل عمل ہونا تو دور کی بات ہے۔ مگر سامراجیہ، مہاراجیہ وغیرہ طرز ہائے حکومت سے "ہندتو" کا نصب العین ضرور سمجھا جاسکتا ہے۔

مہابھارت کا نظام حکومت

براہمنی لٹریچر میں مذکوران آٹھ قسم کی حکومتوں کا تذکرہ مہابھارت میں بھی ملتا ہے مگر برہمن لٹریچر میں جس تفصیل سے ان نظام ہائے حکومت پر روشنی ڈالی گئی ہے، مہابھارت میں اس کی کوئی خاص تفصیل نہیں ملتی۔ کہیں کہیں اثنائے گفتگو بعض جمہوریتوں کی تھوڑی بہت جھلک نارد۔ کرشن مذاکرات (شانتی پرب - ۲)، بھیشم۔ یدھشٹھر مذاکرات (شانتی پرب - ۱۰۸)، شبھدراہرن (آدی پرب : ۲۸-۹/۲۱۲ اور درونڑ : ۲۶-۲۴/۱۱۹) وغیرہ میں ملتی ہے مگر تفصیل نہیں ملتی۔ مہابھارت میں خاص قسم کے شہنشاہی طرز کے نظام حکومت پر ہی زور دیا گیا ہے۔

مہابھارت کے زمانہ میں (جو کہ ماقبل تاریخ کا دور شمار ہوتا ہے) میں ریاست کو آبائی اور خاندانی چیز سمجھا جاتا تھا۔ (ملاحظہ ہو: اُدیوگ: ۱-۱۵، اُرڈیک ۱-۳۱ اور ۹-۷۷)۔ اگر اس تصور پر مذہب نے مہر تصدیق ثبت نہ کی ہوتی تو پشکر، نل، یدھشٹھر وغیرہ رعایا کی اجازت کے بغیر پوری ریاست کو جوئے کے داؤں پر نہ لگا پاتے۔ لوگ نل کو جوئے کے کھیل سے الگ رکھنے کی کوشش میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ (اُرڈیک: ۴۸، ۵۷، ۱۱-۵۴) دُریودھن کو بھی اس حرکت سے باز نہیں رکھا جاسکا۔ پانڈوؤں کے جنگلے جاتے وقت کی بات ہو یا اس سے قبل لاک کے گھر کو نذر آتش کرنے کی۔ کورووں کی زیادتیوں پر رعیت پھوٹ پھوٹ کر روئی مگر بغاوت نہ کرسکی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ شہنشاہی طرز حکومت کا راجہ ہی سب کچھ ہوتا تھا، وہی سیاہ سفید کا مالک تھا۔ اس کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اس میں ملکوتی صفات موجود ہیں۔ راجہ، انسان چھتری اور حکمراں۔ ان تین خصوصیات کے ساتھ سربرآرائے سلطنت ہوتا تھا۔ (شانتی پرب: ۴-۳/۷۶)

اسی باب میں (۳۰/۲۸-۷۷، ۱۹-۲۱) میں آیا ہے کہ راجہ کو گائے اور برہمن کی حفاظت کرتے ہوئے مرجانا افضل ہے۔

بھیشم پرب : (۱۱-۱۷) میں بھیشم نے کہا ہے کہ "چھتری کا کسی بیماری میں مبتلا ہوکر گھر میں مرجانا گناہ ہے۔ جو روایت چلی آرہی ہے۔ اس کے لحاظ سے قاعدہ تو یہ ہے کہ چھتری (مرنے کے تمام طریقوں میں) لوہے (یعنی شمشیر وسنان) ہی کے ذریعہ جان دینے کا طریقہ منتخب کرے"۔ اسی بات کو دوسرے انداز میں "شلیہ پرب" : (۳۲-۵) اور "شانتی پرب" : (۲۳-۹۷ اور ۲۵) میں بیان کیا گیا ہے۔

پہلا راجہ کون ؟

مہابھارت کے بیان کے مطابق سوائم بھومنو پہلے راجہ تھے جب کہ پرانوں میں درج کہانی کے مطابق پہلے راجہ کا نام دکش تھا۔ گھر، کھیت اور پیداوار کے معاملوں میں لوگوں کے درمیان باہمی نزاعات اور بحث وتکرار کے اندیشہ کے پیش نظر برہما نے کچھ عام قاعدے مقرر کردیئے۔ نزاعی امور و معاملات کا تصفیہ کرنے کے اہل لوگوں کو چھتری، ستیہ وادی اور وید کے عالموں کو برہمن، ان دونوں سے کمتر صلاحیت کے حامل کسانوں کو ویشیہ اور زراعت وغیرہ کے لئے ضروری آلات اور ساز وسامان تیار کرنے والے دستکاروں اور ان کے ہدایت کاروں کو "شودر" کے عہدہ پر فائز کیا"۔
(راجیندر سنگھ، جن گیان، ۱۵ فروری تا ۱۵ مارچ ۹۲ء)

شانتی پرب: (۱۹/۱۸-۶۷) میں آیا ہے کہ "اس وقت کے معاشرہ نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ ہمارے درمیان جو شخص سخت کلام اور ترش رو ہو، ڈنڈے کا خوف دکھاتا ہو، زناکار ہو، دوسرے کا مال چھین لیتا ہو اس کا سوشل بائیکاٹ کردیا جائے"، چنانچہ اس قانون کی پیروی کرتے ہوئے سارے لوگ آرام وسکون سے رہنے لگے۔ مگر یہ عام قاعدہ زیادہ دنوں تک برقرار نہ رہ سکا۔ جس کے نتیجہ میں دنیا میں دوبارہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کا رجحان پنپنے لگا، اور عوام پھر پریشان حالی میں مبتلا ہوگئے۔ تکلیفوں اور پریشانیوں سے تنگ آکر لوگ پھر برہما کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ "بھگوان! ہم ایشور (یعنی حکمراں) کے بغیر تباہ ہورہے ہیں۔ ہمیں ایسا

الیشور عطا کریں جسے ہم عزت کی نگاہ سے دیکھیں اور اس کی توقیر کریں اور وہ ہماری نگہداشت وحفاظت کرنے کا اہل ہو۔"

(شانتی پرب: ۲۱/۲۰-۶۷)

عوام کی تکالیف دیکھتے ہوئے برہما نے اپنے شاگرد (مانس پتر یعنی ان کی خواہش سے پیدا ہوئی اولاد منو) کو "الیشور" یعنی حکمراں بننے کا حکم صادر کیا مگر منو نے راجہ بننے سے انکار کرتے ہوئے کہا: میں گناہ کے اس کام سے ڈرتا ہوں، حکومت کرنا نہایت مشکل اور جوکھم بھرا کام ہے۔ بالخصوص انسانوں کا راجہ بننا جو کہ منافقانہ صفات کے حامل ہوتے ہیں۔

(شانتی پرب: (۲۲-۶۷)

تب آزردہ خاطر لوگوں نے سُوایم بھُوَ منُو سے کہا: آپ خوف زدہ نہ ہوں۔ پاپ تو پاپ (گناہ) کرنے والے کو لگے گا۔ ہم آپ کو پچاس مویشی اور پچاس بھار سونا (یعنی مویشیوں اور سونے کا دو فیصد) اور جائداد کا دس فیصد ٹیکس آپ کو دیں گے اس کے علاوہ شادی بیاہ کے موقعوں پر "کنیا شُلک" (لڑکیوں کی شادی کا ٹیکس) دیں گے۔"

(شانتی پرب: ۲۵-۶۷/۲۳)

اس یقین دہانی پر سوایم بھُوَ منُو نے راجہ بننے پر اپنی آمادگی ظاہر کردی۔

پُران کی بیان کردہ کہانی کے مطابق پہلا راجہ دکش کو بنایا گیا تھا۔ گرُوڑ پُران میں آیا ہے کہ برہما نے تخلیق کے ارادے سے دھرم، رُدر، منو اور سنک وغیرہ کو "مانس پتر" (مطلوب اولاد کی حیثیت سے) پیدا کیا۔ پھر داہنے انگوٹھے سے دکش کی بیوی کو پیدا کیا۔ اس بیوی سے دکش کے دس لڑکیاں پیدا ہوئیں جنھیں دکش نے برہما کے مانس پتروں کو دے دیا۔ رُدر کو دکش کی ستی نام کی لڑکی ملی۔"

ملاحظہ ہو: متسیہ پُران ۶/۷-۶۰،۱۱-۹۰،۱۲-۱۴۵-

"بھرگو" کی رائے کے پیش نظر برہمنوں کی طرف سے دکش (اولین راجہ) کو پرجاپتی (راجہ) کا خطاب دیا گیا۔ شروع شروع میں راجہ کو "پرجاپال" ہی کہا جاتا تھا مگر دکش کو "پرجاپتی" بنایا گیا جسے رُدر اور ان کے لوگوں نے قبول نہیں کیا۔

پرجاپتی (راجہ) بنائے جانے کے بعد وہ دیوتاؤں کی مجلس (پارلیمنٹ) میں آئے تو تمام دیوتاؤں نے ان کے اعزاز میں کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا مگر رُدر نے اٹھنے سے انکار کر دیا۔ یہ بات راجہ دکش اور ان کے حامی بھرگو وغیرہ برہمنوں کو بری لگی اور وہیں کچھ ناخوشگوار باتیں بھی ہو گئیں۔

پرجاپتی بننے کی خوشی میں دکش نے ایک یگیہ کا اہتمام کیا۔ رُدر اور ان کے حامیوں کو ذلیل کرنے کے لئے، جو انھیں پرجاپتی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھے، اس یگیہ میں مدعو نہیں کیا۔ رُدر کے حامیوں کو یہ بات بہت ناگوار گذری۔ پاروتی (ستی) بن بلائے یگیہ میں شریک ہونے کی وجہ سے بےعزت ہوئیں اور یگیہ کے جائے انعقاد ہی پر (غم اور افسوس کے مارے) خودسوزی کرلی۔ چنانچہ وہ اپنے اسی عمل خودسوزی کی وجہ سے "پاروتی ستی" کہلائیں اور یہی واقعہ "ستی پرتھا" رسم خودسوزی کی ایک بنیاد بھی بنا۔ (متسیہ پُران ۱۳-۱۴)۔

رُدر کے حکم پر ان کے حواریوں نے یگیہ کے جائے انعقاد پر پہنچ کر پورے یگیہ کو درہم برہم کر دیا اور یگیہ کرانے والے برہمنوں کو بری طرح مارا پیٹا بھرگو کی داڑھی نوچ لی گئی۔ دکش پر رُدر (یعنی شیو) کا غصہ دیکھ کر ہنسنے والے پُوشا کے دانت توڑ دیئے گئے اور یگیہ کرانے والے ایک دیگر شخص کی مونچھ اکھاڑ دی گئی۔ بعد میں دیوتاؤں نے یہ سمجھوتہ کرایا کہ یگیوں میں رُدر کے حواریوں کو بھی مدعو کیا جایا کرے گا۔ متسیہ پُران میں آیا ہے کہ دکش نے جب دیکھا کہ "مطلوب اولادوں" کے ذریعہ حسب ضرورت افزائش نسل نہیں ہو رہی ہے تب انھوں نے جنسی اتصال کے ذریعہ افزائش نسل کا نظام چلایا۔

معاشرتی ڈھانچہ پر ایک نظر

جس طرح منو سمرتی کے معاشرتی قوانین اور اس کا ڈھانچہ اونچ نیچ کی سخت بنیادوں پر قائم ہونے کی وجہ سے ناقابل عمل اور قابل مزاحمت ہے، اسی طرح مہابھارت میں بھی کچھ چیزیں آئی ہیں۔ شانتی پرب میں ورنوں (ذاتوں) کی پہچان یہ بتائی گئی ہے:

برہمنوں کا رنگ گورا، چھتریوں کا سرخ، ویشیوں کا زرد اور شودروں کا کالا ہے"۔ اس رولنگ پر رشی بھاردواج نے اندیشہ ظاہر کیا کہ: اگر رنگ ہی سے چاروں ورنوں کی شناخت کی جائے گی تو یہ نظر آئے گا کہ

تمام وَرنوں میں نسلیں خلط ملط ہوگئی ہیں ؟ اس کے جواب میں بھرگو کو کہنا پڑا کہ :

" رنگ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ یہ جہاں تو برہمنوں ہی سے عبارت ہے اور برہما نے اول اول برہمنوں ہی کو پیدا کیا ہے۔ بعد میں اعمال کی بنیاد پر ذاتیں تشکیل پائیں (۱۰-۱۸۸) ۔ اسی باب : (۴۲-۶) میں درج ہے کہ تینوں ذاتوں (ورنوں) کی تخلیق برہمنوں سے ہوئی "

مہابھارت میں وَرن کی بنیاد عمل (پیشہ) کو تسلیم کیا گیا ہے مگر شودر کا کام اچھا نہیں مانا گیا ہے : شانتی پرب : (۳-۲۹۴) ہی میں آیا ہے

" برہمن چھتری کا کام کرے یا ویشیہ کا کام کرے یا کوئی بھی کام نہ کرے، وہ بہرصورت ذلیل نہیں سمجھا جائے گا۔ لیکن اگر وہ شودر کا کام کرتا ہے تو وہ ذلیل ہوجاتا ہے "

شودر کے جو لچھن (علامات) ہوتے ہیں، وہ برہمن میں نہیں ہوتے۔

(وَن پرب : ۲۵-۱۸۰) اسی باب : ۱۶-۲۱۶ کے مطابق :

" زوال پذیر اور برے کام کرنے والا برہمن بھی شیخی باز اور بد عمل ہوتا ہے اور بالعموم شودر کے جیسا ہوتا ہے " مگر چاروں ورنوں میں برہمن ہی سب سے افضل ہے۔

بیاؔ نے کہا ہے۔

एक देहोद्‌भवा वर्णाश्चत्वारोऽपि वराङ्गने ।
पृथग्धर्मा पृथक्शौचास्तेषां तु ब्राह्मणोवर ।।

یعنی یہ چاروں ذاتیں ایک ہی جسم سے پیدا ہوتی ہیں۔ ان کے اعمال اور پاکیزگی و طہارت الگ الگ ہوتے ہیں۔ ان میں برہمن سب سے افضل ہوتا ہے۔

ون پرب میں برہمن چھتری اتحاد پر زور دیا گیا ہے :

" لفظ برہم " چھتر سے مرکب ہے اور " چھتر " برہمن سے۔ دونوں باہم مل کر دشمن کا اسی طرح خاتمہ کر سکتے ہیں جس طرح سے آگ اور ہوا مل کر جنگل کا خاتمہ کر ڈالتے ہیں۔ برہمنیت میں عدیم المثال قوتِ نظر ہوتی ہے اور چھتری میں بے مثال قوت بازو۔ اگر ان دونوں کا ساتھ ساتھ نباہ ہو تو دنیا خوش خرم رہتی ہے "

اس تمام ترپیش بندی کے باوجود برہمن کی پوزیشن چھتریوں کے مقابلہ میں مضبوط ہی رہتی ہے۔ اس سلسلہ میں مہابھارت کے ایک واقعہ کا یہاں ذکر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

پرشورام نے جو کہ برہمن تھے، جب روئے زمین سے سارے چھتریوں کو نیست و نابود کر دیا تو ان کی عورتوں نے برہمنوں ہی کی طرف رجوع کیا۔ چنانچہ مہابھارت میں آیا ہے :

तदा निः क्षत्रिये लोके भार्गवेण कृते सति ।
ब्राह्मणान् क्षत्रिया राजन् सुतार्थिन्यो ऽभिचक्रमु
तेभ्यश्च लेभिरे गर्भं क्षत्रियास्तांसहस्रशः ।।

یعنی جب بھرگو کے بیٹے پرشو رام نے زمین کو چھتریوں کے وجود سے پاک کر دیا تو ان کی بیگمات طلب اولاد کی آرزو میں برہمنوں کے پاس گئیں۔

یوں، مہابھارت کے دور میں نیوگ नियोग کے طریقہ پر عمل درآمد ایک عام بات تھی۔

اس کا فائدہ ویشیوں اور شودروں نے بھی اٹھایا۔

ततः शूद्राश्च वैश्याश्च यथा स्वैरप्रचारिणः ।
अवर्तन्त द्विजाग्र्याणां दारेषु भरतर्षभ ।।
(शांतिपर्व · 49-39)

سبھا پرو : (۳۴-۵) میں واضح کر دیا گیا ہے کہ " تمام ورنوں (ذاتوں) کو برہمن ہی کی زیر نگرانی رکھا جائے کیونکہ برہمن ہی سے باقی تینوں ذاتیں بنائی گئی ہیں " اِندر کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ برہمن تھے، بعد میں چھتری ہوگئے کیوں کہ انھوں نے اپنی ذات ذات کے ۹۹ افراد کو قتل کر ڈالا تھا۔ (شانتی پرب : ۴۹-۳۰۷)۔ اسی قتل کرنے کی بنا پر ان کا درجہ کمتر قرار دے گیا۔ مہابھارت سین کرَم (عمل) کی بنیاد پر ذات پات پر مبنی نظام کی بات بہت کھل کر آئی ہے مگر وہاں یہ نہیں واضح کیا گیا کہ اس پر کیا عمل ہوا۔ برہمن سے شودر ہونے یا شودر سے برہمن ہوجانے کی جو بات ہے، وہ پرانوں تک ہی محدود ہے۔ برہمن گرنتھوں میں بھی بعض ایسی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً :

(۱) ایتریہ رِشی ایک باندی کے بیٹے تھے وہ پڑھ لکھ کر عالم (اسکالر) تو بن گئے مگر برہمن نہیں بن سکے البتہ تقریباً ان ہی کے جیسے بن گئے تھے۔ اور —

(۲) کوشش ایلوش بھی باندی زادہ تھے۔ ایتریہ براہمن : (۱۹-۲) میں آیا ہے کہ رشیوں نے انہیں " باندی زادہ " کہہ کر یگیہ کی تقریبات سے باہر کر دیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد انہوں نے سارے ویدوں کا مطالعہ کیا۔ تب کہیں جاکر رشیوں نے انہیں بلایا اور اپنا آچاریہ (پروہت، گرو) بنایا اور یگیہ کیا۔ پرانوں میں اس طرح کے مزید حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو : بھاگوت پران : (۱۷-۲-۹ تا ۲۳-۲-۹، اور ۳-۶-۹)۔

شودروں کی پوزیشن

امر واقعہ یہ ہے کہ برہمن، چھتری اور شودر عمل کی بنیاد پر بھلے ہی باہم ایک دوسرے ورن میں چلے جائیں مگر شودر تو پیدائشی طور پر پست اور نیچ ہوتا ہے۔ اس صورت حال میں شودر کبھی عزت واحترام کا مستحق نہیں ہوسکتا چنانچہ پرب : (۱۷-۳۸) میں آیا ہے :

ज्ञान कुह्नो द्विजातीनां क्षत्रियाणां बलाधिक ।
वैश्यानाम् धान्यधनवान् शूद्राणामेव जन्मतः ।।

یعنی اعلیٰ ذاتوں میں جو زیادہ علم وفضل کا حامل ہو، چھتریوں میں جو زیادہ طاقتور ہو اور ویشیوں (بنیوں) میں جو زیادہ دولت مند ہو، وہ عزت کا مستحق ہوتا ہے، پیدائشی طور پر صرف شودر ہی پست ہوتا ہے۔

شودر کی پیدائش ہی باقی تینوں ورنوں کی خدمت کے لیے ہوئی ہے (شانتی پرب (۵-۷۵) میں واضح طور پر کہا گیا ہے۔

वर्णाना परिचर्यार्थं त्रयाणाम् भरतर्षभ ।
वर्णं चतुर्थं पश्चात्तु पद्भ्यां शूद्रो विनिर्मितः ।।

"یعنی تینوں ذاتوں کی خدمت کے واسطے بعد میں پیر سے چوتھے ورن شودر کی تخلیق کی گئی" گیتا (۳۲:۹) میں تو شودر کے ساتھ ویشیہ اور عورت کو بھی بُری جنس سے پیدا شدہ فرد قرار دیا گیا ہے۔ گیتا دراصل مہابھارت ہی کا ایک حصّہ ہے۔

مہابھارت میں شودر کو حکم دیا گیا ہے۔

नित्य त्रयाणां वर्णाना शुश्रूषा शूद्र उच्यते ।।

"یعنی شودر کو روزانہ تینوں ذاتوں کی خدمت کرنی چاہیے، ایسا کہا گیا ہے" (اس کتاب کے لحاظ سے تو) خدمتِ خلق کا کام انجام دینے والے ڈاکٹر اور مصنف اور بیکار پڑھنے والے سب شودر ہیں۔ مہابھارت میں آیا ہے:

'चिकित्सक काण्डपृष्ठ .. सावत्सरोवृथाध्यायी सर्वे ते शूद्र सम्मितः ।'

اس کے معنیٰ وہی ہیں جو اوپر بیان ہوئے۔ ان لوگوں کے ساتھ کیسا سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ اس کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے بخوبی کیا جا سکتا ہے:-

اَشوِنی کماروں یعنی طبیبوں نے چیون رشی کا علاج کر کے جوان کر دیا تو چیون رشی نے خوش ہو کر اشونی کماروں کو سوم رس پلانے کے لیے یگیہ کیا۔ طبیبوں کے لیے یگیہ کے اہتمام سے اندر ناخوش ہوئے اور کہا: یہ علاج کرنے والے —— کام کاج کرنے والے اور انسانوں کے درمیان گھومنے پھرنے والے خوبصورت ہونے کے باوجود سوم رس پینے کے مستحق کیسے ہو سکتے ہیں؟"

ملاحظہ ہو " ون پرب: (۱۲-۲۴۳)۔

اور تو اور شودر علم حاصل کرنے کا بھی حق نہیں رکھتے تھے۔ آدی پرب کے مطابق "ہرنیہ دھنو" کے بیٹے ایک لویہ نے استاد درون سے تیر اندازی کا ہنر سیکھنے کا ارادہ کیا مگر درون نے اس کے شودر ہونے کی وجہ سے تیر اندازی کی تعلیم دینے سے انکار کر دیا۔ ایک لویہ دُھن کے پکّے تھے۔ انہوں نے درون کا مجسمہ بنا کر انہیں اپنا استاذ فرض کر کے تیر اندازی کی مشق شروع کر دی اور اس طرح تیر اندازی کا فن سیکھ لیا اور بالآخر وہ اپنے اس فن میں اتنے ماہر ہو گئے کہ ارجن کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ ارجن نے استاذ درون سے شکایت کی کہ انہوں نے ایک لویہ کو اتنی مہارت کیوں بہم پہنچا دی کہ وہ (ارجن) ان سے پیچھے رہ گئے جب کہ خود ان (ارجن) کو انہوں نے یہ یقین دہانی کرائی تھی کہ وہ ان سے زیادہ کسی کو تعلیم نہیں دیں گے۔ یہ سن کر استاذ درون، ایک لویہ کے پاس گئے اور گرو دکشنا गुरु दक्षिणा (استاذ کو دیئے جانے والے نذرانہ) کے نام پر ان کے داہنے ہاتھ کا انگوٹھا کٹوا لیا تاکہ وہ کمان کا استعمال نہ کر سکیں۔"

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ ایک لویہ نے عمل کیا جس کی اسے یہ سزا ملی۔ مگر کیا وہ چھتری بن سکا؟ —قطعاً نہیں،

کہتے ہیں درون آچاریہ نے کرن کو تیر اندازی کی تعلیم دی جو کہ شودر کے بیٹے تھے۔ درحقیقت وہ پانڈوؤں کی ماں کُنتی کی اولاد تھے جو کہ شادی سے پہلے ہی پیدا ہوئے تھے۔ لوک لاج کے خوف سے کنتی نے انہیں صندوق میں رکھ کر دریائے جمنا میں پھینکوا دیا تھا۔ سُوت ذات کے اَدھی رتھ نامی شخص کی بیوی نے انہیں دریا سے نکالا اور پرورش کی۔ اسی بنا پر کرن کو سُوت پُتر" یعنی "سوت کی اولاد" کہتے ہیں۔ مگر کیا کوئی حقیقت پسند اس بات کو تسلیم کر سکتا ہے کہ وہ سوت نامی شودر کے بیٹے تھے؟ کرن کے کنتی کا بیٹا ہونے کی بات کا تذکرہ مہابھارت میں واضح طور پر موجود ہی ہے، اس کے علاوہ وشنو پُران: (۸-۲۷-۱۸-۴) اور وایو پران: (۱۱۸-۹۹) وغیرہ میں بھی ملتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ شودروں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا ہو اور ان کا کچھ خیال ہی نہ کیا گیا ہو۔ شانتی پرب: (۳۴/۳۳-۶۰) میں کہا گیا ہے:

ورنوں (ذاتوں) میں جسے شودر کہا جاتا ہے اس کی پرداخت و پرورش بہرصورت کی جانی چاہیے، جو شودر خدمت کرے اسے چھتری، اوڑھنا، ٹوپی، پنکھا وغیرہ دیا جانا چاہیے نیز سفر کے لیے اسے سواری مہیا کی جانی چاہیے مگر یہ چیزیں ایسی ہوں جو استعمال کے قابل نہ رہ گئی ہوں اور خستہ ہوں۔ انہیں شودر ہی کو دیا جانا چاہیے یہی ان کی مذہبی دولت ہے۔"

تقریباً ایسی ہی بات منو سمرتی (۱۲۵-۱۰) میں بھی آئی ہے۔ "شودر کی اپنی کوئی جائیداد نہیں ہوتی" شانتی پرب: (۳۷-۶۰) اسی باب میں (۳۵-۶۰) میں ہے: اگر شودر کا آقا سنیاس لے لے (رہبانیت اختیار کر لے) تو مذہب کا علم رکھنے والے اہل علم کے مطابق اس شودر کو بھی اپنے آقا کی معیت اختیار کر لینی چاہیے یعنی اسے بھی اس کے ساتھ جنگل میں رہنا چاہیے۔

مفلسوں اور شودروں کی خوراک تیل بتایا گیا ہے جبکہ مالدار لوگوں کی غذا گوشت بتائی گئی ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے:

आढ्यानां मांस परमं . . तैलोत्तरं दरिद्राणां भोजनं भरतर्षभ ।

مہابھارت میں ایسے مزید متعدد حوالے ملتے ہیں جن سے شودر کی حیثیت واضح ہوتی ہے۔ چند ایک مقامات پر ہی ان کی بہتری کے سلسلہ میں باتیں ملتی ہیں۔ مگر شودر۔ شودر ہی رہتا ہے اس پر باقی تینوں ذاتیں حاوی رہتی ہیں۔

عورتوں کی حالت

ویدوں کے زمانہ سے ہی عورتوں کی صورت حال بیحد خراب تھی۔ ان کے ساتھ نوع بہ نوع قسم کے کھیل کھیلے جاتے تھے۔ ڈاکٹر نامور سنگھ نے معروف مورخ وشوناتھ کاشی ناتھ راج باڑے کی کتاب "بھارتیہ وواہ سنستھا کا اتہاس" (ہندوستانی نظام شادی کی تاریخ) کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے:

یگیہ کے تصور پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں (یعنی مصنف) نے جلتی ہوئی آگ کے چاروں طرف بیٹھے ہوئے لوگوں کے سامنے بالکل کھلے میدان میں عورت مرد کے درمیان جنسی عمل کی متعدد مثالیں دی ہیں اور اسے ایک مسلمہ روایت کی حیثیت سے پیش کیا ہے ...... اشومیدھ یگیہ کے ضمن میں تو یجروید سنگھتا میں ایک عجیب و غریب قصہ کی تفصیل ملتی ہے۔ اس کہانی کے مطابق رتوج یعنی پروہت اور تمام حاضرین کی موجودگی میں پٹ رانی (راجہ کی سب سے بڑی رانی) کو "اشومیدھ یگیہ" کے گھوڑے کے ساتھ مباشرت کرنی ہوتی تھی۔ ویدک منتروں میں اس پورے عمل کی جس طرح تصویر پیش کی گئی ہے، اس سے محسوس ہوتا ہے کہ اشومیدھ یگیہ کے دوران اس عمل کو ایک فنکشن یا ڈرامہ کے ایک سین کے طور پر سند جواز حاصل تھا۔

(ہندی روزنامہ راشٹریہ سہارا، نئی دہلی، ۲۹ر اگست ۱۹۹۳ء، سنڈے ایڈیشن)۔

اس حیا سوز عمل کا تذکرہ یجروید: (۱۹۔۲۳) سے تیئسویں باب کے اختتام تک موجود ہے۔ مہیدھر نے سنسکرت میں اس کا جو نثری ترجمہ کیا ہے، اس کا مطالعہ علیحدہ سے کیا جا سکتا ہے۔ ان منتروں کا ترجمہ اتنا فحش ہے کہ کسی اچھے رسالے یا اخبار میں نہیں دیا جا سکتا۔ بلاشبہ ایسے منتر خدائی کلام نہیں ہو سکتے۔ یہ اور بات ہے کہ دیانند سرسوتی جی وغیرہ نے کھینچ تان کر اسے دوسرا رنگ دینے کی کوشش کی ہے۔ اس کے باوجود منتروں کا متن دیکھ کر اصل مفہوم معلوم کیا جا سکتا ہے۔

ویدوں میں ایسے منتر بھی ملتے ہیں جن کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ خدائی کلام رہے ہوں گے ان میں رگ وید کا

وہ منتر : (۱۱-۳۳-۸) بھی ہے :
اے عورت! نگاہیں نیچی رکھو، اُوپر نہ دیکھو، دونوں پیروں کو ٹھیک طریقہ سے یکجا کر کے دیکھو۔ تیرے جسم کا بالائی حصہ، پستان، پیٹھ، پیٹ، کولہے، رانیں، پنڈلیاں اور ٹخنے نظر نہ آئیں کیوں کہ عورت کو افزائش نسل کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

پردہ کا یہ حکم یقیناً کلامِ حق سے مناسبت رکھتا ہے پردہ کا رواج ہر مہذب سماج کے لیے ضروری ہے۔

رگ وید سے ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غلاموں کی بیویوں کے درمیان بھی پردے کا رواج تھا۔ چنانچہ رگ وید میں ہے : दास पत्नी रहि गापा अतिष्ठन '
یعنی "غلاموں کی بیویاں تخلیہ میں چھپا کر محفوظ رکھی جاتی تھیں"۔

"برہم ویورت پُران" : (۱۱۷-۱۸) میں تو پردہ کو پاکیزگی کی نشانی بتایا گیا ہے۔ مہابھارت کے آدی پرب (۶-۷۳) میں عورتوں کی حفاظت کرنے کی ہدایت دیتے ہوئے کہا گیا ہے :

عورت کے کنوارپن میں (یعنی شادی سے قبل) باپ، عالمِ جوانی میں شوہر اور عالمِ پیری میں بیٹا اس کی حفاظت کرتا ہے۔ عورت آزادی کی مستحق نہیں ہے۔"

مہابھارت میں روتی چلاتی ہوئی لڑکیوں کو چھین کر اپنے حبالۂ عقد میں لے لینا سب سے اچھی شادی مانا گیا ہے۔ یہ سلوک مفتوح اور شکست خوردہ لوگوں کی بیویوں کے ساتھ زیادہ ہوتا تھا۔ ایسی عورتوں کو لونڈی یا طوائف بنا لیا جاتا تھا۔ چنانچہ یُدھشٹر کی ایک لاکھ (سبھا پرو : ۱۲-۵۴)، بھیم، ارجن، نکل اور سہدیو وغیرہ کی متعدد (شانتی پرب ۶-۴۴ تا ۱۰، اور ۱۳-۱۴)، نیز سبھدرا، دَم نتی، لوپامدرا، اترا (ارڑیک : ۱۱-۵۰، اور وراٹ : ۱۲-۱۰)، دیویانی اور شرمشٹھا جیسے راج کاج سے جڑے مردوں اور عورتوں اور صاحبزادیوں کی سو سو کنیزیں ہونے کے تذکرے موجود ہیں۔

ڈاکٹر بھوال کر کی تصنیف "مہابھارت میں ناری" (مہابھارت میں عورتوں کی حیثیت) کے مطابق کہیں شادی بیاہ میں تو کہیں بطور تحفہ تحائف اور کہیں انعام، لالچ، نذرانہ، عطیہ کے بطور یا جُوا اور جنگ میں ہرجانہ یا خرید و فروخت کی شکل میں لونڈیاں حاصل کی جاتی تھیں۔ (حوالۂ مذکور ص ۲۹۰-۲۹۳)

شَلیہ نے رقم حاصل کرکے اپنی بہن مادری کو پانڈو (پانچوں پانڈوؤں یدھشٹر، ارجن، بھیم، نکل، سہدیو کے والد) کے حوالہ کیا تھا۔ منی پور کے راجہ نے اس شرط پر ارجن کو اپنی بیٹی دی تھی کہ اس کا پہلا بیٹا انھیں دیا جائیگا۔

مہابھارت میں ایک واقعہ ایسا بھی ملتا ہے جس میں ایک عورت کی شادی پانچ بھائیوں کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ یہ عورت دروپدی ہے جس کی شادی پانچوں پانڈوؤں کے ساتھ ہوئی تھی۔ دروپدی کے والد دروپد اس شادی کے لئے آمادہ نہیں تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ایسا کرنا نہ تو مذہبی (ویدک) رُو سے درست ہے اور نہ دنیاوی اعتبار سے۔ یہ سنکر یدھشٹر نے کہا : سنا جاتا ہے کہ زمانۂ قدیم میں بھی جٹیلہ نامی ایک عورت سات رشیوں کے ساتھ رہتی تھی۔ اسی طرح ایک منی (مفکر، دانشور) کی دختر نیک اختر وارچھی پرچیتس کے ایک نام کے دس تپسیہ (ریاض) کرنے والے بھائیوں کے ساتھ رہتی تھی۔

مہابھارت کے مطابق جرم عورت کا نہیں، بلکہ صرف مردوں کا ہوتا ہے (شانتی پرب : ۳۸-۲۶۶)۔ بعض دیگر کتب کی طرح مہابھارت میں بھی یہ نصیحت کی گئی ہے کہ عورتوں اور بے وقوفوں سے مشورہ نہیں کرنا چاہیئے۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ : "न बुद्धिं परिगृह्णीत स्त्रीणां मूर्खजनस्य च ।" اہل علم کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے :
"स्त्री प्रधानानि राज्यानि विद्वाविद्भर्वर्जितानि च ।"
یعنی جن ریاستوں میں عورت کی حکمرانی ہو، اہل علم کو اسے ترک کر دینا چاہیئے۔ عورتوں کے خلاف اور بھی بہت سی باتیں بالمیکی رامائن، دیوی بھاگوت، برہم ویورت پُران، تلسی داس کی رام چرت مانس، وغیرہ میں بھی آئی ہیں۔

مہابھارت میں عورتوں کے ستی ہونے (شوہر کی وفات کے بعد اس کی چتا پر جان دے دینے) کے متعدد واقعات ملتے ہیں، مثلاً پانڈو کے مرنے پر مادری ان کی چتا پر ستی ہو گئی تھی : (آدی پرب ۹۶-۹۵)۔ واسدیو کی چار بیویاں دیوکی، بھدرا، روہنی اور مدیرا۔ اپنے شوہر کی چتا پر ستی ہو گئیں مگر ستیہ بھاما نے ریاضت کرنے کی خاطر جنگل کی راہ لی۔ ملاحظہ ہو : نسل پرب (۴، ۳، ۷)۔ وسدیو، شری کرشن جی کے والد کا نام ہے۔ کرشن جی دیوکی سے پیدا ہوئے تھے، بالمیکی رامائن (اُتر کانڈ : ۱۵-۱۷) اور بعض دوسری کتب میں ستی ہونے کے واقعات ملتے ہیں۔

عورت کے سلسلہ میں مہابھارت کا دیا ہوا نظام، ظاہر ہے غیر عملی ہے اور انسانی قدروں سے بھی ایک دم پرے ہے۔ عورتوں کے مفاد کی اکّا دکّا جو باتیں ملتی بھی ہیں ان میں سے زیادہ تر تمام عورتوں کے سلسلہ میں نہیں آئی ہیں بلکہ ان کا تعلق اعلیٰ ذاتوں کی خواتین سے ہے۔ دوئم یہ کہ یہ باتیں خود اسی کتاب میں درج عورت مخالف احکام و ہدایات کے نیچے دب کر رہ جاتی ہیں۔ یہ نظام کسی بھی ریاست میں چل ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح کی اور بھی باتیں ہیں، طوالت کے خوف سے یہاں اس کا تذکرہ نہیں کر رہے ہیں۔

اس کے لئے تو ایک علیحدہ مضمون درکار ہے۔

نظام تعزیرات

مہابھارت کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نظام تعزیرات ایک دم الجھا اور پچیدہ سا تھا۔ یہ نظام مکمل طور پر اونچ نیچ کی بنیاد پر قائم تھا۔ کس شخص کو کس جرم میں کتنی سزا ملنی چاہیے اس کا فیصلہ کرنے اور سزا دینے کے لئے راجہ ایک "وراج پُرش" (مدبر سیاست داں) کا تقرر کرتا تھا جو ذات سے برہمن ہوتے تھے۔ نارد۔ یدھشٹھر مکالمے سے پتہ چلتا ہے کہ عام طور سے عدل و انصاف کے قیام کی ذمہ داری وزراء کے ذمہ ہوتی تھی مگر وہ سزا دینے کے لئے آزادانہ طور پر مجاز نہ تھے اور نہ آخری فیصلہ ہی ان کے ہاتھ میں تھا۔ راجہ فیصلہ کرنے والا آخری شخص ہوتا تھا جسے وزراء کے ذریعہ دی گئی سزاؤں کا علم رکھنا ضروری تھا۔ ملاحظہ ہو: (سبھا پرب: ۲۴-۵)۔ وزیروں کے ذریعہ سزا دینے کا کام بالکل نمایاں نہیں تھا۔ بالعموم مدبر ہی معاملات کے فیصلے کرتا تھا۔

برہمن، مذہب کے سمبل اور شاستروں (ہندو شریعت) کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ کسی بھی جرم کے مرتکب کو سب سے پہلے برہمن ہی کے پاس جانا ہوتا تھا: (شانتی پرب: ۸-۲۵۹)

جو شخص برہمن کی بات نہیں مانتا تھا اسے راجہ کے پاس بھیجا جاتا تھا (شانتی پرب: ۸-۲۵۹)۔ مہابھارت میں پنچوں पंचो یعنی ثالثوں کے ذریعہ (سبھا پرب: ۷-۵) اور مجلس کے ذریعہ معاملات کا تصفیہ کیے جانے کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔ فیصلے کرتے وقت ملک، قوم، خاندان وغیرہ کے مذاہب کا پورا خیال رکھا جاتا تھا: (آشرم: ۴-۱۰) تاکہ فیصلہ میں گڑبڑی نہ ہونے پائے: (آشرم: ۴-۱: ۱۰) ورہسپتی، ویاس (دیوہار پوکھوصہ ۳) شکر (شکر نیتی سار ۱۱-۲ اور ۱۰۰) اور منو (منو سمرتی ۸-۳۹۰) — ان تمام کتب کے مصنفین نے تصفیہ کے وقت مذکورہ ہدایات کو ملحوظ رکھنے پر زور دیا ہے۔

اے ایس التیکر کی رائے میں جو معاملات مشتبہ تھے یا شاستروں میں جن کا تذکرہ نہیں تھا، انہیں کے فیصلہ کے لیے غیر جانبدارانہ طور سے اسمرتیوں میں دس افراد کی کونسل بنا کر راجہ کو عدل قائم کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ ملاحظہ ہو:

Malviya Commemoration Volume. Page 649

مہابھارت میں ایسی پریشد (کونسل) کا تذکرہ ملتا ہے، دیکھئے (شانتی پرب ۹-۷ — ۸۶)۔

ان سب کے باوجود فیصلے روایت سے ہٹ کر نہیں کیے جاتے تھے۔ مثال کے طور پر یہاں کچھ قوانین پیش کیے جا رہے ہیں جن سے اس دور کے نظام قانون کا صحیح اندازہ ہو سکے گا۔

शतं ब्राह्मणमाकुश्य क्षत्रियोदण्डमर्हति,
वैश्यस्तु द्विशतो राजन् शूद्रस्तु वधमर्हति ।

शूद्रः अप्रियमाकुश्य जिह्वाच्छेदनामाप्नुयात्
शूद्राक्रोशे तथावैश्य शतार्द्ध दण्डमर्हति ।
धर्मोपदेशः शूद्रस्य द्विजानामभिकुर्वतः,
तप्तमासे चयेत् तैल श्रवणेश्रोत्रे च पार्थिवः ।

یعنی چھتری اگر برہمن کو برا کہے تو ایک سَو کا جرمانہ عائد کیا جائے اور اگر ویشیہ برہمن کو برا کہے تو دو سو کا جرمانہ عائد کیا جائے لیکن اگر شودر یہی حرکت کرے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ (یہی بات منو سمرتی: (۸-۲۶۷) میں بھی آئی ہے) شودر اگر چھتری کو دشنام طرازی کرے تو اس کی زبان کاٹ لی جائے ویشیہ اگر شودر کو برا بھلا کہے تو اس پر پچاس کا جرمانہ عائد کیا جائے۔ دِوجوں (برہمن، چھتری اور ویشیہ) کو اگر شودر دھرم کی نصیحت کرے تو اس کے کان میں راجہ گرم گرم تیل ڈال دے۔ (اسی سے ملتی جلتی بات منو سمرتی (۸-۲۷۰ اور ۸-۲۷۹) میں بھی آئی ہے۔)

مہابھارت کے شانتی پرب (۵۷-۱۶۵) میں کہا گیا ہے:
"ویشیہ کو اگر قتل کر دے تو دو سال تک برت (روزہ) رکھے اور ایک بیل اور سو گائیں تاوان ادا کرے۔ شودر کو قتل کرنے پر ایک سال تک روزہ رکھے اور ایک بیل اور سَو گائیں دے۔ کتے، گدھے اور سوّر کو قتل کرنے پر بھی اتنے ہی روزے رکھے جتنا کہ شودر کے قتل کرنے پر رکھتے ہیں۔"

اس طرح شودروں کا شمار جانوروں میں کیا گیا ہے۔
ٹیکس یعنی "بلی" بھی بطور جرمانہ عائد کرنے کی بات بھی مہابھارت میں ملتی ہے یوں تو راج ریاست چلانے کے لیے دولت کی ضرورت ہوتی ہی ہے۔ رگ وید (۵-۶-۷، اور ۶-۳-۱۷-۱۰-۱) میں عام لوگوں کے لیے "بلی ہرت" (راجہ کے لیے ٹیکس، محاصل لانے والے عمال) لفظ کا استعمال ہوا ہے۔ ایتریہ براہمن: (۳-۲۵) میں ویشیہ کو "بلی کرت" (دوسروں کو ٹیکس ادا کرنے والا) کہا گیا ہے جب کہ برہمنوں اور چھتریوں کو ٹیکس سے مستثنیٰ رکھا گیا تھا مہابھارت میں شکست خوردہ راجاؤں سے ٹیکس وصول کرنے کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ چنانچہ سبھا پرب: (۳-۲۵) میں ارجن نے واضح طور پر کہا ہے کہ: "میں تمام راجاؤں سے ٹیکس وصول کر کے آؤں گا۔ مفتوح ممالک کے راجا ہیرے جواہرات، سونے چاندی گائے، ہاتھی گھوڑے لے کر پانڈو راجاؤں کی خدمت میں حاضر بھی ہوئے تھے۔

مہابھارت میں فوج، قلعہ اور وزرار وغیرہ کے سلسلہ میں بھی کافی تفصیلات موجود ہیں جن کے تذکرہ کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ یہاں صرف مہابھارت کے نظام حکومت کی بنیادوں کی طرف ہی اشارہ کیا گیا ہے اور اس سے متعلق دیگر ان چند خاص باتوں کو موضوع گفتگو بنایا گیا ہے جن پر اسٹیٹ کے بقیہ عناصر کا انحصار ہے۔

رام راجیہ

ہندو راشٹر کی تحریک میں کبھی کبھار رام راجیہ کا نام اچھلتا رہتا ہے مگر یہ رام راجیہ کیا ہے اور یہ اپنے وقت میں کیسا تھا۔ اس پر ہندو راشٹر وادیوں کی زبانیں بالعموم بند رہتی ہیں۔

گاندھی جی رام راجیہ کی حقیقت سے شاید واقف تھے۔ اسی لیے انہوں نے رام راجیہ کے نعرہ کے تحت "اپنے رام راجیہ" کا خواب دیکھا تھا۔ یہاں سب سے پہلے رام راجیہ ہی پر گفتگو کی جائے گی۔ اس کے بعد گاندھی جی کے رام راجیہ کا نمبر آئے گا، انشاء اللہ۔

رام کی حکایت پر سب سے زیادہ مستند کتاب بالمیکی رامائن سمجھی جاتی ہے مگر اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا شروع کا باب "بال کانڈ" اور آخری باب "اُتر کانڈ" الحاقی ہے کیوں کہ اس کا اندازِ بیان اور اسلوب نگارش درمیانی حصہ سے مختلف ہے۔ جرمن دانشور یعقوبی کا خیال ہے کہ یہ دونوں ابواب الحاقی ہیں۔ رام کے راج کاج کا بیان آخری باب اُتر کانڈ ہی میں ملتا ہے۔ یوں تو رام کتھا پر بہت سی ایسی رامائنیں اور دیگر کتب ہیں جن میں یکسانیت کا فقدان ہے اور اس میں مختلف طرح کی باتیں ملتی ہیں۔ میں یہاں بطورِ خاص والمیکی رامائن کی بنیاد پر رام راجیہ کا تجزیہ کرنے کی کوشش کروں گا۔

والمیکی رامائن کا چھٹا باب "یدھ کانڈ" (جنگ کا باب) بھرت کے ذریعہ رام کو حکومت واپس کرنے، رام کی تاجپوشی ہونے اور بندروں کی رخصتی کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ بھرت نے رام کو راج واپس کرتے ہوئے اس میں ہونے والا اختلال اور انتشار کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

آپ نے میری ماں کی تعظیم و توقیر کی اور یہ حکومت مجھے دیدی۔ جس طرح آپ نے مجھے یہ حکومت دی اسی طرح میں اسے اب پھر آپ کو واپس کر رہا ہوں۔ انتہائی طاقتور بیل جس بوجھ کو اکیلا اٹھا لیتا ہے، اسے بچھڑا نہیں اٹھا سکتا۔ اسی طرح میں بھی اس بھاری بوجھ کو اٹھانے کا یارا نہیں رکھتا جس طرح پانی کے تیز بہاؤ سے ٹوٹے ہوئے بند کو اس وقت باندھنا مشکل ہوتا ہے جب کہ بہت تیزی سے پانی اس میں سے بہہ رہا ہو۔ اسی طرح نظم حکومت میں پیدا شدہ اختلال کو دور کرنا میرے لیے ناممکن ہے۔
(یدھ کانڈ ۴،۳،۲-۱۲۸)

بھرت کے اس بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایودھیا کی حکومت کی صورت حال بیحد خراب ہو گئی تھی۔ اس میں گڑبڑیاں

پہلا یوگ حقیقیں مگر یدھ اتنکا کانڈ اور آخری باب اتر کانڈ ختم ہوجاتا ہے پھر بھی یہ نہیں معلوم ہو پاتا کہ رام نے ان خرابیوں کو کس طرح دور کیا اور اختلال اور انتشار کو کس طرح رفع کیا۔ یُدھ کانڈ کے آخری حصہ میں کچھ مبالغہ آمیز باتیں آگئی ہیں جیسے رام کے دور حکومت میں کبھی بیواؤں کی فریاد و فغاں نہیں سنائی پڑتی تھی، سانپ اور دوسرے موذی حشرات الارض کا خوف نہیں تھا۔ امراض لاحق ہونے کا بھی اندیشہ نہیں تھا۔ (۹۸-۱۲۸) کوئی بچہ مرتا نہیں تھا۔ (۹۹-۱۲۸)، لوگ ہزاروں سال کی عمر پاتے تھے ان کے ہزاروں بیٹے ہوتے تھے اور انہیں کسی طرح کا غم یا بیماری نہیں لاحق ہوتی تھی (۱۰۱-۱۲۸)۔ برہمن، چھتری اور شودر حرص و آز سے پاک ہوتے تھے (۱۰۴-۱۲۸) رام نے گیارہ ہزار سال تک حکومت کی (۱۰۸-۱۲۸) اس دوران سَو اشومیدھ یگیہ کیے اور پروہتوں کو خوب داد و دہش کی (۹۵-۱۲۸) اسی قبیل کی کچھ اور باتیں بھی آئی ہیں، تلسی داس جی نے اپنی رامائن "رام چرت مانس" میں یہ کہہ کر کام چلایا ہے کہ :

दैहिक दैविक भौतिक तापा ।
राम-राज नहिं काहुहि व्यापा ।।

یعنی رام راجیہ میں کسی بھی مخلوق کو جسمانی، خدائی یا دنیاوی عذاب لاحق نہیں ہوتا۔ تلسی داس جی نے یہ بھی لکھا ہے کہ رام راجیہ میں بازاروں میں سامان بغیر قیمت ادا کیے ہی مل جاتے تھے۔ وغیرہ

مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رام چندر جی کے معمولات ہی کچھ ایسے تھے کہ ان کو خدمت خلق کے کاموں کے لیے فرصت نکالنا مشکل تھا۔ اتر کانڈ میں آتا ہے کہ صبح انہیں گانا وغیرہ گا کر جگایا جاتا تھا (۳-۳۷) بیدار ہونے کے بعد غسل وغیرہ سے فارغ ہونے کے لیے اُن کو ہزاروں خدام درکار ہوتے تھے (۱۰-۳۷) پھر وہ دیوتاؤں، پِتروں اور برہمنوں کی پوجا کرتے تھے (۱۴-۳۷) اس کے بعد وہ دربار شاہی کو رونق بخشتے تھے اور وہاں پُرانوں کے عالم مختلف مذہبی کلفتے کہانیاں سناتے تھے (۲۴-۳۷) اتر کانڈ ہی کے پرچھِپت سرگ (الحاقی باب) ۱ میں رام، لکشمن سے کہتے ہیں کہ اگر باہر کوئی فریادی ہو تو اُسے بُلا لو۔ لکشمن واپس آکر بتاتے ہیں کہ باہر ایک بھی شخص ایسا نہیں ملا جو کہتا ہو کہ مجھے کوئی ضرورت لاحق ہے۔

رام اور برہمن

رام، لکشمن کو ایک بار پھر حکم دیتے ہیں کہ لکشمن! تم پھر جاؤ اور فریادی کا پتہ لگاؤ۔ حکم کے مطابق لکشمن باہر آئے اور دیکھا کہ دروازے پر ایک کتا کھڑا ہے اور انہیں کی طرف دیکھ کر بار بار بھونک رہا ہے۔ لکشمن نے اس سے آنے کا سبب دریافت کیا تو اس نے کہا: میں تو رام جی کے سامنے مدعا عرض کر سکتا ہوں۔ چنانچہ کتا رام کے پاس آیا اور اس نے ایک برہمن کی شکایت کی جس نے اسے مارا تھا۔ مارے کتے کا سر پھٹ گیا تھا۔ کتے نے برہمن کا نام "سرتھ سدھ" بتایا۔ رام نے فوراً ایک چوکیدار کو بھیج کر اس برہمن کو بلوایا۔ رام نے اس سے کتے کو مارنے کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ میں بھوکا تھا، بھیک مانگنے کے لیے جا رہا تھا۔ اور یہ کتا میرا راستہ روکے کھڑا تھا۔ میں نے اس سے ہٹنے کے لیے کہا تو یہ نہیں ہٹا۔ بھوک کی شدت اور کتے کی ضد۔ ان دونوں اسباب کے جمع ہو جانے سے مجھے اشتعال آگیا اور میں نے اسے ڈنڈے سے مارا۔

رام جی نے اس معاملہ میں خود سے کوئی فیصلہ صادر نہیں کیا، بلکہ مجلس میں موجود بھرگو، آنگرس، کُتس، وشِشٹھ اور کاشیپ وغیرہ سے پوچھا: آپ لوگ بتائیں کہ اس کے لیے کیا کرنا چاہیے۔ مُنیوں نے بتایا کہ برہمن کو تو سزا نہیں دی جا سکتی کہ یہی سارے شاستروں کی رائے ہے۔ دیکھیے: پرچھِپت سرگ (الحاقی باب) (۴۴-۴۳-۳۷-۲) اس دوران کتے نے حالات کو بھانپ کر کہا: میں

دعوت کے اس خصوصی شمارے کے بارے میں قارئین کی رائے کا انتظار رہے گا۔ ایڈیٹر

اس نے پہلے کے جنم میں کالنجر میں ایک مٹھ کا مہنت تھا جس کے سبب مجھے اس زندگی میں کتا بننا پڑا۔ یہ برہمن بھی مہنت بن کر ذلیل جنس میں چلا جائے گا۔ رام نے برہمن کو مہنت بنادیا اور اسے کل پتی بناکر تاجپوشی کر دی۔ اس طرح بجاہوا وہ برہمن ہاتھی کی پشت پر بیٹھ کر بیحد خوش خرم ہوکر وہاں سے چلا گیا۔

(پرچھپت سرگ ۳۵ تا ۳۹)

برہمنوں سے محبت کرنے کے سلسلہ میں رام کے متعدد واقعات ملتے ہیں۔ ایک بار جب رام کے دربار میں بھیون وغیرہ رشی پہنچے تو رام نے کہا: یہ ساری حکومت، قلب میں جلوہ گر یہ روح اور یہ میری ساری حشمت برہمنوں کی خدمت ہی کے لیے ہے میں آپ کے روبرو سچی بات کہہ رہا ہوں۔ (اتر کانڈ ۱۴-۱۶)

درحقیقت رام نے سارے کام برہمنوں ہی کے مفاد کے لیے کیے، یہ اور بات ہے کہ ان میں بردباری، باپ کی فرمانبرداری اور بھائیوں سے الفت ومحبت وغیرہ کی خصوصیات ضرور پائی جاتی ہیں۔

رام راجیہ میں شودر

رام راجیہ میں شودر کو عبادت کرنے کا بھی حق حاصل نہیں تھا۔ شمبوک نامی ایک شودر جب عبادت کر رہا تھا تو رام چندر جی نے اسے برہمن کے بیٹے کی خاطر ختم کر دیا۔ اتر کانڈ کے ۷۳ ویں ذیلی باب کے مطابق ایک بوڑھا برہمن اپنے مرے ہوئے لڑکے کی لاش لے کر شاہی دربار کے دروازے پر آیا۔ (۲) اور یہ کہہ کر فریاد کرنے لگا: ہائے، میں نے پہلے جنم میں کون سا ایسا پاپ کیا تھا جس کے سبب آج میں اکلوتے بیٹے کی موت دیکھ رہا ہوں (۴)۔ بیٹا۔ ابھی تو تُو بچہ ہی تھا عنفوان شباب کو بھی نہ پہنچا تھا صرف پانچ ہزار دن (۱۳ سال دس ماہ بیس دن) کی تیری عمر تھی (۵) رام چندر جی کے راج میں تو اچانک موت کا ایسا روح فرسا واقعہ نہ پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ کبھی سننے میں آیا تھا (۹) یقیناً یہ رام ہی کی کوئی بڑی برائی ہے جس کے سبب ان کے راج میں رہنے والے بچوں کی موت ہونے لگی۔ (۱۰)

۷۴ ویں (سرگ) ذیلی باب میں آیا ہے: رام نے اس برہمن کا اس طرح دکھ اور غم سے بھرا ہوا بیان سنا (۱) انھوں نے منیوں اور اپنے بھائیوں کو بلوایا اور ان سب کے سامنے معاملہ پیش کیا (۷)۔ اس پر نارد جی کہتے ہیں: مہاراج! یقیناً آپ کے قلمرو میں کسی سرحد پر کوئی کھوٹی عقل والا شودر زبردست ریاضت کر رہا ہے۔ یہ بہت بڑا ادھرم ہے (خلاف مذہب فعل ہے) اسی کے چلتے اس لڑکے کی موت واقع ہوئی ہے (۲۹)

رام شمبوک کو مارنے کے لئے خود گئے اور تلوار سے اس کا سر تن سے جدا کردیا۔ (۴-۷۶)۔ سر کٹتے ہی برہمن بچہ زندہ ہوگیا (۱۵-۷۶)۔ شمبوک کا قتل ہوتے ہی اندرا اور اگنی کے بشمول تمام دیوتا "بہت خوب، بہت خوب" کہہ کر رام کی بار بار تعریف کرنے لگے (۵-۷۶)۔ دیوتاؤں نے خوش ہو کر کہا: آپ نے گویہ دیوتاؤں ہی کا کام انجام دیا ہے۔ (۷-۷۶)

یہ واقعہ ۴ سرگوں (ضمنی ابواب) پر مشتمل ہے۔ ان کے مطالعہ سے اور یہاں پیش کئے گئے چند حوالوں سے رام راجیہ میں شودروں کی حیثیت بخوبی واضح ہوجاتی ہے۔ شمبوک کے بارے میں تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ راکشش تھے۔ رام چندر جی نے تو گویا راکششوں کا صفایا کر دینے کے لئے مہم چلائی تھی۔ کئی ہزار راکششوں نے ان کے ہاتھ سے قتل ہوکر نجات حاصل کی تھی۔ ان میں تاریچ، سُباؤ، کبندھ، دوشن اور اس کے چودہ ہزار ساتھی شامل ہیں۔ لنکا بھی ان ہی کے سبب جلائی گئی۔

رام راجیہ میں عورت

رام چندر جی کے ہاتھوں، جو پہلا قتل ہوا تھا وہ تاڑکا (تاڑکا) نامی عورت کا تھا۔ یہ قتل اس وقت ہوا جب وہ وشوامتر کے یگیہ کی حفاظت کے لئے جارہے تھے۔ اس واقعہ کا تذکرہ بال کانڈ کے ۲۵ ویں، ۲۶ ویں سرگ (ذیلی باب) میں آیا ہے۔ وشوامتر، دشرتھ سے یگیہ کی حفاظت کے لئے کہہ کر رام اور لکشمن کو لے جارہے تھے اتنے میں تاڑکا نام کی عورت نے ان کا راستہ روک لیا۔ تاڑکا یکش ذات کی عورت تھی۔ اس کے والد سکیتو सुकेतु بڑے نیک سیرت تھے اور وہ خود ستودہ صفات تھے۔ (۸-۲۵) اگستیہ رشی نے اس کے شوہر سُند کو قتل کرڈالا تھا اور بیٹے کو بد دعا دے دی تھی اس لئے وہ انتقامی کارروائی کے جذبہ سے برہمنوں کو ستانے لگی تھی۔ وشوامتر کے قتل کے حکم پر رام چندر جی نے کہا: میں برہمنوں کے مفاد میں آپ کے حکم کی اتباع کرنے کے لئے تیار ہوں (۵-۲۶)۔ پھر رام چندر جی نے تیر کا نشانہ کر اسے ختم کر دیا (۲۶-۲۶)۔

ان کے اس فعل پر اندرا اور دوسرے دیوتاؤں نے رام چندر جی کو مبارکباد پیش کی اور تحسین وآفریں کے کلمات کہے۔ رام نے اگستیہ منی سے کچھ نہیں کہا۔ بعد میں جب اگستیہ سے رام چندر جی کی ملاقات ہوئی تو تاڑکا کے سلسلہ میں ان سے کچھ پوچھا تک نہیں۔ اس کے برعکس اگستیہ کے باقیماندہ کاموں کو پائے تکمیل تک پہنچانے کی انھوں نے ذمہ داری لے لی اور اگستیہ منی نے راکششوں کو مارنے کے لئے اسلحہ بھی فراہم کیا۔

رام چندر جی کے سامنے لکشمن کے ہاتھوں شورپنکھا (شُپنکھا) کی ناک کان کاٹے جانے کے واقعہ آیا ہے۔

اس واقعہ کا تفصیلی بیان بالمیکی راماین کے ارنڈ کانڈ کے ۱۸ و ۱۷ سرگ میں ہے۔ شورپنکھا نے جب پنچوٹی میں رام چندر جی سے شادی کے لئے عرض معروض کیا تو شری رام چندر جی نے کہا کہ میری بیوی میرے ساتھ ہے مجھ سے شادی کرکے تمہیں سوکناپے کا دکھ اٹھانا ہوگا۔ میرا چھوٹا بھائی لکشمن کنوارا ہے، اس نے آج تک کسی عورت کا منہ تک نہیں دیکھا ہے، اسے عورت کی ضرورت بھی

س لئے تم اسی کے پاس جاؤ (۲-۱۸ تا ۵)۔ سچی بات تو یہ تھی کہ رام چندر جی کے
ذ بی لکشمن کی شادی بھی کشش دھوج کی بیٹی اُرمِلا کے ساتھ ہو گئی تھی۔

لکشمن نے صرف شورپنکھا کا ہی ناک کان نہیں کاٹا بلکہ اَیومکھی अयोमुखी
ساتھ بھی اسی طرح کا معاملہ کیا، رام اور لکشمن جب سیتا جی کی تلاش میں تھے
ن اس (ایومکھی) سے ملاقات ہو گئی تھی۔ اس نے بھی شورپنکھا کی طرح
من کے ساتھ "تفریح طبع" کی پیشکش کی تھی، تو لکشمن نے تلوار سونت لی
اس کے ناک کان اور پستان کاٹ ڈالے۔ (ارڑیہ کانڈ : ۶۹)

لنکا سے سیتا جی کو واپس لانے کے بعد رام چندر جی نے ان کی پاکدامنی
لئے ان کی اگنی پریکشا تو لی ہی۔ اس امتحان میں سیتا جی کھری اتریں۔ رام
رجی نے سیتا جی کے کردار کو مشکوک قرار دے کر انھیں قبول کرنے سے انکار
یا تھا اور کہیں اور چلے جانے کے لئے کہا تھا۔ اس کے بعد بھی کسی دھوبی یا
ر भद्र نامی شخص کے ذریعہ سیتا کے بارے میں اپنی بیوی سے کہے جانے
م چندر جی نے بحیثیت ایک راجہ اپنی توہین سمجھا اور سیتا جی کو بدون پیشگی
ع، لکشمن کے ذریعہ انھیں جنگل میں چھوڑوا دیا۔ اس واقعہ کا تفصیل
ن اتر کانڈ کے ۴۶ و ۴۵ سرگ میں آیا ہے۔

سیتا جی کے دوبارہ لوٹ آنے پر لوک لاج کو لیکر رام چندر جی نے
ن کی دوبارہ آزمائش کی، رام کے ان کے ساتھ رویہ پر سیتا جی کو خفت
س ہوئی اور کہا: "میں رام جی کو چھوڑ کر کسی دوسرے مرد کو نہیں جانتی۔
میری کہی ہوئی بات اگر سچ ہو تو دھرتی دیوی مجھے اپنی گود میں پناہ دے۔"
چنانچہ زمین شق ہو جاتی ہے اور سیتا جی اس میں سما جاتی ہیں۔ یہ واقعہ
اتر کانڈ کے ۹۷، ۹۶، ۹۵ سرگ میں بیان ہوا ہے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ رام چندر جی نے کشش کندھا کانڈ میں ایک
مقام پر کہا تھا: جو شخص راجہ کی مذمت کرتا ہے اس کے خلاف کچھ کہتا ہے تو
یہ اُدھرم (بے دینی کی بات) ہے کیونکہ راجہ ہی زندگی دیتا ہے اور مال و دولت
بھی دیتا ہے۔ وہ دیوتا ہے جو انسانی شکل میں رہتا ہے (۱۸-۴۲/۴۳)۔ مگر
یہاں رام چندر جی نے مذمت کرنے والے کا کوئی نوٹس نہیں لیا ——

رامائن میں "ستی پرتھا" सतीप्रथा کا بھی تذکرہ موجود ہے۔
ارڑیہ کانڈ کے ۷۴ ویں سرگ میں شبری کے ستی ہونے کا بیان واضح طور سے
موجود ہے۔ ایودھیا کانڈ (۳۲-۴۷) میں لکشمن جی کے اس قول سے ستی کے رواج
کی طرف اشارہ ملتا ہے جو انھوں نے اپنی ماں کے بارے میں کہا تھا:
"تو آگ میں داخل ہو جا یا دَنڈک بَن میں چلی جا یا گلے میں پھندا ڈال
کر مر جا۔ اس کے سوا تیرے لئے کوئی تو بہ نہیں ہے۔"
لکشمن جی نے ایک مقام پر کہا ہے: عورتیں مذہب سے عاری،
شوخ، تیز طرار اور جھگڑا لگانے والی ہوتی ہیں۔ ملاحظہ ہو: ارڑیہ کانڈ
(۴۵-۲۹)

چند باتیں اور ....

ان کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی ایسی ہیں جو کسی شائستہ شخصیت پر سوالیہ نشان لگاتی ہیں۔ جن میں ان کے ذریعہ بالی کا قتل کیا جانا شامل ہے۔ بالی، سگریو کے بڑے بھائی، انگد کے باپ اور "کپکس کندھا" ریاست کے راجہ تھے۔ ایک بار میرو پہاڑ پر ریاض کرتے وقت برہما کی آنکھوں سے گرے آنسوؤں سے ایک بندر پیدا ہوا۔ جس کا نام رکشن راج تھا۔ وہ اپنے ہی سایہ کو دیکھ کر ایک بار پانی میں کود پڑا اور اس کی شکل ایک خوبصورت عورت میں تبدیل ہوگئی۔ اندر سے بالی اور سورج سے سگریو اسی عورت کے حمل سے پیدا ہوئے۔ برہما کے حکم سے بالی اور سگریو کس کندھا میں راج کرنے لگے۔ ایک بار بالی کی عدم موجودگی میں سگریو نے پوری حکومت پر قبضہ کر لیا تھا مگر بالی نے واپس آنے پر سگریو کو مار بھگایا اور اس کی بیوی رُوما کو بھی چھین لیا۔ (کش کندھا کانڈ: چیپک ۱۱-۲)

سگریو کی رام سے ملاقات کے بعد رام چندر جی بالی کو قتل کرنے جاتے ہیں اور چھپ کر بالی پر تیر سے وار کرتے ہیں ــــ حملہ کرنے کا جواز ثابت کرنے کے لئے کہتے ہیں:

"میں نے تمہیں کیوں مارا، اس کی وجہ سن لو! تم نے اپنے بھائی کی بیوی کو غصب کر لیا اس لئے میں نے تمہیں مارا۔" (۱۸-۱۸)۔

آگے مزید کہتے ہیں: تم بندر ہو، بندر جانور ہوتے ہیں۔ جانوروں کا شکار کرنا چھتریوں کا شوق ہے۔ شکار تو چھپ کر بھی کیا جاتا ہے۔ اس لئے میں نے اگر تمہیں چھپ کر مارا تو کچھ غلط نہیں کیا۔ (۴۱/۴۰-۱۸)

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بالی اگر جانور تھے تو انھوں نے اپنے بھائی کی بیوی کو اپنے پاس رکھ کر کون سا ایسا گناہ کیا کہ ان پر انسانی حد جاری کی جائے؟ بالی نے کہا بھی تھا!

آپ ــــ نے شریف انسانوں کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے مگر ہیں گنہگار۔ راکھ سے ڈھکی ہوئی آگ کی مانند آپ کا اصلی روپ سادھو بھیس میں چھپ گیا ہے ..... جب میں آپ کے راج میں کوئی فتنہ فساد نہیں برپا کر رہا تھا۔ آپ کی ہتک بھی نہیں کر رہا تھا پھر آپ نے ناحق مجھے کیوں قتل کیا؟ (۲۴/۲۳-۱۷)

رام چندر جی نے سگریو کو بالی جیسا ہی کام کرنے پر سزا نہیں دی۔ بالی کی موت کے بعد سگریو نے اپنی بھاوج کو بیوی بنا کر رکھ لیا تھا۔ بارش کا موسم گذر جانے کے بعد سگریو کا سیتا کا پتہ لگانے کی خاطر وعدہ یاد دلانے کے لئے لکشمن کش کندھا پہنچے تو انھوں نے اس وقت بالی کی بیوی تارا کے ساتھ سگریو کو دیکھا۔ (سرگ: ۳۳) لکشمن نے سگریو کے بارے میں تارا سے دریافت کرتے وقت: "تمہارا شوہر" کہہ کر سگریو کو مخاطب کیا: (۳۳-۴۲)

ایک دوسرے واقعہ میں رام چندر جی نے کاشی نریش

کو قتل کرنے کا صرف اس وجہ سے عہد کیا تھا کہ انھوں نے رام کے پاس پہنچ کر برہمن منی وشوامتر کو سلام نہیں کیا تھا۔ جینت کے بارے میں آتا ہے کہ جب وہ سیتا جی کے پیر میں چونچ مار کر چلا گیا تو اس کی آنکھیں ضائع کر دی گئیں۔

یہ واقعات "رام راج" کے نظام اور اس کی نوعیت نیز اسکے خدوخال واضح کرنے کے لئے کافی ہیں۔

رام اور ان کا راشٹر پریم

رام چندر جی کے "ایودھیا پریم" کا حوالہ ہندتو کے علمبردار گاہے گاہے پیش کرتے ہیں اور اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ واقعہ اُتر کانڈ میں آیا ہے جو اس طرح ہے:

"راون کا قتل اور فتح لنکا کے بعد رام نے لکشمن سے کہا: لکشمن! تم لنکا جاؤ اور وبھیشن کی باقاعدہ رسم تاج پوشی کرا کے لوٹ آؤ۔" رام کا حکم پاکر لکشمن وہاں گئے۔ وہ اس ملک کی رونق اور عظمت کو دیکھ کر اس پر فریفتہ ہوگئے۔ سرسبز و شاداب درختوں، بیل بوٹوں سے لدے ہوئے باغات اور مرغزاروں، چڑیوں کی چہچہاہٹ، بلند و بالا اور حسین و جمیل عمارتوں، آبشاروں اور ایک سے بڑھ کر ایک چیز۔ ان کی نگاہیں حسن و جمال کے پیکر اس ملک پر ٹک کر رہ گئیں۔ لکشمن نے وبھیشن کو تخت شاہی پر بٹھایا اور پھر لوٹ کر آئے۔ بڑے ادب سے عرض کیا: مہاراج! لنکا نے میرا دل چرا لیا ہے۔ وہ ملک بہشت کا نمونہ ہے۔ آپ کی اجازت

ہو تو میں رہ جاؤں۔“
رام نے ان کی بات سنی اور سنجیدہ ہو کر بولے: لکشمن! اس میں کوئی شبہ نہیں کہ لنکا کا حسن لاجواب ہے۔ وہ فی الواقع بہشت کی سرزمین ہے۔ وہاں ہر سو اطمینان اور خوشحالی ہے قدرتی حسن و جمال ہے مگر:

नेयं स्वर्णपुरी लंका रोचते मम लक्ष्मण ।
जननी जन्मभूमिश्च स्वर्गादपि गरीयसी ।।

”اے لکشمن! یہ سونے کی لنکا مجھے اچھی نہیں لگ رہی ہے کیونکہ ماں اور مادر وطن دونوں بہشت سے بھی بڑھ کر ہیں۔“

قابل ذکر بات یہ ہے کہ راشٹر پریم کے سلسلہ میں وشنو پران (۲۴-۳-۲) میں ہے:

”مبارک ہیں وہ لوگ جو سرزمین ہند میں پیدا ہوتے ہیں“ دیوتا لوگ بھی ان کی حمد و تسبیح کرتے ہیں کیونکہ ہندوستان میدان عمل ہے یہاں پیدا ہو کر کے ہی جنت حاصل کی جاسکتی ہے۔ دیوتاؤں کو بھی حصول جنت کے لئے ہندوستان ہی آنا پڑے گا۔

چنانچہ باشندگان ہند سورگ کے دیوتاؤں سے بھی زیادہ خوش قسمت ہیں“ تمام اوتار بھی یہیں آئے۔ بشری مد بھاگوت (۲۱-۱۹-۵) میں اس طرح کی بات آئی ہے۔ ”یہ ہندوستان جنت کا احاطہ ہے۔ یہاں جو انسان جنم لیتا ہے وہ کتنا خوش نصیب ہے کیوں کہ اس سے اسے خدا کی خدمت کرنے کی توفیق حاصل ہوتی ہے“

راشٹر پریم کے سلسلہ میں یہاں اور حوالے بھی پیش کئے جاسکتے ہیں مگر جگہ کی تنگ دامانی تفصیل دینے سے قاصر ہے۔

گاندھی جی کا رام راجیہ

گاندھی جی نے متعدد بار کہا تھا کہ وہ ہندوستان میں رام راجیہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ رام چندر جی سے اس قدر متأثر تھے کہ مرنے سے پہلے ان کی زبان سے نکلا ہوا آخری لفظ ”ہے رام“ تھا۔ وہ ”نوجیون“ میں لکھتے ہیں: میں اپنا تجربہ سناتا ہوں:

میں دنیا میں بدکردار ہونے سے بچا تو ”رام نام“ کی بدولت۔ جب بھی میں مشکل حالات میں گھرا ہوں، میں نے ”رام نام“ لیا ہے اور میں بچ گیا ہوں۔“ مگر اس کے باوجود امر واقعہ یہ ہے کہ گاندھی جی رام راجیہ سے متأثر نہیں تھے۔ وہ اپنے خوابوں کے راجیہ میں ”رام“ لفظ ضرور جوڑنا چاہتے تھے کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ:

”کروڑوں دلوں کو ٹٹولنے اور ان میں اتحاد پیدا کرنے کے لئے ایک ساتھ رام نام کی دھن جیسا کوئی دوسرا خوبصورت اور مستحکم ذریعہ نہیں ہے“
(نوجیون)

گاندھی جی نے اپنے رام راجیہ کا جو خاکہ بنایا تھا اسے وہ عملی جامہ بھی پہنانا چاہتے تھے مگر ایسا ممکن نہیں ہوسکا۔ گاندھی جی کے رام راجیہ کو سمجھ کر اس کی وجہ معلوم کی جاسکتی ہے: ہندی رسالہ انوبرت अणुव्रत ۱۶ر مئی ۸۲ء میں رکشپال جین نے گاندھی جی کے اس راجیہ (ریاست) کے خاکہ کو سوالکات پر مرکوز کیا ہے جو اس طرح ہے:

(۱) رام راجیہ سوراجیہ کا آئیڈیل ہے۔ اس کے معنیٰ ہیں ”مذہب کی حکومت“ یا عدل و محبت کی حکومت، یا عدم تشدد پر مبنی سوراج یا عوام کا سوراج۔

(۲) ”عوام کا سوراج“ کے معنیٰ ہیں: ہر شخص کے سوراج سے پیدا شدہ جمہوری اقتدار کی حکومت۔ ایسا راج صرف اسی صورت میں وجود پذیر ہوتا ہے جب ہر شخص شہری ہونے کی بنا پر اپنے اوپر عائد شدہ ذمہ داریوں کو ادا کرے۔

(۳) (الف) اس سوراج میں کسی کو اپنے حقوق کا خیال تک نہیں آتا۔ حق واجب اور ضروری ہونے پر خود بخود دوڑا چلا آتا ہے۔ اس میں لوگوں کو اپنے حقوق سے واقف ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی مگر اپنا دھرم جاننا اور اس کی اتباع کرنا ضروری ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کوئی ذمہ داری ایسی نہیں ہے کہ جس کے نتیجہ میں کوئی حق نہ موجود ہو اور سچے حقوق تو صرف اپنے نجی دھرم میں سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔

(ب) جو شخص خدمت ہی کو اپنا معمول بناتا ہے اسی کو شہریت کا صحیح معنوں میں حق ملتا ہے اور وہی اسے ہضم بھی کرسکتا ہے۔

(ج) یوں تو جھوٹ نہ بولنے، مار پیٹ نہ کرنے کی روش پر قائم رہنے سے جو عزت ملتی ہے وہ اسے بہت سے حقوق دلوا دیتی ہے اور ایسا انسان اپنے حقوق کا استعمال بھی خدمت خلق ہی کے لئے کرتا ہے، ذاتی اغراض و مفادات کے لئے ہرگز نہیں۔

(۴) رام راجیہ میں ایک طرف غیر معمولی دولت اور دوسری طرف فلاکت خیز فاقہ کشی نہیں ہوسکتی اس میں کوئی بھوکا نہیں مرسکتا۔ اس حکومت کی بنیاد زور زبردستی پر نہیں ہوتی بلکہ وہ لوگوں کے باہمی محبت اور سمجھ بوجھ کے نتیجہ میں بلاخوف و تردد دیئے ہوئے تعاون پر قائم رہے گا۔

(۵) اس میں اکثریت یا بڑی ذات، اقلیت یا چھوٹی ذات کو دبا کر نہیں رکھتی بلکہ اقلیت سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی اکثریت کے افراد ہی کی طرح آزادی کا لطف اٹھائیں گے اور بڑی ذات چھوٹی ذاتوں کے مفادات کی نگرانی اور حفاظت کرنا اپنا فرض سمجھے گی۔

(۶) وہ کروڑوں افراد کا کروڑوں افراد کے آرام کے لئے چلنے والی حکومت ہوتی ہے اس کے آئین میں جسے ذمہ دار اعلیٰ کا مقام حاصل ہوگا۔ وہ خواہ راجہ کہلاتا ہو، صدر کہلاتا ہو یا کچھ اور کہلاتا ہو۔ وہ رعیت کا سچا خادم ہونے کے ناطے ہی اس منصب پر قائم ہوگا۔ رعایا کی محبت ہی کی بنیاد پر وہ اپنے منصب پر قائم رہے گا۔ اور اس کی فلاح و بہبود ہی کے لئے کام کرے گا۔ وہ عوام کی دولت پر گل چھرے نہیں اڑائے گا اور اپنے اختیارات کی طاقت کے زور سے عوام کو نہیں ستائے گا مگر راجہ یا اسی جیسا کہلاتے ہوئے بھی فقیر کے مانند ہوگا۔

(۷) ”رام راجیہ“ کا مطلب ہے ”کم سے کم راجیہ“۔ اس میں لوگ بڑی حد تک اپنے معاملات باہم مل جل کر طے کریں گے۔ اس میں تقریباً ایسا نہیں ہوگا کہ

لوگ سزا کے خوف سے قانون کی پیروی کریں اور یہ بھی نہیں ہوگا کہ لوگوں کو خوف زدہ و ہراساں کرنے کے لئے افسران کے ذریعہ قوانین وضع کئے جاتے رہیں۔ اس میں اصلاح کے لئے عوام اسمبلی یا افسران کی راہ دیکھتے نہ رہیں گے بلکہ ان طریقوں سے انتظامیہ کے افسران خود ہی یہ کوشش کریں گے کہ وہ عوام کے رجحان کے مطابق اصلاح کر دیں۔ قائم شدہ اسمبلیاں بھی اسی نہج پر کوشش کریں گی۔

(۸) اس میں کھیتی باڑی کا دھندا ترقی پر ہوگا۔ اور دوسرے روزگار اسی کے سہارے چلیں گے۔ اناج اور کپڑے کے معاملہ میں لوگ آزاد ہوں گے۔ اور گایوں، بیلوں کی پوزیشن اچھی ہونے کے سبب گایوں کی معیاری انداز میں حفاظت ہو سکے گی۔

(۹) اس راج میں تمام مذاہب، طبقات اور ذاتیں یکساں طور سے باہم مل جل کر رہیں گے اور مذہبی بنیاد پر دنگے فسادات یا گھٹیا قسم کی مسابقت یا ہوڑ یا دوسروں کے مفادات کو زک پہنچانے جیسی بات نہیں ہوگی۔

(۱۰) اس راج میں عورت کا درجہ مرد کے مساوی ہونا چاہیئے۔

(۱۱) اس میں کوئی انسان دولت کی بنیاد پر یا کاہلی کی وجہ سے بے روزگار نہ ہوگا، کوئی محنت کرنے کے باوجود بھوکوں مرنے والا نہ ہوگا۔ کسی کو روزگار نہ ملنے کی صورت میں مجبوراً کاہل سست بن کر نہیں رہنا ہوگا۔

(۱۲) اس میں اندرونی خلفشار نہ ہوگا اور نہ غیر ممالک کے ساتھ کوئی جنگ ہی ہوگی یا ان کے روزگار، دھندے یا پالیسی کو تباہ و برباد کر دینے والی سیاست ہی ہونی چاہیئے۔ وہ دیگر ممالک کے ساتھ دوستانہ جذبہ کے ساتھ رہے گا۔

(۱۳) اس لئے رام راجیہ میں دفاعی اخراجات کم سے کم ہونا چاہیئے۔

(۱۴) اس میں لوگ صرف لکھنے پڑھنے کی صلاحیت رکھنے والے ہی نہ ہوں گے بلکہ صحیح معنوں میں وہ تعلیم یافتہ ہوں گے، مطلب یہ کہ انھیں ایسی تعلیم ملنی چاہیئے جو انھیں نجات دینے والی اور نجات پر قائم رکھنے والی ہو۔

(۱۵) یہ محض ایک ہی ملک یا اس کے عوام کے لئے نہیں بلکہ ساری دنیا کے لئے آئیڈیل اسٹیٹ ہے۔ اگر کسی ایک جگہ بھی یہ مثال ریاست میں قائم ہو جائے۔ تو پھر ساری دنیا میں اس کا اثر عام ہونا چاہیئے۔

(۱۶) یہ صورتحال پیش آنے پر مختلف ریاستوں میں جھگڑے کی کوئی وجہ نہیں رہے گی، مطلب یہ کہ جنگ جیسی چیز ہی برقرار نہ رہ سکے گی۔ تمام اختلافات، مخالفتیں، آویزشیں، عدم تشدد کی راہ سے ہی ختم ہوا کریں گی۔

گاندھی جی اپنے اس مختصر خاکہ والے رام راجیہ کو موقع ملنے کے باوجود بھی قائم نہیں کرا سکے۔ یہ ضرور ہے کہ کانگریس (آئی) پارٹی نے اس وقت "رام راجیہ" کا نام لینا شروع کیا تھا جب وہ راجیو گاندھی کی قیادت میں تھی۔ اس کی وجہ بی جے پی کا "رام پریم" بتایا جاتا ہے جس کے توڑ کے لئے کانگریس نے رام راجیہ کا نام لیا تھا لیکن اس راجیہ کی تفصیلات نہیں بتائی گئی تھیں جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ اس کی تفصیلات فی زمانہ غیر عملی اور ایک حد تک ہندتو کے خلاف ہے۔ حالیہ دنوں میں بی جے پی نے رام راجیہ کی طرف عوام کو لے جانے کا تو نعرہ بلند کیا ہے مگر یہ راجیہ کیسا ہوگا اس کے اجزائے ترکیبی کیا ہوں گے، وغیرہ باتیں نہیں بتائی جا رہی ہیں۔ اس کی وجہ ظاہر ہے، اگر وہ منوسمرتی کے مطابق کام کرے گا تو رام راجیہ کی بات کیسی؟

ہندو راشٹر

ہندو راشٹر کو قائم کرنے کے لئے آر ایس ایس کے بانی ڈاکٹر کیشوراؤ ہیڈگوار نے سب سے پہلے منظم تحریک شروع کی تھی۔ آر ایس ایس کے قیام سے قبل اس سمت میں بعض کوششیں ضرور ہوئی تھیں۔ یہاں ذہن نشین کر لینا مناسب ہوگا کہ ہندو راجاؤں کی حکومت کو ہندو راشٹر نہیں کہا جا سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ مراٹھے ہندتو کے نام پر حکومت کرتے تھے۔ اسی بنا پر ہیڈگوار جی شیواجی کی حکومت سے بہت متأثر تھے۔ انھوں نے آر ایس ایس کی تقریبات میں سے چھٹی تقریب "ہندو سامراجیہ دِنوتسو" हिन्दू साम्राज्य दिनोत्सव (یعنی ہندو سلطنت کا یوم احیاء) کا اضافہ کیا تھا۔ یہ شیواجی کے یوم پیدائش پر منایا جاتا ہے۔

ہیڈگوار جی نے اسے اپنی تقریبات میں شامل کر کے اپنے قومی مقصد کو پوری طرح عیاں کر دیا۔ ۹ر جون ۱۹۴۰ء کو انھوں نے کہا تھا کہ "میں اپنی آنکھوں کے سامنے ہندو راشٹر کا چھوٹا روپ دیکھ رہا ہوں (سنگھ ورکشش کے بیچ۔ ڈاکٹر کیشوراؤ ہیڈگوار)"۔ لیکن وہ اس کی تفصیل میں نہیں گئے

ہندو راشٹر کی شکل و صورت کیا ہوگی۔

اور یہ حقیقت بھی ہے کہ آر ایس ایس کے قیام کے زمانہ ہی سے مقصد کے حصول کے لئے ان کے پیش نظر سخت فسطائی روش اختیار کرنے کی بات تھی۔ جے اے کرن کی کتاب " ملی ٹینٹ ہندوازم ان انڈین پولیٹکس (اے اسٹڈی آف دی آر ایس ایس) کے مطابق: " لیکن ... کی دباؤ کی وجہ سے آر ایس ایس کے دستور کی دفعہ ۳ میں یہ درج کیا ہے کہ سنگھ کے اغراض و مقاصد ہندو سماج کے مختلف طبقات کے درمیان اتحاد و یک جہتی پیدا کرنا اور اپنے دھرم اور سنسکرتی کی بنیاد پر ان کا احیاء کرنا اور انھیں نئی زندگی بخشنا ہے تاکہ ہندوستان کی ہمہ جہتی ترقی ہو سکے"

جے اے کرن خود کہتے ہیں کہ ہندو راشٹر کے لئے ایک انتہا پسند اور ... روادار روش کا اشارہ آر ایس ایس کے دستور میں نہیں ملتا۔ دستور کے ذریعہ اختیار کئے گئے رسمی مقاصد اور سنگھ کے حقیقی منصوبوں میں بنیادی فرق ہے۔ (حوالہ مذکور)

گول والکر جی کی کوششیں

آر۔ ایس۔ ایس فسطائیت کی راہ پر اس وقت تیزی سے گامزن ہوا جب اس کے دوسرے سرسنگھ سنچالک (سربراہ) مادھو سدا شیو گولوالکر (گرو جی) کی ۱۹۳۹ء میں " وی آر آور نیشن ہڈ ڈیفائنڈ "، نام کا ... صفحہ کا کتابچہ شائع ہوا۔ میں یہاں اس بحث میں نہیں پڑوں گا کہ یہ کتابچہ ... ڈی۔ ساورکر کے بھائی بابا راؤ جی ڈی۔ ساورکر کی مراٹھی کتاب " راشٹر میمانسا " کا ترجمہ ہے یا نہیں۔ گول والکر جی ۱۹۴۰ء میں سنگھ کے سربراہ بنے اور ۱۹۷۳ء تک اس منصب پر قائم رہے۔ انھوں نے نہ صرف ... سیوک یا بریگیڈ کی تشکیل میں اہم رول ادا کیا بلکہ اپنے مطلوب و مقصود ہندو راشٹر کے بنیادی ڈھانچہ کے قیام کے سلسلہ میں بعض اصول بھی متعین کئے، جن میں خاص بات یہ تھی کہ " ہندوؤں کی سرزمین پر ہندو ... غرض ہی ہونا چاہئے اور صرف وہی تحریکیں فی الحقیقت قومی تحریکیں ہیں جن کا مقصد ہندو راشٹر کو موجودہ جمود سے نکال کر دوبارہ طاقتور بنانا ہے۔ باقی تمام تحریکیں قوم کے مفاد کے لئے سخت مضرت رساں ہیں،

یہی وہ وجہ تھی جس نے آر ایس ایس کو تحریک آزادی کا بغیر اعلان کئے ہی بائیکاٹ کرنے پر آمادہ کیا اور تحریک آزادی کی کبھی کبھار مخالفت بھی کروائی۔ اس کی وجہ Walter K. Anderson اور "The Brotherhoo" in Saffron" Shridhar D Daml... نامی کتاب میں تفصیل سے بتایا ہے۔ اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ اس کے نتیجہ میں برطانیہ سے آر ایس ایس کو مراعات حاصل ہوئیں۔ نانا جی دیشمکھ تک یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ آر ایس ایس نے ایک تنظیم کی حیثیت سے تحریک آزادی میں حصہ کیوں نہیں لیا۔ دیکھئے: (Victim of Slander. 1979, P 29)

گاندھی جی کے قتل کے بعد آر۔ ایس۔ ایس پر پابندی لگادی گئی۔ یہ پابندی ۴ فروری ۱۹۴۸ء سے ۱۲ جولائی ۱۹۴۹ء تک لگی رہی۔ گول والکر جی کی کوششوں کے نتیجہ میں یہ پابندی اٹھی۔ اس کے باوجود انھوں نے ستمبر ۱۹۴۹ء میں دستور ہند کو ملک مخالف قرار دیا، کیونکہ وہ جس طرح کا فسطائی ہندو راشٹر چاہتے تھے اس کا قیام عوامی تائید کے فقدان کے باعث نہیں ہو سکتا تھا۔

گول والکر جی نے اپنے نصب العین کے حصول کے لئے ۱۹۶۴ء میں وشو ہندو پریشد کی تشکیل کرائی۔ اس کا مقصد بیرون ممالک مقیم ہندوؤں کو تحریک سے قریب کرنا بھی تھا۔ آر ایس ایس پرچارک شِو رام شنکر آپٹے اس کے پہلے سکریٹری جنرل بنائے گئے۔ گول والکر جی نے ہندو راشٹر کے قیام کے لئے عوامی تائید حاصل کرنے کے لئے مختلف نسخے آزمائے جن کی تفصیل میں جانے کا یہاں موقع نہیں۔

" راشٹر کی مکھیہ دھارا "

جدید ہندتوا اپنا سب سے بڑا دشمن اسلام اور مسلمانوں کو سمجھتا ہے۔ ظاہر ہے، جو دشمن ہو، وہ اپنا کیوں کر ہوگا! قومیت کی کسوٹی پر ایک بار ایک امریکی پروفیسر نے گول والکر جی سے پوچھا: مسلمان اور عیسائی اسی ملک کے ہیں پھر انھیں آپ اپنا کیوں نہیں تسلیم کرتے؟ اس کے جواب میں گول والکر جی نے پروفیسر مذکور سے ایک سوال کیا: فرض کیجئے، ہمارے ملک کا ایک شہری امریکہ جاتا ہے۔ اور وہیں وہ مستقل طور سے قیام پذیر ہو جاتا ہے۔ اسے امریکی شہریت تو چاہیئے مگر وہ ابراہم لنکن جارج واشنگٹن، جیفرسن وغیرہ کو قومی لیڈر تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے، ایسے شخص کو کیا آپ امریکی قوم کا جزو تسلیم کریں گے؟ پروفیسر نے فوراً جواب دیا: نہیں۔ اس کے جواب پر گول والکر جی کا کہنا تھا کہ ہمارے ملک میں بھی اگر یہی کسوٹی رکھی جائے تو کیا اس میں غلطی ہوگی؟ اس ملک کے بہادروں کو اور قومی تراثوں کو جو نہیں مانتے انھیں ہم اپنا کیوں کہیں؟ ذہنی اخلاص ہی کو پوری دنیا میں قومیت کی مسلم کسوٹی مانا گیا ہے۔

ملاحظہ ہو: راشٹر دھرم، لکھنؤ، مئی ۱۹۸۴ء ص ۳۲۔

گول والکر جی تو غیر ہندوؤں کو شہریت ہی نہیں دینا چاہتے تھے لیکن اب بعض لوگ انھیں قوم کی اصل دھارا میں ضرور لینا چاہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ دھارا کون سی ہے! اور اس کا نیچر کیا ہے! درحقیقت یہ ہندو راشٹر اور رام راجیہ کی طرح عوام کو گمراہ کرنے کے لئے وضع کیا ہوا ایک نعرہ ہے۔ میرے خیال میں یہ ہندتو کی ایک نام نہاد چال ہے۔ بالعموم چال وہی کارگر ہوتی ہے جو چھپ کر چلی جائے یہ " اصل دھارا"، اور کچھ نہیں، بس ہندتو کے دھارا ہے۔

یہ چال کبھی اعلانیہ ہوتی ہے تو کبھی پوشیدہ! اور یہ اس وقت نمایاں ہوتی ہے جب سنگھ پریوار کی طرف سے ایسے الفاظ کہے جاتے ہیں، مثلاً یہ کہ: " مسلمان خود کو محمدی ہندو کہیں "، " مسلمان یہاں رہنا چاہتے ہیں

تو انھیں از خود ہندو مذہب قبول کر لینا چاہئے۔ کبھی یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ "اس دیش میں آپ فخر کے ساتھ خود کو ہندو نہیں کہہ سکتے، آج بھی مسلمانوں کا راج ہے۔" کبھی اس طرح بیان آتا ہے کہ: ہم مندر وہیں بنائیں گے "ہم مندر ڈھائیں گے" اور کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ "مسجد ڈھایا جانا بدبختانہ تو ہے مگر شرمناک نہیں، یہ بدبختانہ ہے کیونکہ مسلمانوں نے اسے خود اپنے طور سے نہیں چھوڑا، اور اسے توڑنا ہی تھا مگر یہ ہندوؤں کے لئے فخر کی بات ہے۔"

اسی طرح کے اور جو جملے عام طور سے کہے جاتے ہیں، وہ اس طرح ہیں:

" مسلمان زیادہ بچے پیدا کرتے ہیں، ان کی جبری نسبندی کر دی جائے "

" مسلمانوں کو ووٹ بنک بنا دیا گیا ہے، ان سے حق رائے دہی چھین لینا چاہیئے "

" مسلمان ان ریاستوں میں محفوظ ہیں جہاں بی جے پی کی حکومت ہے۔"

" بی جے پی کو ووٹ دو، ورنہ فسادات کی مار سہو "

" بھارت سیکولر ملک ہے کیونکہ یہاں ہندو بستے ہیں۔" وغیرہ وغیرہ

ایسی ہی مختلف متضاد باتیں کہنا آر ایس ایس کی عادت بن گئی ہے، قوم کی اصل دھارا، کے ساتھ ہی " سانسکرتک راشٹر واد " (ثقافتی قوم پرستی) اور " راشٹریہ دھرم " (قومی مذہب) جیسے الفاظ بھی ہوا میں گردش کرتے رہتے ہیں۔ یہ تمام کے تمام جدید ہندتو کے الفاظ ہیں، جو میڈیا کے ذریعہ بھی پروان چڑھتے رہتے ہیں۔

ہندو راشٹر کے خد وخال

جیسا کہ اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ ہندتو، "ہندو راشٹر" کا نام تو لیتا ہے مگر جب اس کے شکل وصورت کی بات آتی ہے تو خاموشی اختیار کر لیتا ہے۔ حالیہ برسوں میں ہندو راشٹر کے قیام کے لئے جو مہم تیز کی گئی، اس کے نتیجہ میں ایسے راشٹر کی بات کی وکالت کرنے والوں کی زبان سے یقیناً کچھ نہ کچھ حقائق سامنے آئے ہیں جنھیں یکجا کر کے ہندو راشٹر کی پوری نہیں تو ادھوری شکل وصورت ضرور بنائی جا سکتی ہے۔ اس عنوان کے تحت بیانوں اور باتوں کی بنیاد پر ہم اس راشٹر کی شکل وصورت کسی حد تک متعین کرنے کی کوشش کریں گے۔

مجوزہ ہندو راشٹر کے خد وخال کے بارے میں ذمہ دارانہ طور پر کچھ نہیں کہا گیا ہے مگر خاص طور سے آر ایس ایس، اور بی جے پی سے وابستہ لیڈران اور سادھوؤں کے گاہے بگاہے دیئے گئے بیانات اور کہی گئی باتوں سے ہندو راشٹر کی ایک صورت سامنے آتی ہے۔ آر ایس ایس کے " وچارک " (مفکر) بتاتے ہیں کہ ہندو راشٹر کا تصور مغربی ملک کے علاقائی سرحدوں اور سیاسی حکومتوں کی تعریف سے بالکل جداگانہ ہے۔ آر، ایس، ایس کے سوریہ نارائن راؤ کہتے ہیں:

" ہندتو مذہب نہیں بلکہ ثقافتی تصور کا نام ہے۔"

بی جے پی کے گوونداچاریہ کے نزدیک ہندو راشٹر کی تعریف کچھ اس طرح ہے:

" ہندو راشٹر میں عبادت کے تمام مراسم اور طور طریقوں کا احترام کریں گے مگر تمام باشندے ہندو کہلائیں گے۔ خواہ وہ آریہ سماجی ہوں، سناتن دھرمی ہوں، مسلمان۔ ہندو، عیسائی۔ ہندو۔ ہمارے ملک میں پہلے سے ہی ان گنت دیوتا ہیں۔ ان میں اللہ اور یسوع کا نام جڑ جانے سے کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔"

بی جے پی لیڈر اور مفکر کے۔ آر۔ ملکانی کے مطابق: آئین ہند میں صرف معمولی تبدیلی ہوگی۔ اقلیتوں کے خلاف تعصب برتنے والی دفعات اور قوانین کو ہم ختم کریں گے، سب کے لئے یکساں سول کوڈ ہوگا۔ تاریخ کو از سر نو مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔ قومی پرچم شاید بھگوا رنگ کا ہو اور قومی ترانہ ویدوں سے لیا جائے۔ مگر یہ سب میرے ذاتی خیالات ہیں۔

بی۔ جے۔ پی کے سندر سنگھ بھنڈاری کے مطابق: غیر ملکی اقتدار والے نشانات مٹنے چاہئیں۔"

(یہ سارے بیانات "انڈیا ٹوڈے" (ہندی) ۱۵ فروری ۱۹۹۳ء سے لئے گئے ہیں)

سنگھ پریوار سے وابستہ حضرات گذشتہ کئی سالوں سے آئین ہند میں بنیادی تبدیلی لانے کا مطالبہ کر رہے ہیں کیونکہ یہ دستور انھیں " ہندو مخالف " لگتا ہے۔ حال کے دنوں میں اس پریوار سے جڑنے سادھو اور نیتا کبھی تو منو سمرتی کو دھرتی پر اتارنے کا ارادہ ظاہر کرتے ہیں تو کبھی اس سناتنی نظام کو دوبارہ زندہ کرنے کے عزم کا اظہار کرتے

ن میں شودروں کے سایہ تک سے احتراز کیا جاتا تھا۔ موجودہ بی جے پی
میں اس بات کا چرچا ہے کہ اگر ان کی پارٹی مرکز میں برسر اقتدار
دہ منو سمرتی کے مطابق کام کرے گی۔ شروع میں بی جے پی کی طرف سے
اس بات کا اعادہ کیا جاتا تھا کہ مذہب پر مبنی حکومت قائم کرنے کا
اوئی ارادہ نہیں ہے۔ منو سمرتی کے مطابق حکومت کرنے کا مطلب صاف
ہ قوں پسماندہ لوگوں اور ہریجنوں کو نہ صرف یہ کہ اقتدار سے بے دخل
ے گا بلکہ ان کا درجہ جانوروں کی صف میں آجائے گا۔ شودر، پشو
ں اور ناری (عورت) ایک جیسے جائیں گے۔

کیا سنگھ پریوار ہی تنہا ہندو راشٹر کے قیام کے لئے کوشاں ہے؟
اجواب "نہیں" ہے۔ آریہ سماج کے لوگ بھی اختلافات کے باوجود
ھ پریوار کے قومی نصب العین سے وابستہ ہیں۔ "بھارتیہ ہندو رکشا سمتی"
ا ابھرا ہوا نعرہ ہے: ہندوستان کو ہندو جمہوریہ قرار دینے کا عزم کیجئے
و بھاگو۔ دیش بچاؤ"
"اکھل بھارتیہ ہندو کلیان سمتی" بھی اس سے پیچھے نہیں ہے۔ اس
ب العین کے حصول کے لئے آریہ سماج کی میگزین ماہنامہ "جن گیان"
یڈیٹر پنڈت تاراکیش راں نے تو ہندو نوجوانوں سے کرشن جی کے نام پر
منظم کرنے کی اپیل کی تھی۔ اور درج ذیل دس باتوں کا عہد لینے
ہدایت کی تھی:

(۱) ہم بھارت میں ایک بھی مسلم یونیورسٹی نہیں بننے دیں گے۔
(۲) ترنگے جھنڈے کی توہین نہیں ہونے دیں گے۔
(۳) ایک ہندو۔ مسلمان یا عیسائی نہیں ہونے پائے گا۔
(۴) فرقہ پرست طاقتوں اور تقسیم کا رجحان رکھنے والے غدار عناصر کو
ختم کرنے کے لئے جان کی بازی لگا کر جدوجہد کریں گے۔
(۵) فساد کرنے والے لوگوں کو پوری طاقت سے کچل کر رکھ دیں گے۔
(۶) بھارت کو ہندو جمہوریہ قرار دلوائیں گے۔
(۷) "اوم دھوج" (وہ پرچم جس پر اوم لکھا ہو) ہر جگہ لہرائیں گے۔
(۸) بھارت ماں کی پیشانی نہیں خم ہونے دیں گے۔
(۹) ہندو کی فتح کے لئے جو بھی ممکن ہوگا، کریں گے۔
(۱۰) غیر ملکی حملہ آوروں کو فوج اور پولیس میں ریزرویشن کا مطالبہ
کرنے والوں کو غدار تصور کریں گے اور انھیں ختم کریں گے۔

یہ دس باتوں کا عہد جو کرسکیں، وہ ہمارے ساتھ آئیں۔ جو
سیکولرزم کے گیت گاتے ہوں، وہ چوڑیاں پہن لیں۔

ملاحظہ ہو: جن گیان۔ جولائی، اگست ۸۲ء ص ۳۲

ان تمام بیانات اور باتوں سے مجوزہ ہندو راشٹر کی جو شکل ابھر کر سامنے
آتی ہے وہ کچھ اس طرح سے ہے۔

(۱) تمام مذہبی فرقوں اور گروہوں کے نام کے آگے "ہندو" لفظ جڑا ہوگا۔
(۲) دستور نیا وضع کیا جائے گا جو اونچ نیچ پر مبنی ہوگا اور جس سے ذات
پات کے نظام کو مستحکم کیا جائے گا۔
(۳) شودر، پشو اور ناری مساوی قرار دیئے جائیں گے۔
(۴) مذہب کی بنیاد پر سارے کام انجام پائیں گے۔
(۵) قومی پرچم اور قومی ترانہ بدلے جائیں گے۔
(۶) اقلیتوں کو ملی ہوئی رعایتیں ختم ہوں گی جس کے نتیجہ میں وہ دوسرے
درجے کے شہری بن جائیں گے۔
(۷) کوئی نئی مسلم یونیورسٹی نہیں بن سکے گی۔ اقلیتوں کے تمام ادارے بند
کر دیئے جائیں گے۔
(۸) غیر ملکی اقتدار والے تمام نشانات ختم کئے جائیں گے یعنی مسجدیں شہید
کر دی جائیں گی۔
(۹) یکساں سول کوڈ نافذ کیا جائے گا۔
(۱۰) ہندتو کی حفاظت کے لئے تمام ممکنہ اقدامات کئے جائیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔

ہندو راشٹر کا مستقبل

ظاہر ہے۔ اس طرح کی شکل والا ہندو راشٹر اگر بن بھی گیا تو اسے پائیداری نصیب نہیں ہوگی۔ دوسرے، ہندتو کی اس "آدرش شاسن دیوستھا" (مثالی نظام حکومت) کو عملی جامہ بھی نہیں پہنایا جاسکتا۔ کیونکہ اس کا تصور ہی مبہم ہے۔ سابق وزیر اعظم شری چندر شیکھر کے لفظوں میں "ہندو راشٹر کا تصور ہی غلط فہمی میں مبتلا کرنے والا ہے۔ آپ ہندو دھرم کو منضبط نہیں کرسکتے۔ اس کا نہ تو سپریم چرچ ہے، نہ کوئی ایک ایسا صحیفہ ہے جو سب کے نزدیک مسلّم ہو اور نہ ہی اس کا کوئی ایک دھرم گرو ہی ہے کہ شخص کو اس مذہب سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔ بی جے پی ہندتو کو تنگ نظر بنا رہی ہے:"

درحقیقت ——— اس نظام فکر سے خود ہندو دانشور طبقہ بھی فکر مند رہا ہے اور اب بھی ہے۔ جسٹس مہادیو گووند رانا ڈے کے الفاظ آج بھی ہندتو کے اس فکر کو واضح کرتے ہیں۔ وہ سوال کرتے ہیں کہ کیا وہ (نام نہاد ہندتو وادی) چاہتے ہیں کہ وہ دور پھر سے آجائے جب مقدس ترین ذاتوں سے تعلق رکھنے والے لوگ گوشت کھاتے تھے اور شراب پیتے تھے؟ کیا وہ اس دور کو واپس لانا چاہتے ہیں جب پورے سال جانوروں کی قربانی جاری رہتی تھی اور کبھی کبھار دیوتاؤں کو خوش رکھنے کے لئے انسانوں کی بھی قربانی دے دی جاتی تھی۔ کیا وہ اس دور کو واپس لانے کے خواہشمند ہیں جب دس طرح کی بیویوں اور آٹھ قسم کی شادیوں کو سند جواز حاصل تھا جس میں عورت کو زور زبردستی سے پکڑ لے جانا بھی شامل تھا؟ کیا وہ شاکت دھرم پوجا کو پھر سے شروع کرنا چاہتے ہیں جس کے نام پر رنگ رلیاں کی جاتی تھیں؟

اس ہندو راشٹر کے قیام سے [illegible] ہم آہنگی کا ماحول یقیناً بگڑے گا۔ کانگریس آئی کے ایک لیڈر راجیش سنگھ کہتے ہیں: "ایسا راشٹر بھوٹنے کی کوشش [illegible] ملک ٹوٹ جائے گا۔" بی جے پی سے خوف [illegible] جاتی ہے۔ [illegible] وہ ایسی تو آشام تجارت کرنے کیلئے تیار ہے [illegible]

ایک بات یہ بھی سنائی پڑتی ہے کہ ہندوستان کا نظم حکومت تو ان

کے ہاتھ میں رہے ہی۔ پھر ہندو راشٹر کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟ جارج فرنانڈیز بھی اسی طرح کا سوال کرتے ہیں۔ کیا ہمارے ملک میں ہندو وزیر اعظم اور ہندو راشٹرپتی نہیں ہیں؟ کیا تمام اہمیت کے حامل اداروں پر ہندوؤں کا کنٹرول نہیں ہے؟"

مجوزہ ہندو راشٹر کے بھیانک چہرے سے اقلیتوں کے علاوہ دلت بھی فکرمند اور اندیشوں میں گرفتار ہیں۔ ایک مسلمان مورخ کا کہنا ہے:
"ایسا ہندو راشٹر مجھے منظور نہیں۔ یہ سیکولر نظام کو زبردست چوٹ پہنچانے والا ہوگا۔"

دلتوں کے لیڈروں نے بھی اس راشٹر کے تصور کو ٹھکرا دیا ہے۔ اس سلسلہ میں ان کے بہت سے بیانات اخباروں اور رسالوں میں آئے ہیں۔ ان میں سے جنتا دل کے ایم پی شنگ دیو پاسوان جی کی کچھ باتیں یہاں پیش کی جا رہی ہیں وہ کہتے ہیں:

"یہ (ہندتو وادی) لوگ ہندتو کی بات کرتے ہیں۔ ہندو راشٹر کا یہ خواب دیکھتے ہیں۔ ان کے ہندو راشٹر میں ملک کے دلت اور آدیواسی کا کیا مقام ہوگا — یہ بتائیں، سنگھ پریوار کا فلسفہ تو استحصال کی بنیاد پر قائم ہے۔ یہ لوگ استحصال کرنے والے برہمنی نظام کے مؤید ہیں۔ جس نے اس ملک کے تین چوتھائی لوگوں کو غلامی کی حالت میں ڈال رکھا ہے۔ یہ بات دلت طبقہ کو خاص طور سے یاد رکھنی چاہیئے . . . . . آج غریب کی لڑائی روٹی کی ہے، گھر کی ہے، ایسی صورت میں سنگھ پریوار اسے رام کے نام پر بہکا رہا ہے۔ رام کے نام پر ایک بھائی کو دوسرے بھائی سے لڑایا جا رہا ہے۔ ارے! یہ کون سا دھرم ہے؟"

پاسوان جی کہتے ہیں: ان کے کچھ سادھو منوسمرتی کی دہائی دے رہے ہیں۔ اسی سے ان کے خطرناک ارادوں کو سمجھا جا سکتا ہے۔ منو کی سوچ ایک استحصالی نظام کا فکر ہے۔ اسی فلسفہ کی بنیاد پر محنت کش لوگوں کو غلام بنایا گیا تھا۔ آج جب غریب بھی اپنے حق کے لئے کھڑا ہو گیا ہے تو سنگھ پریوار جیسی طاقتیں دھرم اور روایات کے نام پر اسے پھر استحصال کے جال میں پھنسانے کی کوشش میں ہیں . . . . . دلتوں کی اتنی بڑی آبادی کو زیادہ دنوں تک بیوقوف نہیں بنایا جا سکتا۔

(مندرجہ بالا تمام بیانات سنڈے میل ویکلی ۱۴ تا ۲۰ نومبر ۱۹۹۳ء اور "انڈیا ٹوڈے"، ہندی، ۱۵ فروری ۱۹۹۳ء صفحہ ۴۲، صفحہ ۴۶ سے لئے گئے ہیں۔)

دراصل 'ہندو راشٹر' کے پیچھے کوئی مثبت فکر نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہندتو کے نصب العین کے حصول کے لئے لایا گیا ایک پرکشش گمراہ کن لفظ ہے جیسے ایک مہم یا تحریک کی شکل دی جا رہی ہے۔ اس مقالہ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ 'ہندو راشٹر' کا کوئی ایسا مذہبی پس منظر نہیں ہے جس کی بنیاد پر جدید سماج میں کسی مہذب ملک کی تعمیر ہو سکے۔ اس مقالہ سے اس نتیجہ پر پہنچا جا سکتا ہے کہ ایسے 'ہندو راشٹر' کا مستقبل اس کی فطرت ہی کی طرح ناپائیدار، مبہم، غیر یقینی اور غیر عملی ہے۔ ●●

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
تم جنت میں نہیں جا سکتے جب تک کہ مومن نہ بن جاؤ اور تم مومن نہیں ہو سکتے جب تک تم آپس میں محبت نہ کرو۔ کیا میں تمھیں وہ کام نہ بتاؤں جب تم اسے کرو تو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو، وہ یہ ہے کہ تم آپس میں سلام پھیلاؤ۔

(مسلم عن ابی ہریرہ — کتاب الایمان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جو شخص میرے کسی امتی کو خوش کرنے کے ارادے سے اس کی حاجت پوری کرتا ہے وہ دراصل مجھے خوش کرتا ہے ——— اور جو مجھے خوش کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرتا ہے، اور جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتا ہے — اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔

(مشکوٰۃ عن انس کتاب الآداب باب الشفقۃ)

ہندتو کے شارحین کی کچھ نمائندہ تحریریں

ادارہ

حالیہ اسمبلی انتخابات کے بعد ہندتو کیمپ سے ایک نئی آواز اٹھی ہے: ہندتو کے بارے میں لوگوں کو غلط فہمیاں ہیں۔ اس کو ٹھیک طرح سے نہیں سمجھا گیا ہے۔ تقریباً ایک صدی تک ہندتو کی مہم چلانے والے لوگوں کا گزشتہ عشرہ کی جارحانہ پیش قدمی کے بعد یہ نئی صدا لگانا ایک عام آدمی کو کچھ عجیب سا محسوس ہوگا بلکہ اگر اس حقیقت پر نظر رکھی جائے کہ ہندتو کے بارے میں ابھی بھی کوئی ایک واضح اور دوٹوک بات نہیں کہی گئی ہے، بلکہ وقتی معاشی وسیاسی خودغرضیوں کے حسب حال کوئی تشریح پیش کی جاتی رہی ہے، تو پھر کسی اچنبھے میں پڑنے کی ضرورت بھی نہیں۔ ہاں ضروری یہ ہوگا کہ ہندتو کی اصل حقیقت کو سمجھنے کے لئے اس کے پیشواؤں کے تدریجی بیانات پر ایک نظر ڈالی جائے۔ اسی خیال کے پیش نظر یہاں پر ہندتو کے مختلف شارحین کی کچھ نمائندہ تحریروں کے اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں ــــــ پہلا اقتباس ویر ساورکر کا ہے جو ہندو مہاسبھا کے بانی اور راشٹریہ سوئم سیوک سنگھ کے بانی ڈاکٹر ہیڈگیوار کے آئیڈیل تھے۔ ڈاکٹر ہیڈگیوار نے جو ٹیم تیار کی تھی۔ ان میں گرو گولوالکر اور بالا صاحب دیورس راشٹریہ سوئم سیوک سنگھ کے سربراہ رہے ہیں اور بھاؤ راؤ دیورس، دتوپنت ٹھینگڑی، کے سی سدرشن اور دین دیال اپادھیائے اس تنظیم کے نظریاتی ترجمان۔ کیول رام ملکانی، پی پرمیشورن اور رجے دوبھاشی نے ہندتو کے نظریات اور اس کے پروگرام کی ترجمانی صحافت کی سطح پر کی ہے۔ مدن موہن مالویہ کو کانگریس کے "نرم ہندتو" کا بانی سمجھا جا سکتا ہے اور شیاما پرساد مکھرجی اس "ہندتو" کے سیاسی مصلحت پسندوں میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔

ویر ساورکر: ہندتو

مادر وطن کی حیثیت میں ہندوستان کے تئیں ان (مسلمین) کی محبت تو بس ان کے اپنے اس ارض مقدس کی محبت کی لونڈی ہے جو ہندوستان کے باہر واقع ہے۔ ان کے منہ ہمیشہ مکہ مدینہ کی طرف رہتے ہیں۔ لیکن ہندوؤں کے لیے ہندوستان ان کا آبائی وطن نیز ارض مقدس (Fatherland, Holvland) ہونے کی وجہ سے ہندوستان کے لیے وہ جو محبت رکھتے ہیں وہ ناقابل تقسیم او رخالص وکامل ہے اس لیے وہ ہندوستان کی آبادی کی زبردست اکثریت ہی نہیں ہیں بلکہ مجموعہ طور پر اس (ہندوستان) کے کاز کے چیمپئن کی حیثیت سے لائق اعتماد بھی ہیں۔

'سوراج کا حقیقی معنی اس چھوٹے سے خطۂ ارض کی آزادی بھر نہیں ہے جسے ہندوستان کہتے ہیں ہندوؤں کے لیے ہندوستان کی آزادی شایان حصول اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ اس سے ان کے ہندتو یعنی ان کے مذہبی، نسلی تہذیبی تشخص کی یقین دہانی ہوتی ہو، ہم ایک ایسے سوراج کے لیے جان دینے والے نہیں ہیں جو ہمارے 'سوتو' (स्वत्व خودی) یعنی ہندتو بنفسہ کی قیمت پر ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

پارسی نسل، مذہب، زبان اور تہذیب کے لحاظ سے ہم سے بہت مشابہ ہیں۔ وہ وقار کے ساتھ ہندوستان کے تئیں وفادار رہے ہیں اور انھوں نے اسے اپنا واحد مستقر بنا لیا ہے۔ انھوں نے ہندوستان کے کچھ بہترین دیش بھگت اور انقلابی پیدا کئے ہیں مثلاً دادا بھائی اور مادام کاما چنانچہ انھیں مشترک ہندوستانی ریاست میں شریک کرنا ہی ہوگا، مکمل اعتماد اور مساویانہ حقوق کے ساتھ۔

عیسائی اقلیت پابند قانون ہے۔ ہندوستان کے خلاف اس کے کوئی غیر علاقائی منصوبے نہیں ہیں۔ وہ لسانی اور تہذیبی اعتبار سے ہندوؤں کے خلاف نہیں ہے اور بر بنا انھیں ہمارے ساتھ سیاسی طور پر انگیز کیا جا سکتا ہے۔ وہ صرف مذہب میں ہم سے مختلف ہیں اور مبلغانہ گرجا گھر رکھتے ہیں۔ چنانچہ صرف اسی معاملہ میں ہندوؤں کو ان کی طرف سے ہوشیار رہنا ہوگا اور مشنریوں کے لیے ایسی کوئی اندھا دھند ڈھیل نہیں برتی جائے گی کہ وہ اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔

مختصر یہ کہ ہمیں مسلم اقلیت کی ان تمام سرگرمیوں پر باریک بینی سے نظر رکھنی ہوگی، زیادہ سے زیادہ ممکن شک وشبہ کے ساتھ ایک ہندوستانی شہری کے ساتھ برابری کے درجہ کی بنیاد پر ان کے ساتھ منصفانہ سلوک کرنے کے ساتھ' ہمیں بالکل صاف صاف اور سختی سے اس بات کے لیے انکار کر دینا چاہیے کہ ان کو کسی بھی طرح کا ـــ مذہبی، تہذیبی یا سیاسی ترجیح والا سلوک کسی بھی درجہ

ہیں حاصل ہوگا۔ [۱]

ڈاکٹر ہیڈگیوار: راشٹر (قوم)

راشٹر کا سچا خدمت گار وہی ہے جو اپنے آپ کو راشٹر میں فنا کر لیتا ہے۔ آج سماج میں بہت سے لوگ راشٹر کے لیے تیاگ اور بلیدان کرنے کا اعلان زور شور سے کرتے ہیں لیکن اس سے تو ان کی خود کو راشٹر سے جدا سمجھنے کی ذہنیت ہی اجاگر ہوتی ہے۔ جس طرح کوئی بھی شخص اپنے بیٹے کی بھلائی کے لیے کیے گئے کاموں کی داستان بیان نہیں کرتا، اسی طرح اپنے اس وسیع راشٹر پر پورا کے تئیں کی گئی خدمت کوئی قربانی نہیں بلکہ وہ ہمارے ذریعہ ادا کی جانے والی مقدس ذمہ داری ہے [۱]

[ڈاکٹر ہیڈگیوار کے من میں "سودھرم" (स्वधर्म) اور "سوراج" (स्वराज्य) کے لازمی تعلق کے بارے میں واضح تصور تھا — کیونکہ انھوں نے دھرم کو ہی ہندو راشٹر کا بنیادی رکن قرار دیا تھا [۱]

گرو جی گولوالکر: (۱) آریہ بالادستی

ہمارے آباؤ اجداد عظیم تھے اور ساری دنیا میں محترم تھے کیونکہ انھیں اپنے عظیم راشٹر یہ آئیڈیل اور راشٹر یہ عزت نفس کا شعور تھا وہ اپنی ذاتی عظمت کے شعور کے ساتھ دنیا سے پورے اعتماد کے ساتھ باطمینان مخاطب ہوتے تھے۔ یہ "آریہ" کی اصطلاح جسے انھوں نے اپنے لیے اختیار کیا تھا تہذیب اور کردار کی ترجمان تھی۔ انھوں نے فخر کے ساتھ اعلان کیا تھا: न त्ववार्यस्य दासभाव: (آریہ کبھی بھی غلام نہ ہوں گے)۔ ان کا اعلان تھا:

एतद्देश प्रसूतस्य सकाशदग्राजन्मन
स्व स्व चरित्र शिक्षेरन् पृथिव्या सर्वमानवा.

(تمام دنیا کے لوگوں کو چاہیئے کہ وہ اپنا سبق حیات اس سرزمین کے مولود اوّل First Born کے قدموں میں بیٹھ کر پڑھیں)

آج بھی اپنے راشٹر یہ جیون (قومی زندگی) اور آدرشوں کے تئیں ایسی ہی شدید محبت اور ایسا ہی افتخار وہ واحد طریقہ ہے جو ساری دنیا کے سامنے ہمارے ملک کی سچی اور روشن تصویر ابھار سکتا ہے [۳]

(۲) سنسکار

اکثر ہمارا ایسے لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے جو وقتی جوش و جذبہ کے تحت کام کرتے ہیں۔ بعض مواقع پر ہمیں عوام کے جذبات اور احساسات کا ابال بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ لیکن یہ وقتی ابھار عوام کے ذہنوں پر "سنسکار" کی مستقل نقاشی نہیں کر سکتا۔

شری رام کرشن پرم ہنس ان لوگوں کے بارے میں "جو گنگا اسنان" کرنے جاتے ہیں، مذاق میں کہا کرتے تھے: "ٹھیک ہے، جب یہ لوگ گنگا کنارے پہنچتے ہیں تو ان کے گناہ ان کے جسموں سے اڑ کر درختوں پر جا بیٹھتے ہیں۔ لیکن جیسے ہی وہ وہاں سے نہا کر واپس لوٹنے لگتے ہیں، تو یہ گناہ پھر ان پر واپس لوٹ آتے ہیں"

اس بات کا اخلاقی درس یہ ہے کہ انسانی کردار محض وقتی جذباتی ابال کی راہ سے نکھارا نہیں جا سکتا۔ لاکھوں میں کوئی ایک شخص ہوتا ہے جو احساسات کے وقتی طوفان کو اپنے کردار کا جزو بنانے کی ذہنی صلاحیت رکھتا ہو۔

"پھر "سنسکار" کو مستقل نقش بنانے کا طریقہ کیا ہے؟ ماہرین نفسیات ہمیں بتاتے ہیں کہ ایک شخص کے کردار کو اس کے آئیڈیل کے مطابق ڈھالنے کے لیے تین عوامل ضروری ہیں۔ اوّل، اس آئیڈیل کا مستقل مراقبہ جس کے "سنسکار" میں خود کو ڈھالنا ہو۔ دوئم، ایسے لوگوں کی مستقل مصاحبت جو اسی آئیڈیل کے لیے خود کو وقف کیے ہوئے ہوں اور آخری یہ کہ اس آئیڈیل کے مطابقت والی سرگرمیوں میں اپنے جسم کو مصروف کار رکھنا۔

شیاما پرساد مکھرجی: بھگوا تاریخ

(شیخ عبداللہ کے نام)

میں یہ بھی سمجھنے میں ناکام ہوں کہ آپ بھگوا جھنڈے کو نفرت کی نظر سے کیوں دیکھتے ہیں؟ بھگوا رنگ تو کسی فرقہ واریت کا ہم معنیٰ نہیں ہے وہ تو تقدس، قربانی اور خدمت کی علامت ہے۔ ہزاروں برسوں تک وہ بھارت کے جھنڈے کا رنگ رہا ہے۔ بھارت میں اس رنگ کے فی الفور قبول کیے جانے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ لیکن یہ تعجب کی بات ہے کہ آپ اس جھنڈے کو "جارح ہندو دھرم" کی علامت سمجھیں کیا فرقہ پرست نہ ہونے کا مطلب یہ ہونا چاہیئے کہ بھارت اپنی تاریخ اور روایات کو بھول جائے؟

*

راشٹر یہ سویم سیوک سنگھ اور پرجا پریشد کے خلاف آپ نے ایک خاص الزام یہ لگایا ہے کہ اکتوبر ۱۹۴۷ء کے تقدیر ساز دنوں میں انھوں نے جموں کے کچھ علاقوں میں مسلمانوں کو بزور باہر نکالنے یہاں تک کہ انھیں مار ڈالنے اور ان کی عزت خراب کرنے جیسے بڑے برے کام کیے — اگر کچھ خاص لوگوں نے یہ کام کیے ہیں اور ان کا پتہ چل گیا ہے تو مجھے نہیں معلوم کہ آپ کے حکومت سنبھالنے کے بعد انھیں عدالت کے سامنے کیوں نہیں پیش کیا گیا؟

ان علاقوں میں پاکستانی حملہ آوروں اور جموں کے مسلمانوں کی مشترکہ کارروائی کے نتیجہ میں ۱۵، ۲۰ ہزار ہندو و برہمن کے سا تھ مار ڈالے گئے تھے — کیا آپ سچے دل سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ حملہ آوروں میں، جو سب کے سب مسلمان تھے، ریاست کی سب سے بڑی آپ کی پارٹی نیشنل کانفرنس کا کوئی بھی ممبر نہیں تھا؟

اگر ہم پچھلی باتیں سوچتے رہے اور ہم نے اعتماد و خیر سگالی کا ماحول پیدا نہیں کیا تو ہم خود راشٹر کی قبر کھود دیں گے [۴]

دین دیال اپادھیائے (۱) راشٹر (قوم)

۱۹۴۷ء میں ہم آزاد ہوئے۔ انگریز بھارت چھوڑ کر چلے گئے۔ راشٹر کی کوششوں میں سب سے بڑی رکاوٹ ہم انھیں ہی مانتے تھے۔ وہ رکاوٹ دور ہوگئی۔ تب سب کے سامنے اچانک یہ سوال آیا کہ عظیم کاوشوں سے حاصل شدہ اس آزادی کا مقصد کیا ہے؟ ہم یہاں کس طرح کی زندگی قائم کرنا چاہتے ہیں؟ راشٹر کے ناطے بھارت کے جیون آدرش اور زندگی کا ماحصل کیا ہے؟ لیکن راشٹری جیون (قومی زندگی) کا خالص عرفان نہ ہونے کی وجہ سے ہم اس آزادی کا استعمال راشٹریہ آدرشوں کو اپنی زندگی میں اتارنے کے لیے نہیں کر سکے۔ غیروں کی پیروی کرنے کے چکر میں ہی ہم پڑ گئے اس حد تک کہ دستور کی تشکیل کے وقت بھی ہم نے اپنے فطری راشٹریہ آدرشوں کو اس میں منعکس نہیں ہونے دیا۔ غیر ممالک میں وضع کیے گئے اصولوں کا جوڑ توڑ کرنے میں ہم نے قناعت کرلی۔ اسی لیے ہم آج تک اس بنیادی سوال کا جواب نہیں دے پائے ہیں کہ آخر ہم یہاں کس طرح کی زندگی قائم کرنا چاہتے ہیں؟ اپنی خودی کا مکمل عرفان نہ ہونے کے وجہ سے ہم اپنے پیروں پر کھڑے نہیں ہوسکے ہیں۔ راشٹریہ افتخار کے لیے ہم نے جتنی بھی کوششیں کی ہیں، ان میں اس کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا ہے کہ راشٹریہ افتخار کا ہمارا تصور کیا ہے اور اس کا خاکہ کیا ہے۔ اس سوال کا جواب دینے کی کوششیں کتنے ہی لوگوں نے کی ہیں۔ پھر بھی یہی ایک بات ابھر کر سامنے آتی ہے۔

ان لوگوں کے ذریعہ دریافت کیے گئے جوابات اکثر و بیشتر بھارت سے باہر کے نظام حیات پر ہی مبنی ہوتے ہیں کوئی سوشلزم کی بنیاد پر یہاں کے سماج کی تعمیر کرنا چاہتا ہے تو کوئی کمیونزم کی بنیاد پر۔ کچھ دوسرے لوگ سوشلزم اور لبرلزم میں تال میل بٹھانے کی کوشش میں یہاں پر جمہوری سوشلزم لانے کی بات کرتے ہیں۔ غیر ممالک سے درآمد شدہ نظریات کی بنیاد پر ہی یہ ساری کوششیں ہو رہی ہیں۔ معاشی، سیاسی، سماجی وغیرہ میدانوں میں فکر و نظر کی بنیاد پر غیر ملکی نظام فکر ہی ہے۔ اس سے تو ایسا لگتا ہے جیسے کہ ہمارے قدیم ترین راشٹریہ جیون میں ان سب باتوں پر کبھی غور ہی نہیں کیا گیا ہو یا پھر ہمارا راشٹریہ جیون تھوڑے سے برسوں کی ہی پیداوار ہو۔ [۵]

راشٹر صرف ایک فطری کل پرزہ نہیں ہوا کرتا۔ دیش میں رہنے والے لوگوں کے اندرون میں اپنی زمین کے تئیں لامحدود عقیدت کا جذبہ ہونا راشٹریتا (قومیت) کی پہلی ضرورت ہے۔ اس جذبۂ عقیدت کی وجہ سے ہی ہم اپنے دیش کو ماتر بھومی مادر وطن کہتے ہیں۔ ماتر بھومی کے تئیں عقیدت کی بھی کوئی بنیاد ہوتی ہے۔ زمانہ دراز تک ایک دیش میں رہنے کی وجہ سے ساتھیوں کے تئیں اپنائیت کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ راشٹر کی ایک تاریخ بن جاتی ہے۔ کچھ باتیں راشٹریہ افتخار کی تو کچھ راشٹریہ غیرت کی بن جاتی ہیں۔ افتخارانہ باتوں کو یاد کرکے ہم فخر کا احساس کرتے ہیں اور شرمناک باتوں سے غیرت آتی ہے۔ محمد غوری اور محمود غزنوی کے ذریعہ بھارت پر کیے گئے حملوں کا خیال کرتے وقت فطری طور پر ہمارا دل مضطرب ہو جاتا ہے۔ پرتھوی راج اور دیگر دیش بھگتوں کے بارے میں ہمیں اپنائیت کا تجربہ ہوتا ہے۔ کسی کو اپنے دیش کے تئیں اپنائیت کا تجربہ نہ ہوتا ہو اور حملہ آوروں کے تئیں اس کے دل میں محبت امنڈتی ہو تو یہی ماننا پڑے گا کہ اس شخص میں راشٹریتا کا جذبہ نہیں ہے۔ ہم مہارانا پرتاپ چھترپتی شیواجی یا گرو گوبند سنگھ کو یاد کرتے ہیں تو ہمارا ماتھا (پیشانی) ان کے سامنے احترام و عقیدت سے جھک جاتا ہے۔ اس کے برخلاف اورنگ زیب، علاؤ الدین، کلائیو یا ڈلہوزی کے نام سامنے آتے ہی ہمارے دل میں وہی جذبہ جاگتا ہے جو غیر ملکی حملہ آوروں کے تئیں فطرتاً ہونا چاہیے۔ اس طرح ایک خاص زمین پر رہنے والے اور مادر وطن کے تئیں خالص عقیدت کا جذبہ دل میں بیدار رکھنے والوں جیسے لوگوں کا ایک راشٹر بنتا ہے جن کی زندگی کا زاویۂ نظر یکساں ہوتا ہے، جیون آدرش یکساں ہوتے ہیں، دوست دشمن یکساں ہوتے ہیں اور تاریخی مہاپرشوں کی روایات بھی یکساں ہوتی ہیں۔ [۶]

(۲) پنچائتی راج

قابل غور بات یہ ہے کہ ہمارے بھارت میں عہد قدیم کا پنچائتی نظام آج کی طرح من مانی سے چلایا جانے والا نظام حکومت نہیں تھا۔ آج پنچائت سمیتیوں کی تشکیل کابینہ کے لوگ کرتے ہیں۔ ان کے حقوق و فرائض کیا ہوں، یہ بات ممبران اسمبلی و پارلیمان طے کرتے ہیں۔ ان کی چھان بین کے لیے سرکاری افسران مقرر کیے جاتے ہیں۔ پنچوں کو ہٹانے اور مقرر کرنے کے لیے تگڑمیں کی جاتی ہیں۔ انتخابات میں تو ان کی شکل ہی بگاڑ دی جاتی ہے۔ گرام پنچایتوں کی ایسی شکل قدیم زمانہ میں کبھی نہیں تھی۔ انھیں سماج میں آزاد اور خود مختار گروہ کا مقام حاصل تھا۔ راجا انھیں کوئی حکم نہیں دے سکتا تھا۔ راجا کی ایک سمیتی ہوتی تھی اور گرام پنچایتوں کے نمائندے اس سمیتی میں ہوا کرتے تھے۔ اس طرح گرام پنچایتوں کی صلاح راجا کو ماننا پڑتی تھی۔

(۳) نظام تعلیم

تعلیمی مراکز کا سربراہ چانسلر ہوتا تھا۔ وہ سب کے لیے کھانے، رہنے اور تعلیم کا بندوبست کرتا تھا۔ راجا کا کام صرف یہی ہوتا تھا کہ

ان تربیتی اداروں کے لیے ضروری مالی امداد دیتے۔ دیگر عوام بھی تعلیمی اداروں کو رقم اور وسائل فراہم کرتے تھے۔ طلبا ر گاؤں جاکر بھکشا لے آتے تھے سبھی گھر گر ہستی والے انھیں بھکشا دیتے تھے۔ ان طلبار کو خالی ہاتھ نہ لوٹنا پڑے، اس کی فکر سبھی لوگ کرتے تھے اس طرح سماج اور سرکار سے وسائل مہیا کرکے جانسد علم بخشنے کا کاروبار چلاتے تھے۔ خود راجا حصول علم کے لیے جاتے تب بھی اس نظم میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔ ہر میدان کار کے لیے اس میدان کے مطابق آزادانہ نظم ہوتا تھا۔ راجا اس میں کوئی مداخلت نہیں کرتا تھا۔ ایسا کرنا راج دھرم کے دائرہ میں آتا ہی نہیں تھا [۵]

دتوپنت ٹھینگڑی : راج دھرم

گرمی اور روشنی آگ کا دھرم ہے۔ یہ دھرم کسی دستوری مجلس یا پارلیمان کی اکثریت یا اقلیت پر منحصر نہیں ہوتا۔ پارلیمان کی بالادستی بھی آگ کے اس دھرم کا قانون بدل نہیں سکتی آپ مانیں یا نہ مانیں، وہ دھرم ہوتا ہی ہے۔ اس دھرم کا ہم فائدہ اٹھانا چاہیں تو اس کا علم ہمیں حاصل کرنا پڑے گا اور مناسب کاموں کے لیے اس کو استعمال میں لانا ہوگا۔ آگ کے دھرم کو پہچان کر ہم نے اس کا استعمال کھانا بنانے کے لیے کرنا سیکھا ہے۔ یہ ایک تخلیقی استعمال ہے لیکن طبیعت اس کے برعکس ہو تو اپنا ہی گھر جلا کر راکھ کرنے کے لیے بھی اس کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لہذا دھرم کا احاطہ ہو جانے کے بعد، اس کا استعمال کیسے کیا جائے، اس کا انتخاب اپنے ہاتھوں میں ہوتا ہے جب ہم کہتے ہیں . धर्मो रक्षति रक्षित

تو اس کا مطلب اتنا ہی ہوتا ہے کہ دھرم کے مطابق چلیں تو ہماری زندگی خوشحال ہوتی ہے اور دھرم کو مسترد کر دیں تو ہم اپنا ہی نقصان کر لیتے ہیں۔ [۷]

اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ دھرم کا مقصد دنیوی خوشحالی کا حصول ہے۔ یہ کوئی روحانی چیز نہیں ہے۔

بالا صاحب دیورس : اقتباس

عزیز دوست شری مرلی منوہر جوشی

۱۱ر دسمبر ۱۹۹۱ء سے ۲۶ر جنوری ۱۹۹۲ء تک دیش کے جنوب میں کنیا کماری سے چل کر شمال میں واقع سری نگر تک " ایکتا یاترا" کرنے کا آپ کا عزم بہت ہی بر وقت اور قابل تحسین ہے۔

اپنے دیش میں عہد عتیق سے ایسا راشٹریہ جیون چلتا آیا ہے جو عالم انسانیت کے لیے فلاح کا باعث اور انتہائی برتر تہذیب کا حامل رہا ہے۔ اس کو دنیا بھر کے لوگ " ہندو ___ اس نام سے پہچانتے ہیں۔ یہاں پر عہد عتیق سے ہندو راشٹر براجمان ہے۔ آج تک متعدد انتہائی بحرانی حالات اور مصائب و مشاکل سے ٹکرا کر ہم نے اپنے راشٹرا کی "ایکاتمتا" کی حفاظت اپنی اس انتہائی برتر تہذیب کی مدد سے ہی کی ہے۔ لہذا آپ کی اس " ایکتا یاترا" سے اپنے اس دیش کے اس راشٹریہ ہن ___ ہندتو کے تصور کی اشاعت ہو کر ہی عام آدمی کے دل میں دیش کی ایکاتمتا اور اکھنڈتا کے تحفظ کا احساس بیدار ہوگا۔ [۸]

بھاؤ راؤ دیورس : ابتدائی ہندتو

۱۸۵۷ء کی پہلی ناکام جنگ آزادی کے بعد ۱۹ ویں صدی کے دوسرے حصہ میں برطانوی استعمار نے ہندوستان پر اپنی پکڑ مضبوط کر لی اور آنیوالے وقتوں کے لیے راشٹر کو غلام بنائے رکھنے کی ترکیبیں کرنے لگے۔ اس تاریک گھڑی میں ہمارے مادر وطن نے بڑی تعداد میں عظیم لیڈروں کو جنم دیا۔ ایسے جواہر پاروں کی کہکشاں میں جنھوں نے میری زندگی کو غیر معمولی طور پر متاثر کیا، ان میں سے دو سب سے جداگانہ ہیں: ڈاکٹر کیشو رلی رام ہیڈگیوار جو راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے بانی تھے اور سوا تنتریہ ویر ونایک دامودر ساورکر۔

ویر ساورکر نے ___ اپنی مادر وطن کی آزادی کے لیے لڑنے والے سپاہی کی حیثیت سے اس ملک کے دائمی راشٹریہ قوت ___ ہندتو کے تصور کو توانائی بخشنے میں غیر معمولی کردار ادا کیا ہے ___ ان کے قریب جو شخص بھی آیا، اس نے یہ تجربہ کیا اور خود کو صحت مند محسوس کرنے لگا۔ وہ لوگ بھی جو ان سے اتفاق نہیں کرتے تھے، ان کے زور خطابت میں بہہ جاتے تھے ___ ۱۹۱۱-۲۱ء کی قید میں ___ جب ساورکر آزادی کی دیوی کے سامنے عبادت کرتے تھے، تو وہ پورا اعتماد رکھتے تھے کہ وہ اپنی زندگی میں ہی اپنے نصب العین کو حاصل کر لیں گے ___ مجھے ہندو مہاسبھا کے ناگپور اجلاس میں انھیں دیکھنے کا پہلا موقع ملا تھا ___

___ ۱۹۲۰ء میں لوک مانیہ تلک کی موت کے بعد انڈین نیشنل سیاسی تحریک گاندھی جی کے ہاتھوں میں آگئی تھی۔ عدم تشدد گاندھی جی کے پورے ایمان نیز مسلمانوں کی منھ بھرائی کی پالیسی کے نتیجہ میں "جناح ازم" کی پیدائش کی وجہ سے بہت سے ہندو لیڈر مضطرب ہو گئے تھے۔ برسوں کے گہرے تفکر کے بعد ساورکر اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ ہمارے ملک کی اصل طاقت ہندو راشٹریتا میں ہے ___ وہ گاندھی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے کیونکہ راشٹرا کی تقدیر کے تعلق سے وہ اپنے اس یقین میں راسخ تھے۔ انھوں نے ہندو مہاسبھا کے پلیٹ فارم سے " ہندو نیشنلزم" کا مقدس نعرہ بلند کیا۔

گاندھی جی کی تشریف آوری کے بعد ہندوستان کے سیاسی منظر نامہ پر مسلم فرقہ پرستی نے خطرناک حد تک اپنا سر اٹھانا شروع کر دیا تھا لیکن اس تصور کو کہ ہندو سماج کو متحد کیا جائے اور یہ کہ ہندتو کی بنیاد ہی قومی تانے بانے کو مضبوط کر سکتی ہے، مسلمانوں کی سرگرمیوں

سے تقویت ملتی تھی۔ مدن موہن مالویہ جب کانگریس میں تھے، اسی وقت انھوں نے "ہندو مہاسبھا" قائم کرلی تھی۔ ۱۹۲۵ء میں ڈاکٹر کیشو بلی رام ہیڈگیوار نے راشٹریہ سویم سیوک سنگھ قائم کرلیا اور ان کاوشوں کو ایک نیا رخ اور ایک نیا حوصلہ بخشا۔

ویر ساورکر اور ڈاکٹر ہیڈگیوار ہم عصر تھے۔ دونوں نے اپنے آپ کو اس شریفانہ کاز کے ساتھ وابستہ کرلیا تھا کہ ہندو شعور ــــ مختصراً یہ کہ ہندتو ــــ کو از سر نو پیدا کریں۔ [۹]

کیول رام ملکانی: ہندتو کا مطلب کیا؟

بعض خیر اندیش ناقدین "ہندتو کی ایسی تجددانہ تعریف۔ جو ایک سچی راشٹریہ وچار دھارا (قومی نکتۂ نظر) کی حیثیت سے تمام فرقوں کے لیے قابل قبول ہو" اس کی خواہش کرتے ہیں۔ یہ ایک مناسب توقع ہے۔ کیونکہ اکثر لوگ پہلی مرتبہ "ہندتو" کا منتر سن رہے ہیں۔ اگرچہ اس سے قبل انھوں نے ۱۹۰۵ء میں پہلی مرتبہ سودیشی اور سوراج بھی سنا تھا۔ یہ لوگ سوال کرتے ہیں: ہندتو کا ٹھیک ٹھیک معنیٰ کیا ہوگا؟

سادہ الفاظ میں ہندتو ہے ہندوپن۔ ہندو ہونے کا کردار تقسیم ہند کے پس منظر میں اس میں شک نہیں کہ "ہندتو" کے تصور میں کچھ مسلم دشمنی (بیزاری) در آئی ہے، اگرچہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ بنیادی طور پر "ہندتو"، تو ہندوستان کا ایجنڈا ہے صدیوں کی خرافات کے بعد اپنے آپ میں پھر آنے کا جس کہ ہندوستانی معیشت بھی اپنے رنگ پر آجائے گی اور وہ بہ یک جست ــــ لیکن صرف اس صورت میں جب کہ راشٹر اپنے پیروں پر ہو، اپنی روح کو پھر سے دریافت کرلے، اپنے ماضی پر فخر کرے اور اپنے مستقبل پر یقین رکھے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ یہ کہ ہندوستان کو اس طرح کا ایک ثقافتی ایجنڈا رکھنا ہی ہوگا کیونکہ راشٹر صرف منجمد قومی پیداوار کے سہارے ہی زندہ نہیں رہتے، انھیں اپنے اندرونی وجود کی روح کے سہارے جینا ہوتا ہے۔ یہ روح ہندوستان میں "ہندو" ہے اور "ہندو" ایک تہذیب ہے۔ قومی روایات کا ایک مکمل مجموعہ، نہ کہ نظام عقائد یا کوئی مناظرہ۔

جو لوگ سیکولرزم کے نام پر سیاست سے مذہب کو جدا کرنا چاہتے ہیں، انھیں خود نہیں معلوم کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ اگر کوئی شخص رام یا رحیم کے نام پر ووٹ حاصل کرنا چاہتا ہے، تو ظاہر ہے کہ وہ مذہب اور سیاست دونوں کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص رام راجیہ یا زمین پر خدا کی بادشاہت (Kingdom of God on Earth) یا نظام مصطفٰی کی بات کرتا ہے، تو وہ صرف ایک آئیڈیل کو نصب العین قرار دے رہا ہے۔ ہمیں شاعری کو سیاست کی مطلق نہ بنانا چاہیے۔

شری اروبندو گھوش نے کہا تھا: "سناتن دھرم ہی قومیت ہے۔ دیش اور دھرم کے بیچ ایسا مستقل رشتہ ہونے کی وجہ سے یہ ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتے ہیں اور آپ ان دونوں کو جدا نہیں کرسکتے۔ خدانا کردہ، اگر دیش اور دھرم میں طلاق ہوجائے تو یہ دونوں ہی سکڑ کر بکھر جائیں گے۔ بہرحال، اس صورت حال سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے: اسلام ایک ایسی صورت حال سے کس طرح مناسبت رکھ سکے گا جب کہ قومیت کی بنیاد ہندو ہو؟ اس مسئلہ کا حل مذہبی عقیدہ اور قومی کلچر کے جداگانہ رول کی تفہیم میں پنہاں ہے۔ ہندوستان نے مجرد مذہبی آزادی ہمیشہ تسلیم کی ہے۔ ایک مذہب کی حیثیت سے اسلام کلمہ، حج، روزہ و نماز، عید اور زکوٰۃ وغیرہ کا حکم دیتا ہے۔ مسلمانوں کو اس کی ادائیگی کی پوری آزادی ہمیشہ حاصل رہی ہے۔ تاہم صدیوں کے دوران بہت سی فارسی ترکی عرب رسومات بھی بیرونی حکمرانوں کے دباؤ میں آکر اسلام کا جزو سمجھی جانے لگی ہیں یہی رسومات و اعمال ہیں جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان تفریق کی دیوار کھڑی کرتی ہیں۔

ــــ سوال یہ ہے، کیا ایک ہندوستانی کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسلمان ہونے کے بعد کسی عرب یا کسی ایرانی کی نقل کرنا شروع کردے؟ کیا یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے گرد ایک "دیوار برلن" تعمیر کرے؟ یہ مصنوعی دیوار ہٹانے کی ضرورت ہے۔

مثال کے طور پر مغل عید اور پارسیوں کا نیا سال نوروز ہی نہیں مناتے تھے بلکہ وہ ہولی اور دیوالی، بسنت اور دسہرہ بھی مناتے تھے۔ ہندوستانی مسلمانوں کو یہ تیوہار کیوں نہیں منانے چاہئیں؟ اور کیا ضروری ہے کہ وہ غزنوی اور غوری جیسے حملہ آوروں کو ہیرو سمجھیں لیکن کبیر اور دارا جیسے جو ہیروں کو ہیرو نہ سمجھیں؟ ان کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ رام اور کرشن کی بھگوان کی حیثیت سے پوجا کریں لیکن وہ ایک ہیرو کی طرح ستائش کیوں نہیں کرسکتے؟

ایران پر حملہ کرکے عرب غالب آگئے تھے۔ وہ مسلم ہوگیا۔ لیکن ۱۳ سو برس قبل جنگ قادسیہ میں عربوں کے ہاتھوں اپنی ہار کو اس نے معاف نہیں کیا ہے۔ یہ ناقابل تردید ہے کہ وہ شیعہ (لغوی معنیٰ مخالف، نوٹ، غالباً ملکانی کی مراد ہے رافضی۔ مترجم) ہوگئے تاکہ عربوں سے الگ اپنا تشخص بنائے رکھیں کہ اکثر عرب سنّی تھے۔ بہرحال ہندوستانی مسلم کو ہندو مخالف لائن پر ڈالا گیا تھا کیونکہ یہ بات ان مسلم سلاطین کے موافق تھی جو ہندو عوام کی مرضی کے بنا بلکہ ان کی مرضی کے برخلاف ان پر حکومت کر رہے تھے۔ نتیجتہً ہندوستان میں اسلام کی نشو و نما ہندوازم دشمنی میں ہوئی۔ میں یہاں صرف ایک مثال پیش کرنا چاہوں گا: پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ گائے کا دودھ تو شہد ہے لیکن اس کا گوشت زہر ہے (ایسی کوئی حدیث نہیں ہے۔ مترجم) لیکن ہندوستان میں تبدیلیٔ مذہب کا رشتہ گائے خوری سے مربوط کیا گیا ہے تاکہ پرانے ہندو سماج سے نو مسلموں کا رشتہ منقطع ہوجائے اسلام پر عمل کرنے کے لیے ہندوستانی مسلم کا سواگت ہے لیکن اسے اپنی

ہندو دشمنی ترک کرنی ہوگی۔

یہاں یہ سوال کیا جائے گا: "ہندوستان نے بہت سے مغربی اثرات کو قبول کیا ہے۔ پھر وہ فارسی، ترکی، عرب اثرات جو ہندوستانی مسلم کلچر میں در آئے ہیں، انھیں کیوں قبول نہیں کر لیتا؟ اس سے یہ الرجک کیوں ہو؟

یہاں امرِ واقعہ یہ ہے کہ صدیوں کے دوران بہت سے مغربی ایشیائی اثرات قبول کیے اور اپنائے جا چکے ہیں۔ یہ باغیچہ / بازار / صراحی / درزی / گلاب / نان / غزل اور بے شمار دوسری چیزوں کو مناسب پاکر قبول کر لیا گیا اور وہ ہندو یا ہندوستانی کلچر کا مستحکم جزو بن گئے۔ اسے اس طرح دیکھا جائے گا کہ آج کا ہندو کلچر وہ نہیں ہے جو ہزاروں برس پہلے تھا۔ دوسری تمام تہذیبوں کی طرح یہ بھی باقاعدہ مخلوط کلچر ہے لیکن کوئی بھی شخص سیکولرزم کے نام پر وہ چیزیں اس پر مسلط نہیں کر سکتا جو قرنوں سے اس کے لیے مناسب نہیں رہیں۔ چنانچہ ہندوستانی مسلم کو چاہیے کہ وہ آرام کرے، اسلام پر عمل کرے اور بقیہ زندگی میں ہندوستانی یا ہندو کلچر کو اپنا سمجھ کر قبول کرے اور عیش کرے۔

سچ کہنے کی بات تو یہ ہے کہ تمام ہندوستانی ہندو ہیں۔ تہذیب اور راشٹر کے اعتبار سے (فرانس تمام ہندوستانیوں کو "ہندو" دیکھتا ہے اور مکہ میں ہندوستانی حجاج "ہندی" کہے جاتے ہیں)۔ آج ان لوگوں کو جن کی پرورش درآمد شدہ سیکولرزم کے ناپختہ تصورات کی بنیاد پر ہوئی ہے "ہندتو" علیحدگی پسند سمجھ میں آتا ہوگا لیکن تاریخی تناظر میں دیکھیں تو صرف ہندتو ہی ہندوؤں اور مسلمانوں کو متحد اور یک جہت کر سکتا ہے۔ علی گڑھ تعلیمی تحریک کے بانی سر سید احمد کا استقبال کرتے ہوئے پنجاب کے سربرآوردہ ہندوؤں نے ایک بار ایک قصبہ میں ان کو "ایک عظیم مسلم لیڈر" کہا تو سر سید نے تعجب کے ساتھ سوال کیا تھا "کیا میں ہندو بھی نہیں ہوں؟" سر سید صحیح تھے تمام ہندوستانی ہندو ہیں ــــ خواہ مذہبی اعتبار سے ہم شیو کا اتباع کریں یا وشنو / بدھ / مہاویر / نانک / جیسس یا محمد (ص) کا (؟)

کے سی سدرشن: ہندو صدی

بلاشبہ ۱۸ ویں اور ۱۹ ویں صدیاں یوروپی ملکوں کی صدیاں تھیں کہ فکر و عمل کے میدان میں وہ عروج کی انتہا تک پہنچے تھے۔ کبھی ۱۵ ویں صدی میں انھوں نے اپنے آپ کو اس چرچ کی کورانہ خیالی کی جکڑ سے آزاد کرنا شروع کیا تھا جو پچھلی صدیوں سے ان کے دماغ اور ان کی سرگرمیوں کو کنٹرول کرتی آرہی تھی۔ بائبل کے پیغام کو فیصلہ کن سچ مانا جاتا تھا اور عالم طبعی کے بارے میں سبھی طرح کا تجسس تقریباً ختم سا ہو گیا تھا۔ اگرچہ سائنس نے مذہب کو پردے کے پیچھے ڈال دیا تھا لیکن کائنات میں انسان کے اشرف ہونے کا نظریہ نہیں بدلا اور سامی مذاہب (یہودیت / عیسائیت / اسلام) کے مطابق انسان کا شعوری و مادی دنیا پر

قبضہ بنا سی تنازعہ کے قائم رہا۔ حالت یہ ہوئی کہ سائنس کی نئی دم سے انسانی برادری کی خوش حالی کے لیے جانوروں اور نباتات استعمال کیا جانے لگا۔

اس کشمکش کے انجام بد سے بچنے کے لیے جس کا نتیجہ انسا انسان کی بالادستی کی شکل میں ظاہر ہوا ــــ انقلاب فرانس کے ا کی آزادی، مساوات اور اخوت کو کنارے کر دیا گیا۔ یہ نام نہاد سماج کے قیام کی بنیاد بن گئے لیکن ان میں پنہاں تضادات ایسی صورت حال پیدا ہوئی جو ان سے کی جانیوالی توقعات کے یکسر تھی۔ آزادی نے عدم مساوات کو بڑھاوا دیا کیونکہ انسان اور ا کے بیچ عقل، صلاحیت اور طبعی قوت کے اعتبار سے فرق تھ جس کے بارے میں عام طور سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ اسے حا کے ذریعہ نافذ کیا جائے گا۔ اس کے تصور نے فرد کی آزادی کو ان دونوں تصورات کے بیچ تال میل بیٹھانے کی غرض سے تی تصور ــــ اخوت کو جوڑا گیا جس کا پہلے دو تصورات سے رشتہ نہ تھا کیونکہ اخوت کو قانوناً نافذ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس حال نے خود غرضی کو بڑھاوا دیا جسے ایڈم اسمتھ اور کینس کے اصولوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔

سوشلزم حالانکہ مزدور طبقہ پر ہونے والی انسانیت د وجہ سے شروع ہوا تھا لیکن عملاً وہ خود بھی ان کے تئیں ظال غیر انسانی ہو گیا کیونکہ انسان کی بہت زیادہ مادی تشریح کی گئ اقتدار کا ارتکاز ان کچھ ہاتھوں میں ہو گیا تھا جن کے اوپر نہ کو ٹوک تھی اور نہ انھیں متوازن رکھنے والی کوئی طاقت۔

سرمایہ داری اور سوشلزم دونوں ہی نظام "فاتح فطرت اور "انتہائی ارتکاز توانائی" پر منحصر تھے۔ نتیجتاً، طبقہ داریت باہمی نیز سیاسی اقتدار کا ارتکاز یا ہیرو پ فوج پرستی، بدعنوانی اور زندگی کو سہارا دینے والے نظا بکھراؤ وغیرہ پورے غیر انسانی انجام بد کے ساتھ ظاہر ہو۔ کمیونسٹ اور سرمایہ دار دونوں ہی طرح کے ممالک کے قدرتی وسائل کے تیز تر خاتمہ اور ماحول کے عدم توازن ک ہونے والی آفت عظیم کا رفتہ رفتہ احساس کرنے لگے ہیں جو ک بات کا اشارہ ہے کہ اگر عالم انسانیت کو بچانا ہے تو زندگ تئیں مکمل انسانی نکتۂ نظر کی بنیاد پر پوری دنیا کی پھر سے ت ہوگی ــــ اور اسی نقطہ پر آکر ہندو نکتۂ نظر برمحل نظر آ وہ اپنے ہمہ گیر عالمی نکتۂ نظر کے باعث انسان کو اس وجود لازم مانتا ہے اور اپنے لیے یہ فریضہ اختیار کرتا ہے کہ وہ زیادہ عقل مند ہونے کے ناطے، اس خوب صورت سیا موجود سبھی ذی حیات کا تحفظ کرے گا۔ ہندو فلاسفہ یوگا کے ذریعہ اپنی دوربین قوت کو بیدار کرکے فطرت کے پ

ہندتو۔ ہندوستانی خارجہ پالیسی میں دلچسپیاں

محمد رئیس

کیا ہندتو کی کوئی خارجہ پالیسی بھی ہے ؟ شروع شروع میں ہندتو لابی کی خارجی دلچسپیاں "اکھنڈ" بھارت اور زیادہ سے زیادہ اسرائیل تک محدود تھیں پھر جب اٹل بہاری باجپئی ہندوستان کے وزیر خارجہ بنے تو انھوں نے ایسا تاثر دیا کہ "ہندتو" کے نمائندے عملاً کانگریسی حکمرانوں سے زیادہ "وسیع القلب" ثابت ہوں گے۔ لیکن یہ ایک بھلاوا تھا۔ دراصل ہندتو کی خارجہ دلچسپیاں اگرچہ اندرون ملک فرقہ واریت کے بڑھاوا دینے کے لیے ہی ہیں تاہم وہ دو سطحوں پر مرکوز ہیں۔ ایک تو یقیناً سنجیدہ پیرایۂ اظہار پر مشتمل ہے جیسا کہ پارلیمانی بیانات اور تحریری لٹریچر میں نظر آتا ہے جو کہ نسبتاً کم فرقہ وارانہ اور زیادہ سے زیادہ وطن دوست شکل میں سامنے آیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہی وجہ ہو جو مختلف مرکزی سرکاریں ہندتو کے خارجہ مطالبات پر کان دھرتی رہی ہیں۔ دوسری سطح پر یہ دلچسپیاں خواہ کتنی ہی معصوم صورت بنا کر ہمارے سامنے آئیں، ان کی درپردہ شرارتیں، بالخصوص ہندوستانی اقلیتوں کے خلاف ان کا مخفی جذبۂ عناد چھپائے نہیں چھپتا۔ مثال کے طور پر وشو ہندو پریشد کی رائے پور نشست کی یہ "شکایت":

"۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کے بعد بنگلہ دیش کے اقلیتی ہندوؤں پر کئے جانے والے مظالم کے واقعات سے اب تک پوری دنیا واقف ہوچکی ہے لیکن دنیا کے کسی بھی ملک نے یہاں تک کہ ہندو اکثریت والے بھارت نے بھی بنگلہ دیش کی سرکار سے واضح طور پر یہ نہیں کہا ہے کہ ہندوؤں پر مظالم ڈھانے پر روک لگائی جائے۔ بنگلہ دیش میں اب تک سیکڑوں ہندو مندروں کو ڈھا دیا گیا ہے لیکن خالدہ ضیاء کی سرکار یہ ماننے کو تیار نہیں ہے۔ اس وقت ہندوؤں کو وہاں سے بھگانے کے لئے ان پر نہ صرف جسمانی مظالم ڈھائے جارہے ہیں بلکہ انھیں نفسیاتی طور پر بھی خوفزدہ کیا جارہا ہے۔

"بھارت دنیا میں ہندوؤں کا سب سے بڑا دیش ہے۔ دنیا بھر کے تمام ہندو بھارت کی طرف دیکھتے ہیں لیکن آج تک کسی بھی بھارتی وزیر اعظم نے بھارت سے باہر رہنے والے ہندوؤں کے لئے کچھ نہیں کیا۔"[1]

پالیسی

مزید ستم ظریفی یہ کہ اگر ہندوستانی مسلمانوں کے خلاف ہونے والے مظالم پر کوئی دوسرا ملک کچھ کہے تو سب سے پہلے یہی ہندتو لابی پکارنے لگتی ہے کہ ہندوستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی جارہی ہے، لیکن اب اس کا کیا کیجئے کہ ہندتو کی خارجہ پالیسی یہی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی ہر صورت میں مخالفت کی جائے اور دنیا بھر کے ہندوؤں حتیٰ کہ اسمگلروں اور کالی کمائی کرنیوالے ملکی اور غیر ملکی لوگوں کی حمایت کی جائے جیسا کہ اٹل بہاری باجپئی کی تجویز کردہ گولڈ بانڈ اسکیم کے بارے میں بعض لوگوں کا خیال ہے۔ ہندتو کی ان خارجہ دلچسپیوں کا خاکہ بلراج مدھوک نے خاصی تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے :

اسرائیل کو اہم مقام

" یہ ہماری خارجہ پالیسی کی وجہ سے ہے کہ ہم اقوام متحدہ میں سلامتی کونسل کے حالیہ انتخابات میں جگہ نہ بنا سکے ، اگرچہ علاقائی مفاہمت کے مطابق اس بار ہماری باری تھی۔ اور جو کچھ ہوا وہ بھی اسرائیل کی مدد سے ہی ممکن ہوا جسے ہم اپنا دشمن قرار دیتے ہیں۔ اگر اسرائیل نے ہمیں ووٹ نہ دیا ہوتا اور ہمارے حق میں کنویسنگ نہ کی ہوتی، تو ہم منتخب نہ ہوسکتے تھے۔ یہ کہنا انتہائی غلط ہوگا کہ ہماری خارجہ پالیسی کامیاب رہی ہے ۔ (ص۱۵)

" اگر متحدہ جمہوریہ عرب کے صدر ناصر یہ دعویٰ پیش کرسکتے ہیں کہ پاکستان کے ساتھ ہمارے تنازعہ میں وہ نیوٹرل رہیں گے، تو ہمیں بتا دینا چاہئے کہ مصر کے ساتھ اسرائیل کے تنازعہ میں ہم بھی نیوٹرل ہیں۔ (ص۱۶)

پاکستان سے دشمنی

"کسی بھی ملک کی خارجہ پالیسی کی رہنمائی تین چیزیں کرتی ہیں۔ اس کا جغرافیائی محل وقوع، اس کی ضروریات تحفظ و سلامتی اور اس کے قریبی پڑوسی، قریبی پڑوسیوں کا رویہ اور ان کے ساتھ تعلقات کی نوعیت ہی کسی ملک کی خارجہ پالیسی کے رہنما عناصر میں اہم ترین ہوتے ہیں۔ ہمارے قریبی پڑوسی پاکستان اور چین ہیں۔ (ص۲۱-۲۲)

" اگر ہم پاکستان کے ساتھ اس طرح کی کوئی رعایت برتتے ہیں یا اس پر رضامند ہوتے ہیں تو پاکستان چین کے ساتھ اپنے تعلقات کی بنا پر یہ محسوس کرے گا کہ اس نے چین کے ساتھ جو پینگیں بڑھائی ہیں، وہ اس کے لئے سودمند ثابت ہوئی ہیں اور اس طرح ان دونوں کے باہمی روابط کمزور نہیں ہوں گے بلکہ اور زیادہ مضبوط ہوجائیں گے۔ اس سے کوئی مقصد حاصل نہ ہوگا بلکہ الٹا ہی اثر ہوگا۔ پاکستان سے نمٹنے کا واحد

راستہ یہ ہے کہ اگر پاکستان کے خلاف کوئی اور محاذ کھولا جا سکتا ہے تو ہمیں اس کے لئے ایک دوسرا محاذ کھولنا چاہئے۔ یہ بات ہمیں پختونستان مسئلہ کی طرف لے جاتی ہے۔ پختونستان ایک دہکتا ہوا مسئلہ ہے۔ پختونوں اور اس کے عظیم لیڈر کے تئیں ہم پر اخلاقی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ پختونوں کو پاکستان سے کوئی سروکار نہیں۔ پختونوں کی قومی ریاست افغانستان ہے۔ (ص ۲۷)

تبت کی آزادی

"چین کے تئیں ہماری حقیقت پسندانہ پالیسی کیا ہونی چاہئے؟ پہلی بات ہمارے لئے یہ ہونی چاہئے کہ تبت آزاد ہو۔ اس سے بڑا جھوٹ اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ جو یہ کہا جائے کہ تبت چین کا حصہ ہے۔ تبت کبھی بھی چین کا حصہ نہیں تھا۔ تبت کی اپنی ڈھائی ہزار سال کی آزادی کی تاریخ ہے۔ تبتی صحیفوں کے مطابق تبت کا پہلا آزاد بادشاہ ایک فرزندِ ہندوستان تھا، کوشل کے پران جیت کا بیٹا جو کہ لارڈ بدھ کا ہم عصر تھا انھوں نے اپنا رسم الخط ہندوستان سے لیا، اپنا مذہب ہندوستان سے لیا، اور وہ اپنی تمام تجارت ہندوستان کے ساتھ کرتے تھے" (ص ۲۹)

"ہمارے دوسرے پڑوسی ہیں نیپال، سیلون اور برما۔ یہ چھوٹے ممالک ہیں لیکن ہمارے لئے بہت اہم ہیں ___ اگر یہ ممالک مثلاً نیپال، برما، کمبوڈیا وغیرہ چین کی جانب جھکے ہوئے نظر آتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ چین کو پسند کرتے ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان پر سے ان کا عقیدہ اٹھ گیا ہے ___ لہٰذا میری گزارش یہ ہے کہ ہمیں نیپال، برما، کمبوڈیا، تھائی لینڈ، سیلون اور جنوبی ایشیا کے دیگر ممالک کے ساتھ قریبی تعلقات کو فروغ دینا چاہئے۔ یہ ہمارے اپنے لوگ ہیں ہمارے اپنے بھائی بند ہیں۔ ثقافتی اعتبار سے وہ ہمارا ہی ایک جزو ہیں۔ البتہ ہمیں ان کے ساتھ "بڑے بھائی" کی پالیسی ترک کر کے انھیں برابری کا درجہ دینا چاہئے۔" (ص ۳۰-۳۱)

"اردن ہمارا دشمن ہے۔ میں اردن کو دوست بنانے سے منع کرتا ہوں۔ شام ہمارا دشمن ہے۔ میں شام کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کرتا ہوں۔ سعودی عرب ہمارا دشمن ہے۔ میں اسے اپنے دوست جیسا سمجھنے سے منع کرتا ہوں۔ ان سب نے پاکستان کی حمایت کی ___ عرب لیگ کو ہم نے جو ڈپلومیٹک حیثیت دی ہے، وہ ختم کر دینی چاہئے۔ اس تنظیم کے نمائندے ہندوستان میں شرارت کر رہے ہیں۔ وہ عرب طلبا کو بھڑکاتے ہیں کہ ہندوستانی قوانین کی خلاف ورزی کرو، اسے برداشت نہیں کیا جانا چاہئے۔ انھیں ٹھوکر مار کر باہر نکال دینا چاہئے۔"

"اب دو بڑی طاقتوں، روس اور امریکہ کے بارے میں، میں یہ کہنا چاہوں گا کہ ہمیں ان کے ساتھ دوستی قائم رکھنی چاہئے۔ ان کے ساتھ غلط سلوک نہ کرنا چاہئے لیکن اس کے ساتھ ہی ہمیں ان پر بہت زیادہ انحصار بھی نہیں کرنا چاہئے۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی یہ نہیں چاہتا کہ ہندوستان اپنے آپ میں ایک بڑی طاقت بن جائے۔ وہ جب بھی ہماری مدد کرتے ہیں، ہم سے اس کی قیمت وصول کر لیتے ہیں۔"

مفادات

"پھر ہمیں لاطینی امریکہ، افریقہ اور یورپ پر زیادہ توجہ دینی چاہئے۔ وہ روس اور امریکہ کے بندھن سے باہر نکل رہے ہیں۔ ہمارے اور ان کے درمیان بہت سے مفادات مشترک ہیں۔"

"اور ہمیں ماریشس، ترینی داد، سرینام اور گھانا جیسے ممالک پر زیادہ توجہ دینی چاہئے جہاں ہندی الاصل افراد بڑی تعداد میں آباد ہیں۔ یہ پُر امن ممالک ہیں اور اقوام متحدہ میں اور اس کے باہر ہمارے پکے دوست ہیں۔ ہمیں ان کی ضرورتوں اور ان کے مفادات پر زیادہ توجہ دینی چاہئے ___ ہماری خارجہ پالیسی کا دوسرا اہم مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ہم بیرونِ ملک رہنے والے ہندوستانیوں کے مفادات کی نگہداشت کریں۔ بیرون ملک جہاں کہیں بھی ہندوستانی آباد ہیں دھکے دے کر بھگائے جاتے رہے ہیں۔ آزادی سے اب تک ہم ان کے حقوق کا تحفظ کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ ہمیں ان کے لئے کچھ کرنا چاہئے عدن میں کیا ہو رہا ہے؟ کینیا میں کیا ہو رہا ہے؟ کیا یہ باتیں ہمارے لئے باعث شرم نہیں ہیں؟ (ص ۳۳-۳۵)

اسی مضمون میں بلراج مدھوک نے درج بالا مقاصد کے حصول کے لئے درکار دفتر خارجہ کی ضروریات کا خاکہ بھی پیش کر دیا ہے:

"ہمارا دفتر خارجہ لفظ بلفظ ایک غیر ملکی دفتر ہے۔ اس میں ایک امریکی لابی ہے، ایک روسی لابی ہے، ایک پاکستانی لابی ہے، اور ایک عرب لابی ہے۔ لیکن، مجھے حیرت ہوتی ہے آیا کہ اس میں کوئی ہندوستانی لابی بھی ہے! اس کو ایک ہندوستانی دفتر خارجہ بنائیے۔ میں اپنی ذمہ داری سے کوتاہی کروں گا اگر میں یہ نہ بتاؤں کہ اس دفتر خارجہ میں کس طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ مسٹر عظیم حسین جیسے جن کے بارے میں لوگوں کو سنگین غلط فہمیاں ہیں۔ ان کے پاکستان اور عرب ممالک کے ساتھ گہرے جذباتی رشتے قائم ہیں۔ اپنے دفتر خارجہ کو حقیقی معنی میں ہندوستانی دفتر خارجہ بنائیے اور اسے ہندوستانیوں کے مفادات کے تحفظ پر مامور کیجئے۔ ہمیں اپنے دفتر خارجہ میں ایسے افسران کو تعینات کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جو ہماری ضرورتوں اور ہمارے نظام حیات سے ہم آہنگ ہوں۔"

"میں خاص طور سے اس بات پر زور دینا چاہتا ہوں کہ ہمیں اپنے دفتر خارجہ میں ہندی کو زیادہ استعمال کرنا چاہئے۔ میں نے دیکھا ہے اور بہت سے سفرائنے ہمیں بتایا ہے کہ چونکہ تم لوگ انگریزی استعمال کرتے ہو۔ اس لئے تمہارے راز ہم سے چھپے نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ ہمارے شوفر اور بھنگی بھی انگریزی جانتے ہیں۔ لہٰذا وہ بات اڑا لیتے

ہذا ہمیں دیکھنا چاہئے کہ ہمارے دفتر خارجہ میں ہندی زیادہ سے زیادہ
میں آئے تاکہ ہمارے راز اور ہمارا قومی وقار برقرار رہ سکے"۔
پھر یہ کہ اپنے اہم سفارت خانوں میں ہمیں زیادہ تر عوامی آدمیوں
ات کرنا چاہئے، بالخصوص روس اور امریکہ میں۔ ڈاکٹر رادھا
نے ہمارے ملک کے لئے روس کے سفیر کی حیثیت سے اس سے
یادہ کچھ کیا ہے جو کچھ کہ ایک نوکری پیشہ ڈپلومیٹک کر سکتا
اپنے اہم ممالک مثلاً روس، امریکہ اور جاپان کے سفارتخانوں
مناسب ڈھنگ کے افراد کو تعینات کرنے کے سلسلے میں ہمیں
محتاط ہوجانا چاہئے۔ اپنے کلچرل اتاشی کے انتخاب پر ہمیں
توجہ رکھنی چاہئے۔ ہندوستانی کلچر بنیادی طور پر ایک ہندو
کلچر ہے اور ضروری ہے کہ ہمارے کلچرل اتاشی اس تہذیب میں
رح راسخ ہوں"۔ (ص ۳۵-۳۷)

۹ ویں عشرہ کے بعد سے عالمی سیاست میں بہت کچھ تبدیلیاں
وئی ہیں لیکن اس کے باوجود ہندتو کی خارجہ دلچسپیاں
بس نہیں ہوئی ہیں۔ اگر ان میں کچھ اضافہ ہوا ہے تو صرف
ڈالر۔ اسلامی بنیاد پرستی اور اسلامی بم، اسلامی بلاک اور ان
سے ہندوستانی ریاست نیز امن عالم کو لاحق خطرات" کا۔
سیاست سے آگاہ حضرات واقف ہوں گے کہ یہ تمام "مسائل"
ہودی صہیونیوں کے اگلے ہوئے نوالے ہیں جنھیں ہندوستان
میں کچھ لوگ اپنی اسرائیل دوستی کا بھرم رکھنے کی غرض سے چباتے رہتے
ہیں۔ ہاں ان مسائل کے تعلق سے ہندتووادی نے اگر کوئی نئی بات کی ہے
تو وہ یہ ہے کہ یہ ان کے پروپیگنڈے کا ایک مستقل جزو بن گئے ہیں اور
وہ پوری ڈپلومیسی کے ساتھ ان کا استعمال بھی کر رہے ہیں جیسا کہ
ذیل کی تحریروں سے واضح ہوگا۔"

پروپیگنڈا

"یہ دھیان رکھنا چاہئے کہ اس وقت پورے مغربی ایشیا سمیت شمالی افریقہ کے ممالک، پاکستان اور بنگلہ دیش میں اسلامی کٹروادمنظم طور پر اپنا سر اٹھا رہا ہے ---- سوویت یونین کے تباہ ہوجانے کے بعد اب سعودی عرب، ایران وغیرہ اسلامی ممالک کو اپنی سلامتی کا کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے۔ ادھر تنظیم آزادی فلسطین کے لیڈر یاسر عرفات اور اردن کے شاہ حسین کے ذریعے جنگ خلیج میں عراقی نکتۂ نظر کی حمایت کی وجہ سے سعودی عرب نے ان کو بڑے پیمانے پر دی جانے والی مالی امداد بند کر دی ہے۔ عراق کے ساتھ بھی اس نے یہی کیا ہے۔ لہٰذا اب سعودی عرب کا یہ خزانہ پاکستان کو ملنے لگا ہے"۔

" احمد علی (پاکستانی وزیر مالیات) نے اس سفر کے دوران ازبکستان، قزاخستان، کرغیزستان، ترکمانستان، تاجکستان اور آذربائیجان میں اپنے مالی اور تکنیکی مشیر بھیجنے کی تجویز رکھی ہے۔ ان بھی

ممالک میں پاکستان اپنے تجارتی قونصل خانے اور سفارت خانے کھول رہا ہے۔ تاجکستان سے تو وہ بڑے پیمانے پر یورینیم خرید رہا ہے۔ جو کہ ایٹم بم بنانے کے لئے انتہائی ضروری ہے ـــــ سوویت ایٹمی پروگرام میں لگے ہوئے دو ہزار بڑے سائنسدانوں اور کم سے کم دس لاکھ بیروزگار ہو جانے والے افراد کی خدمات حاصل کر لینے کے لئے پاکستان سمیت سبھی اسلامی دیش بیقرار ہیں۔ شام اور ترکی بھی اس میں پاکستان کی مدد کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مغربی ایشیا کی سابق سوویت جمہوریاؤں کو اپنا جانبدار بنا لینے میں پاکستان اس حد تک کامیاب ہو چکا ہے کہ اب وہاں پر بھارتی سنگیت اور فلمیں اپنی مقبولیت کھو چکی ہیں اور ان کی جگہ پاکستانی سنگیت اور فلموں نے لے لی ہے۔ کل ملا کر یہ کہ اپنی طاقت سے لیس اسلامی بلاک کا عالمی سیاست میں عروج ایک سنگین سیاسی حادثہ ہے جس کی نظریہ سازی کرنے کی کوشش پاکستان کر رہا ہے۔ لہٰذا یہ صورت حال بھارت کے لئے خطرہ کی گھنٹی ہے۔ [۵]

سعودی پیٹرو ڈالر پاکستان ہی نہیں پہنچے ہیں بلکہ بچے کھچے سعودی ڈالروں کو بھارت کی دوسری سرحد پر ٹھکانا مل گیا ہے: "ہندوستان کو حال ہی میں اس بات کے وافر ثبوت مل گئے ہیں کہ بنگلہ دیش شمال مشرق کے باغی قبائل کو اپنے علاقہ میں کمین گاہیں بنانے کی اجازت دے کر ان باغیوں کی پشت پناہی کر رہا ہے۔" [۶] اور بنگلہ دیش کو اس "سرکشی کی جرأت" اس لئے ہوتی ہے کہ ـــ "سعودیوں نے جنگ خلیج سے بچے ہوئے جنگی اسلحے بنگلہ دیش اور شام بھیج دیئے ہیں۔ بنگلہ دیش جانے والی اس سپلائی میں جنگی گاڑیاں اور جدید گولہ بارود شامل ہے۔ چنانچہ ڈھاکہ کو اب اتنی ہمت ہو گئی ہے کہ وہ شمال مشرقی ریاستوں کے انتہا پسندوں کو بہت بڑے پیمانے پر تربیت دے کر ہندوستان کی سلامتی کو چیلنج کر رہا ہے۔" [۷]

اس طرح کی "مشکلات" پاکستان کے علاوہ "اکھنڈ بھارت" کے ایک اور گوشہ میں بھی نظر آتی ہیں۔ لیکن قدرے مختلف رنگوں میں۔ افغانستان میں ہندوستانی خارجہ پالیسی کی ناکامی کا نتیجہ دیکھئے:

سوویت یونین میں افغانستان سے سوویت فوجیوں کی واپسی کا سمجھوتہ ہو گیا، تب بھی بھارتی سرکار کے رویہ میں، کوئی تبدیلی نہیں آئی اور وہ نجیب اللہ حکومت کی آنکھیں موند کر حمایت کرتی رہی۔ اسی غلط پالیسی کا نتیجہ افغانستان میں آباد ۴۰ ہزار سے زائد کیش دھاری اور سہج دھاری ہندوؤں کو اب وہاں بھگتنا پڑ رہا ہے۔"

"سبھی ہندوؤں کو ان کے گھروں میں نظر بند کر دیا گیا ہے کیونکہ ان کے مکانوں کے دروازوں پر ہتھیار بند کٹر مجاہدین بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے حکم کے بغیر یہ مکین اپنے گھروں سے باہر نہیں نکل سکتے۔ یہی حالت انھوں نے کابل شہر میں واقع مشہور اور انتہائی عظیم الشان "ماتا مندر"

کی کر رکھی ہے۔ اس کا تقدس پامال ہونے اور اس کی دولت لوٹے جانے کا خطرہ برابر بڑھتا جا رہا ہے۔"

ابھی تک افغانستان میں بسے ہوئے ۴۰ ہزار سے زائد بھارتی ہندو دنیا کے سب سے امیر لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے وہ ملک کے غیر سرکاری زمرہ کی تجارت کے ۹۰ فیصد سے زائد حصہ کو کنٹرول کرتے تھے اور افغانستان کے تجارتی و اقتصادی نظام کی ریڑھ کی ہڈی سمجھے جاتے تھے۔ راجدھانی کابل کے شیئر بازار پر ان کی اجارہ داری قائم تھی، مجاہدین سرکار سے قبل وہ روزانہ ۱۵ لاکھ امریکی ڈالر کی تجارت کرتے تھے۔ جواب عدم تحفظ کے گہرے احساس کی وجہ سے ۵٪ فیصد گھٹ گئی ہے۔

٭ اب افغان تجار ہندو تاجروں کے ساتھ تجارت کرنا پسند نہیں کرتے کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ ہم جلد ہی تمہاری تمام منقولہ و غیر منقولہ جائداد تم سے چھین کر ہندوستان بھگا دیں گے۔ پچھلے دنوں کابل کا اہم تاجر رگھوناتھ وہاں سے بھاگ کر کانپور آچکا ہے اور ۲۸ اپریل کے بعد سے اب تک کوئی دو ہزار ہندو بیوپاری کابل چھوڑ کر بھارت کے مختلف شہروں میں پہنچ چکے ہیں۔"

" ان کا جرم یہی ہے کہ وہ ہندو ہیں اور اب انھیں اپنے آبائی ملک کی سرکار کی غلط خارجہ پالیسی کا خمیازہ اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کی قربانی کر کے ادا کرنے پر مجبور ہونا پڑا ہے۔" [5]

راستہ

ان تمام پریشانیوں کے حل کی راہ کیا ہے؟ ہندتو کی خارجہ پالیسی کے شارحین نے یہ راہ بھی سجھائی اور یہ راستہ تقریباً ہر لال بجھکڑ کے نزدیک ایک ہی ہے: اسرائیل کس طرح ہندوستان کی مدد کر سکے گا، اس کا اشارہ اس تحریر میں ڈھونڈھیے:

" یہ صاف ظاہر ہے کہ اسرائیل بھارت کی مختلف معاملوں میں قابل ذکر مدد کر سکتا ہے —— قابل ذکر یہ ہے کہ بھارت سرکار نے کئی بار اسرائیل سے اہم فوجی مدد حاصل کی ہے لیکن گپ چپ طریقے سے۔ مشہور تاریخ نویس ایس گوپال نے پنڈت نہرو کی سوانح عمری میں بیان کیا ہے کہ چین سے جنگ کے دوران جب بھارت کو اچانک ہتھیاروں کی ضرورت پڑی تو پنڈت نہرو نے اسرائیل کو ایمرجنسی پیغام بھیجا تھا۔ اس کے جواب میں اسرائیلی صدر بین گوریان نے فوراً ہی دو ریجمنٹوں کے لئے کافی بھاری اسلحے اور فالتو پرزے بھیجے تھے۔"

٭ بھارت میں دو ہزار برس قبل آکر یہودی بسے تھے جبکہ ان تمام برسوں میں ہر ملک میں یہودیوں پر لاتعداد مظالم ڈھائے گئے ہیں۔ اسی لئے بھارت کی سنسکرتی اور سبھیتا کے تئیں ان کے دل میں بہت احترام ہے۔ آپ کو یہ جان کر تعجب ہوگا کہ اسرائیل میں لوگ بڑی تعداد میں سنسکرت زبان سیکھ رہے ہیں۔ وہ خود کو بھارت کا ممنون سمجھتے ہیں۔ لیکن اب تک بھارت سرکار نے اسرائیل کے جذبات کو ٹھکرایا ہے۔" [6]

دنیا اس بند حصار سے آگے بھی آباد ہے اور بھارت کے خارجہ معاملات وہاں تک بھی دراز ہیں لیکن ان کے بیان سے مسلم دشمنی کے ذہنی مرض کو غذا کہاں مل سکتی ہے۔؟

●●

حوالے :

1 पान्चजन्य / 4 अप्रैल 1993/P 14

2 Balraj Madhok/On India's Foreign Policy and National Affairs/

3 पान्चजन्य / 2 फरवरी 1992/p-17

4 The Orginiser/3 May'92/P1-2

5 पान्चजन्य / 28 जून 1992/P-13

6 पान्चजन्य / 6 अक्तुबर 1991/P-13



ہندتو — مذہبی پیشین گوئی کی سیاست

محمد رئیس

۶ دسمبر اور اس کے بعد کے واقعات کے بارے میں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ کچھ فرقہ پرست سیاسی پارٹیاں مرکز میں اپنا اقتدار قائم کرنے کی غرض سے اس طرح کی شورشیں برپا کرتی رہتی ہیں۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ سادھو سنتوں کی جو بھیڑ اجودھیا میں جمع کر لی گئی تھی وہ دراصل اسی ہندتو لابی کی تنخواہ دار ہے۔ اعلیٰ طبقہ تعلیم یافتگان اور معاشی اجارہ داروں کے لیے اپنی بالادستی قائم کرنے کی غرض سے اس ہندتو کو بڑھاوا دینا بھی اسی طرح قابلِ فہم ہے۔ جس طرح کہ برہمن نسل کے لیے۔ لیکن وہ کیا چیز تھی جو بشمول خواتین متوسط طبقہ — خواندہ، نیم خواندہ اور نچلے طبقہ نیز نوعمر نسل کو اس میدان میں اتار لائی تھی — ؟ اس کا جواب ہے۔ متعدد سنیاسیوں اور پروہتوں کی وہ منظم اور غیر منظم تعداد جو عام لوگوں کی روزمرہ زندگی کی رسومات ہی ادا نہیں کرتی بلکہ انہیں اپنی طرف سے مسخ کردہ "تاریخی حقائق" کا ادراک بھی کراتی ہے اور دنیا کے "ہندو مستقبل" کی خوشخبریوں کا نشہ بھی پلاتی رہتی ہے اور سیاسی و معاشی حمایت کی وجہ سے یہ رجحان دن بدن بڑھتا ہی جا رہا ہے۔

اس ٹولی نے عام ہندو ذہن کو کس حد تک گمراہ کیا ہے، اس کا اندازہ لگانا تو تقریباً ناممکن ہے کیونکہ یہ پوری کارروائی بالعموم "سینہ بہ سینہ" چلتی رہتی ہے۔ البتہ حالیہ دنوں میں جب سے ہندو لابی نے اس سیاسی حربہ کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا شروع کیا ہے، ان کی کچھ سرگرمیاں ضبطِ قلم میں بھی آئی ہیں — اس طرح کی کچھ تحریریں ذیل میں پیش کی جا رہی ہیں جن میں یہ ذہن سازی کی گئی ہے کہ دنیا میں ایک نیا عہد شروع ہونے والا ہے اور وہ عہد ہندوؤں کے زور بازو سے برپا ہوگا — اس مہم میں بڑی خوں ریزیاں ہوں گی، بڑی تباہیاں آئیں گی لیکن اس کے بعد جو (ہندو) عہد آئے گا، وہ ساری دنیا کے لیے بڑی خیر و عافیت والا ہوگا کیونکہ اس وقت تک مسلم اور عیسائی اس دنیا سے مٹائے جا چکے ہوں گے۔

عالم گیر تباہیوں کے بعد ہندو بالادستی کے قیام کی خونیں "پیشین گوئیوں" کے انجام سے دوچار ہونے کے لیے اپنا ذہن تیار کر لیجئے۔

خانہ جنگی

"نیوکلیائی ہتھیاروں کو دوسرے سیاروں پر بھیج دیا جانا چاہیئے۔ ورنہ اس دنیا کی مخلوقات تباہ ہو جائے گی۔ اس مسئلہ پر قابو پانے کے لیے روس (امریکہ) کے تمام نیوکلیائی اسلحوں کو کسی دوسرے سیارہ پر بھیج دینا چاہیئے مثلاً مریخ۔ اس کام کے لیے مناسب وقت ہے ۱۲ر دسمبر ۱۹۹۶ء کو صبح ۵ بج کر ۴ منٹ ۱۵ر سکنڈ۔ اس کارروائی کے نتیجہ میں زمین شمال کی سمت میں ۲۰ ڈگری (۱۶+۴) اٹھ جائے گی اور کسی حد تک سورج کے قریب چلی جائے گی۔ آسٹریلیا مستقل طور پر اندھیرے میں چلا جائے گا۔ شمال میں ہمالیہ جیسے پہاڑوں کی برف ہمیشہ کے لیے پگھل جائے گی۔ تمام براعظم غرق ہو جائیں گے۔ اس طرح کی چیزیں آندھرا پردیش میں ۱۹۷۷ء میں دیکھی گئی تھیں نیپال میں کوئی زلزلہ نہیں آئے گا۔ نیپال کے بلاوے پر ہم لوگ اڑ کر وہاں جا سکتے ہیں۔ اس طرح کا واقعہ اس سے قبل مہابھارت کی جنگ کے بعد پانڈوں کو پیش آیا تھا۔ وہ ہمالیہ چلے گئے تھے اس بات کا بھی امکان ہے کہ بادلوں کے پیچھے (ہلکی) آہنی بستیاں بنالی جائیں۔ جیسا کہ موجودہ حالات سے ظاہر ہوتا ہے ہندوستان میں (۱) مذہبی (۲) سیاسی (۳) علاقائی (۴) ڈاکہ زنی (کے واقعات) بڑھتے چلے جائیں گے۔ ہم اسے خانہ جنگی کہہ سکتے ہیں۔"

درج بالا اقتباس ایک طویل اشتہار سے لیا گیا ہے جو روزنامہ انڈین ایکسپریس میں ۹۰ء کے نصف آخر میں وقفہ وقفہ سے شائع ہوتا رہا ہے۔ اسی طرح پیشین گوئیوں پر مبنی ایک اور کتاب

S Radha Krishnan / The Creative Life / P27,30,50,51,52,55

میں مشرق و مغرب کے متعدد کاہنوں کے حوالے سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ہندوستان میں "دھرم" ایک منظم ادارہ کی شکل اختیار کرے گا اور یہ کام ایک خاص تنظیم "انجام دے گی"۔

"تیسری جنگ عظیم کے ۲۴ برس قبل سے ۲۴ برس بعد تک بھارت میں زبردست ہل چل کا وقت ہوگا۔ پہلے ۲۴ برس بدلے ہوئے حالات کی شام کی شکل میں ہونگے آخری ۲۴ برس نئے عہد کی طلوع صبح جیسے ہوں گے — وہ تنظیم جو "دھارمک اودھار" کی شکل میں ظاہر ہوگی — اسی دوران فلاح عام کا نقشہ تیار کرے گی

اس تنظیم کا روح رواں کوئی گمر گرہست ہوگا۔ اور اب تک کی دنیا کے سب سے بڑے مفکر کی حیثیت سے شہرت حاصل کرے گا۔ وہ شخص انفرادی سماجی ذمہ داریوں سے لے کر امن عالم تک کے بارے میں ایک ضابطہ تیار کرے گا۔ اس کی زندگی کے تمام افکار کو ایک کتاب میں جمع کیا جائے تو اس کا وزن ۱۰۰ پاؤنڈ سے بھی زیادہ ہوگا ــــ دنیا میں بڑے پیمانہ پر آنے والی مصیبتوں اور ۱۹۹۵ء کے بعد ہونے والی جنگ عظیم کے سائے میں مادہ پرستی کو اس سے ایک نیا رخ ملے گا۔ اس وقت یہ ضابطہ وید اور بائبل کی طرح پوجا جائے گا۔ مہا بھارت سے قبل جو حالت تھی اس سے آگے کی ترقی کا کام اس تیسری جنگ عظیم کے بعد ہوگا اور اس کی قیادت وہ نئی مذہبی تنظیم کرے گی۔ ۱۵

S.L. Malhotra / Social and Political Orientations of Neo-Vendatism/ P 107,14

ہندو اوتار۔ درج بالا پیشین گوئیاں کچھ مبہم سی تھیں، اس اعتبار سے کہ ان بیانات سے طلوع اسلام کا مفہوم بھی اخذ کیا جا سکتا ہے جیسا کہ مسلمانوں میں سے بعض منجمین نے کوشش بھی کی ہے۔ لیکن اس ابہام کو دور کرنے کے لیے دوسری پیشین گوئیاں بھی موجود ہیں :۔ "سنسار میں جب بھی کوئی' دیو دوت' آیا، کوئی اوتار ہوا، تب تب قدرت نے تعمیر سے قبل کی حالت کو پوری طرح تباہ کرنے میں تعاون ضرور کیا۔ اس عظیم کشمکش کا منظر نامہ اس صدی کے آخر تک یقینی طور پر عالم واقعہ میں رونما ہو جانا چاہیئے۔ تبدیلی کا وقت آگیا ہے۔ اور اب ٹل نہیں سکتا۔ الیشوری اقتدار انسانی شکل میں اپنی انتہائی پیاری سورگ سے بھی زیادہ قابل فخر دھرتی بھارت ورش میں جنم لے چکا ہے اور اپنا کام کرنے میں لگا ہوا ہے۔ جب اس کے تمام منصوبے پورے ہو جائیں گے اور اس کی سرگرمیاں لوگوں کے سامنے آئیں گی تب لوگوں کو پتہ چلے گا اور پچھتاوا بھی ہوگا کہ بھگوان رام، شری کرشن، بھگوان بدھ اور پرشورام کی طرح کا اوتار ہمارے عہد میں آیا اور ہم انہیں پہچان بھی نہ سکے۔ اس کے ساتھ تعاون کرنا تو دور کی بات رہی۔ ۱۶

Jalalul Haq / Nation and Nation worship in India / P 108

فکر کی اس نہج کو جارح ہندتو سے وابستہ مفکرین نے اس طرح مزید آگے بڑھایا ہے، "جب اورنگ زیب نے ... شیواجی نے ایک زبردست وار سے۔ وحشی مسلمانوں کا جوا چیر دیا تھا۔ ہندوازم نے ایک بار پھر اپنی حیثیت ثابت کر دی تھی۔ تاکہ اس زمین پر سچائی کی برتری قائم رہے۔ پھر گرو گوبند آئے اور ان بہادر سکھ جنہوں نے اسلام کی بھیانک چالوں کو بگاڑ دیا۔ پھر بنگال سے وویکانند اٹھے۔ انہوں نے عیسائیت کے فریب کا پردہ چاک کیا۔ اب

ناسترے دمیس کے پیغمبرانہ الفاظ سے منکشف ہے جلد ہی سب کی سی جانے والی ہے۔ ہندوازم پھر اپنا وقار حاصل کرے گا۔ اپنا شریفانہ کام دوبارہ شروع کر دے گا۔"(۴) (4 M K Gauuni / Hindu Dharma / P 7,390)

ناشر نے اس نظم کو نقل کرنے کی اجازت عام بھی دے دی ہے۔ ناسترے دمیس کی پیشین گوئیوں کی "ہندو تشریحات" پر مبنی جس کتاب میں یہ نظم شائع کی گئی ہے۔ اس میں نئے عالم گیر ہندو نظام کے سربراہ کی نشاندہی بھی کی گئی ہے:

"ہر فرکھانت کا یوتا فی دیوتا تھا۔ ناسترے دمیس کی پیشین گوئیوں میں کہا گیا ہے کہ جس کے بارے میں یہ باتیں کہی جا رہی ہیں، وہ یوروپ کبھی واپس نہ ہوگا۔ بہر صورت ہر فرکی روایات کا ایک نمائندہ ایشیا میں ضرور نمودار ہوگا۔ اس قطعہ (Nostradamus - X 75) کے آخری مصرعہ میں یہ بات بالکل واضح اور قطعی طور پر کہی گئی ہے کہ یہ شخص ہندو ہوگا کیونکہ ناسترے دمیس کی زبان میں مشرقی اقوام (Orients) کا مطلب صرف ہندو ہوتا ہے۔ مستقبل کا یہ لیڈر ہندوستان کے دیگر تمام بادشاہوں سے آگے نکل جائے گا۔ ہندوؤں نے اپنی رنگارنگ تاریخ میں سورماؤں اور بادشاہوں کی ایک عظیم کہکشاں پیدا کی ہے لیکن جس لیڈر کا ذکر اس پیشین گوئی میں کیا گیا ہے، وہ اتنا مبارک ہوگا کہ ماضی ہند کے بڑے بڑے زوراوروں سے بھی آگے نکل جائے گا۔"(۵)

5 Jawahar Lal Nehru / Discovery of India / P52,53,54,55,199

یہود دوستی یہ ہندو لیڈر ہندوستان میں ابھرنے کے بعد کیا کرے گا اور کیوں ایسا کرے گا، اس کی "تفصیلات" بھی ناسترے دمیس کی پیشین گوئیوں کے ضمن میں اس کتاب میں بیان کی گئی جس کا نصف سے زائد حصہ اگرو گولوالکر کی ہدایات کے اتباع میں مسلم، عیسائی اور کمیونسٹ مخالفت میں وقف کر دیا گیا ہے۔ پہلے عیسائیت کا حشر پڑھیئے۔ قطعہ (۸ : II) کی تشریح میں: "عیسائیت کا دعویٰ ہے کہ جیسس اپنی ماں مریم سے پیدا ہوئے تھے، کسی مرد کے تعلق میں آئے بغیر۔ لیکن درحقیقت اس بات کا غیر متنازعہ ثبوت موجود ہے کہ جیسس ایک رومن سپاہی پین تھیرا (Panthera) کی جائز یا ناجائز اولاد ہیں۔ کچھ برسوں قبل ماہرین آثار قدیمہ نے جرمنی کے ایک رومن آثار کی کھدائی کرتے ہوئے جولیس عبدل پین تھیرا کا مقبرہ ڈھونڈ نکالا تھا جو کہ جیسس کی ولادت کے وقت رومن فوج میں نوکری کرتا تھا۔ اس کے درمیانی نام عبدل سے ظاہر ہے کہ وہ مشرق وسطیٰ کا تھا۔ عیسائی چرچ کا یہ واحد فراڈ نہیں ہے۔ پوپ کا دعویٰ ہے کہ وہ زمین پر خدا کے نائب (Vicar of God) ہیں لیکن (امر واقعہ یہ ہے کہ) پوپ اسٹیفن نے ۷۶۰ء میں ایک جعلی دستاویز گڑھ لی تھی۔ اسی جعلسازی کی بنیاد پر پوپ ابھی تک روم میں جمے ہوئے ہیں۔ تمام عیسائی درویش اپنی زندگی میں نیچ کردار کے تھے۔ لیکن یہ دلچسپ بات قابل ذکر ہے کہ اس پیشین گوئی میں تمام درویشوں کو فراموش نہیں کیا گیا ہے۔ عیسائی درویش اور مسلم پیر بالعموم نقلی جواہرات تھے۔ اس کے بالکل برعکس حال ہے ہندو اور بودھ مقدس ہستیوں کا۔ رام کرشن، اروبندو اور ان سے بڑھ کر ہندوستان کے رمن مہرشی، تبت کے ملاریپا بنا کسی شک کے الوہی شخصیات تھیں وہ اور ان کا پیغام دوام روحانی کے طالبعین کے تادیر کام آئے گا۔ صرف عیسائیت اور اسلام کے نام نہاد درویشوں کا ہی بھانڈا پھوڑ ہوگا اور وہ فراموش کر دیے جائیں گے۔"

The Hindu / 31 Oct 93 / P 6

اس کے بعد ظاہر ہے کہ میدان میں دو ہی مذاہب باقی رہ جاتے ہیں۔ ہندوازم اور یہودیت۔ اور اس کا ثبوت بھی پیشین گوئیوں کے ذریعہ فراہم کیا گیا ہے۔ قطعہ (۹۶ : X) کی تشریح کرتے ہوئے مصنف لکھتا ہے: "دو آخری مصرعہ میں جن دو مذاہب کو الف اور الف کے ہاتھوں مجروح ہونے کی بات کہی گئی ہے، وہ ہیں ہندوازم اور یہودیت۔ الف قرآن کا پہلا حرف ہے جو کہ مسلمانوں کی کتاب مقدس ہے بنارس اور پریاگ جیسے مقدس مقامات پر مسلمانوں نے مندروں کو غارت کر کے مساجد تعمیر کی ہیں۔ اسلامی پاگلوں نے ایسی ہی حرکت یہودیوں کی مقدس دیوار گریہ جو یروشلم میں واقع ہے وہاں بھی کی ہے۔ دیوار گریہ سے متصل یہودیوں کی مقدس سرزمین پر مسجد صخرہ تعمیر کی گئی ہے۔ اس پیشین گوئی میں جو ہر شبہ سے پاک ہے، یہ کہا گیا ہے کہ ہندوؤں اور یہودیوں کے انتقام کے آگے اسلام کو خوفزدہ کر دیا جائے گا۔ مسلم خرافات کا کوئی نشان اس کے اپنے گھر میں بھی باقی نہ چھوڑا جائے گا۔ تہذیب (Civilization) کو بچا لیا جائے گا اور عالم انسانیت مسلم توہمات کی بربریت سے آزاد کرا لی جائے گی۔" (۷)

اسلام دشمنی اسلام دشمنی کا یہ نتیجہ کچھ آسانی سے نہیں اخذ کیا گیا ہے بلکہ اس قطعہ کی تشریح میں مصنف نے تشریح سے کہیں زیادہ اسلام اور مسلمانوں کی امیج مسخ کرنے والے پروپیگنڈے پر زور دیا ہے۔

"یہ ایک نہایت اہم قطعہ ہے۔ ناسترے دمیس صاف صاف کہتا ہے کہ سمندر کے نام والا مذہب اس فرقہ پر غالب آ جائے گا جس کا حکمراں خلیفہ ہوگا۔ Sect کے معنیٰ بے بنیاد عقائد یا خرافات کے بھی ہوتے ہیں۔ اس لفظ کو دو مرتبہ استعمال کر کے ناسترے دمیس نے اسلام کے بارے میں اپنی یہ رائے ظاہر کر دی ہے کہ اسلام

صرف گندے توہمات کا نام ہے (Adalancatif) خلیفہ عدالت کی معقد شکل (Anagram) ہے اس سے آگے کا بیان ہمارے نزدیک نقل کفر، کفر باشد کے مترادف ہے۔

" ان تمام خرافات اور ان کے لڑاکوپن کے باوجود مسلمانوں کو سمندر کے مذہب کے سامنے سر جھکانے پر مجبور کر دیا جائے گا۔ دنیا میں صرف ایک ہی مذہب ہے جس کا نام سمندر کے نام پر رکھا گیا ہے وہ ہے ہندو مہا ساگر (Hindu Maha Sagar) جسے مغرب میں انڈین اوشن کہتے ہیں۔ کسی بھی دوسرے مذہب کے نام میں سمندر نہیں پایا جاتا۔ "

8 The Hindu / 26 Sept 93 / P 4

کشف حقائق

اتفاق سے عیسائیوں کی مذمت کرتے ہوئے مصنف نے ضمناً اس ہندو طریق کار کا بھی ذکر کر دیا ہے جس کے سہارے یہ عالمی انقلاب لایا جائے گا:۔

" اس سے بھی زیادہ غیر معمولی کردار تھا تیانا کے اپولی نیئس (Appollonius) کا یہ مشہور سادھو جیسس کا ہم عصر تھا اس نے ہر وہ کرامات کر دکھائی جسے نیٹ پال جیسے عیسائی پروپگنڈا باز نے جیسس سے منسوب کیا ہے۔ اس سادھو مہاتما کی کرامات بلاشبہ اتنی زبردست تھیں کہ ابتدائی عیسائی مصنفین نے انہیں شیطان کا ایجنٹ کہہ ڈالا۔ عیسائی مذہبی ذمہ داروں میں ہندو مقدس شخصیتوں کے خلاف جھوٹ پھیلانے والی ذہنیت آج تک باقی ہے۔ انہوں نے سائیں بابا کے ایک امریکی شاگرد کورشوت دی تھی کہ وہ اپنے محسن سے بغاوت کرے اور ان کے خلاف طنز و استہزا کا بازار گرم کرے۔ طال یروک نامی یہ مرتد سائیں بابا کی کراماتی قوتوں کا انکار تو نہیں کرتا مگر وہ انہیں شیطان سے منسوب کرتا ہے "

یہ بات عام طور پر معلوم ہے کہ کہانت اور علم نجوم وغیرہ شیطانی ذرائع سے اخذ شدہ معلومات پر مبنی ہوتی ہیں اور اسی وجہ سے ان کا غالب حصہ غلط ہی ثابت ہوتا ہے۔ ہندو پیشین گوئیوں کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوتا رہتا ہے تاہم روزمرہ کی ہندو زندگی ان توہمات کے حصار میں اس طرح مقید کر دی گئی ہے کہ کھلی کھلی غلطیاں سامنے آجانے کے باوجود وہ اس کے چکر سے باہر نہیں نکل پاتے۔ مثال کے طور پر ۱۹۸۶ء میں شائع شدہ ایک پیشین گوئی میں دعویٰ کیا گیا ہے:۔ " ۱۹۸۱ء تک پاکستان ایک چھوٹے سے نایو جیسا رہ جائے گا۔ اس کا کچھ حصہ افغانستان لے لے گا۔ کچھ میں آزاد پاکستان بن جائے گا۔ باقی حصہ ناقابلِ شمار رہ جائے گا۔ ۱۹۸۵ء تک بھارت اپنی وہ زمینیں واپس لے لے گا جنہیں چین نے ہڑپ لیا ہے۔ اس وقت تک تبت آزاد ہو جائے گا۔ "

9 The Hindu / 13 April'93 / P 17

آج ۱۹۹۳ء آگیا ہے اور ان حالات کا حشر بھی ہمارے سامنے ہے۔ پھر ان پیشین گوئیوں کا مقصد کیا تھا؟ کیا مسلم سماج اور اسلام کے خلاف ہندو جذبات کو اس حد تک مشتعل کرنے کے سوا کچھ اور تھا جس کا نظارہ ہم نے گذشتہ دسمبر اور جنوری میں دیکھا۔ ؟

●●

حوالے :

1 प0 श्रीराम शर्मा आचार्य/ध्वंस और सृजन की सुस्पष्ट सम्भावना

2. " " /P 46

3. " " /P 50-1

4. G.S. Hiranyappa/Hindu Desteryin Nostradamus

5.. " " /P 12-3

6. " " /P 10-11

7. " " /P 8

8. " " /P 7

प0 श्रीराम शर्मा आचार्य/ध्वंस और सृजन की सुस्पष्ट सम्भावना पृ0 16

ہندتو ــــ مسلمانوں سے تعلق سے رویہ

سید محمد اقبال

قوم پرستی کی سب سے بڑی مصیبت اس کا منفی داعیہ ہے جس سے وہ قوت حاصل کرتی ہے اور اپنی قوم کے اندر ایک دشمن قوم کا خوف پیدا کرکے اسے ایک مرکز کے گرد جمع کرتی ہے ۔ ماضی کی قوم پرستی ہو یا دورِ جدید کی یہی اس کی قوت محرکہ بن جاتی ہے ۔ ہندو قوم پرستی اور یہودی قوم پرستی ہو یا سربیائی اور آئرش قوم پرستی سب کے اندر وہ منفیت شامل ہے ۔

ہندو قوم پرستی کا تازہ ترجمان جس کا علمبردار سنگھ پریوار ہے اس کی بنیاد اس صدی کے شروع میں رکھی گئی جبکہ ملک پر انگریزوں کا قبضہ تھا اور سلطنت برطانیہ کا سورج اپنے نصف النہار پر تھا ۔ انگریزوں کی غلامی سے آزادی کی جدوجہد بہت ابتدائی مرحلے میں تھی ۔ ایسے میں ہندو قوم پرستی کے لئے انگریز ہی ایک دشمن قوم ہو سکتے تھے مگر اس قوم پرستانہ رجحان کے محرکین نے بجا طور پر انگریزوں کے بجائے مسلمانوں کو ایک دشمن قوم کے طور پر کھڑا کیا ۔ اس کے اسباب کی تلاش کا یہاں موقعہ نہیں ہے ۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ قوم پرستی کا یہ رجحان پروان چڑھتا رہا ۔ جنگ آزادی میں ہندو اور مسلمانوں کی مشترکہ جدوجہد میں قوم پرستی کے اس تصور کو جسے آج ہندوتو کہا جارہا ہے کسی نے اہمیت نہ دی ۔ البتہ ملک کی آزادی اور تقسیم کے بعد اس فکر نے اپنی کوششوں کو زیادہ منظم کیا اور اسے ایک سیاسی پلیٹ فارم دینے کے ساتھ ساتھ مختلف سیاسی پارٹیوں میں اپنے اثرات پیدا کئے ۔ تقسیم ملک کے بعد بھی ہندوستان میں مسلمانوں کی بڑی تعداد کا باقی رہنا اور اس کی شرح پیداوار کے ساتھ ساتھ ان کی آبادی میں اضافہ سنگھ پریوار کے لئے ملک کے لوگوں کو گمراہ کرنے کا ایک کارآمد وسیلہ بنا ۔ اسی منفی فکر نے حالیہ دنوں میں ایک جارحانہ صورت اختیار کرلی ہے ۔

سنگھ پریوار ملک میں ایک ایسی قومی تہذیب کا داعی ہے جس میں دوسرے تمام فکر و خیال اور تہذیبیں آکر ضم ہو جائیں ۔ جس کے بعد ان کی کوئی انفرادیت باقی نہ رہے ۔ اس تہذیب کی صورت گری سنگھ پریوار کے فکر و خیال کے مطابق ہو جو برہمنیت اور شرک کے چاروں طرف گھومتی ہے ملک کی تمام اقلیتیں بالخصوص مسلمان ایک محکوم قوم کی طرح زندہ رہیں اور اپنے کو حاکم قوم کے اشاروں کو سمجھنے کا عادی بنائیں ۔ وہ ملک میں کسی سیاسی حصہ داری کی بات نہ سوچیں اور اگر کبھی انھیں حق رائے دہی مل جائے تو اسے صرف سنگھ پریوار کے حق میں استعمال کریں کیوں کہ صرف اسی صورت میں ان کی وفاداری اور قوم پرستی قابلِ بھروسہ سمجھی جائے گی ۔ بالفاظ دیگر انھیں ملک کے سیاہ و سپید میں اس سے زیادہ کچھ سوچنے کی ضرورت نہیں جو حاکم قوم کی طرف سے ان کے لئے مقدر کر دی جائے !

سنگھ پریوار کے نزدیک یہ بات نہایت پسندیدہ ہے کہ مسلمان اجتماعی طور سے خود کو غیر محفوظ اور اکثریت کے رحم و کرم کا محتاج سمجھیں ۔ مسلمانوں کے اندر امت کا کوئی تصور نہ ہو ۔ ملک سے باہر بسنے والے مسلمانوں کے ساتھ ان کا کوئی تعلق یا اخوتِ اسلامی کا کوئی اظہار نہ ہو ۔ ہندوستان میں مسلم دورِ حکومت پر اظہارِ ندامت و شرمندگی کریں جن تاریخی شخصیتوں کو انھوں نے ناپسندیدہ قرار دیا ہے انھیں مسلمان ناپسند کریں اور جن مسلم نما شخصیتوں کی سنگھ پریوار میں تعریف کی گئی ہے انھیں اپنے لئے مثالی سمجھیں ۔ انفرادی طور سے انھیں اپنی شخصیت کچھ اس طرح تعمیر کرنی چاہیئے جس کے بعد ان کی اسلامی شناخت باقی نہ رہے ۔ ظاہری شکل و صورت میں ان کا مغربی طرز اختیار کرنا تو قابلِ قبول ہو سکتا ہے ۔ اسلامی طرز قابلِ قبول نہیں ہو سکتا ۔ اس کے لئے سب سے اچھی بات تو یہ ہوگی کہ وہ تلک لگائے ۔ دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر پرنام کرے اور کسی بھی حیثیت میں خود کا مسلمان ظاہر نہ ہونے دے ۔ اس کے نام کا کم از کم ایک حصہ وہ ہو جس سے ہندومت کا اظہار ہوتا ہو ۔ ان کا مسجد جانا اور خاموشی سے مذہبی رسومات ادا کرنا قابلِ اعتراض نہیں ۔ البتہ مائک سے اذان دے کر یا کسی نمایاں طریقے سے ادائیگی قابلِ اعتراض ہے ۔ انہیں شادی طلاق اور وراثت کے سلسلے میں اسلامی قانون کی پابندی کا خیال چھوڑ کر یکساں سول کوڈ کی حمایت کرنی چاہئے ۔ اسے یک زوجگی اور تحدید اولاد کے حق میں بولنا چاہئے ۔ ان میں سے جو لوگ مرنے کے بعد جسم کو جلائے جانے کی وصیت کر جائیں وہ زیادہ قابلِ تعریف اور دیش بھگت سمجھے جائیں گے ۔

یہاں گرو جی کی کتاب

(وی اور اَور نیشن ہڈ ڈی فائنڈ)

"We or our Nationhood defined"

کے جملے بھی رہنمائی کرتے ہیں ۔

"۔۔۔۔ ایک لفظ میں وہ (ہندوستان کے غیر ہندو) اپنے غیر ملکی تعلق کو ختم کریں ۔ یا ہندوستان میں ہندوؤں کے محکوم بن کر رہیں ۔ کسی قسم کے کسی مطالبے کے بغیر وہ کسی مراعت کے مستحق نہ ہوں گے ۔ چہ جائیکہ کوئی خاص رویہ یہاں تک کہ شہریت کے حقوق بھی ۔"

●●

ہندتو کا دائرہ کار

محمد رئیس

لوگ کہتے ہیں کہ ہندتو کو "سنگھ پریوار" ہی تقویت پہنچاتا ہے یہ نیا نام گذشتہ ۶ دسمبر کے معًا بعد اخبارات میں نمایاں طور پر ابھرا ہے۔ سنگھ پریوار۔ یہ سنگھ پریوار کیا ہے؟ درحقیقت یہ نہ تو سنگھ (सघ) ہے اور نہ ہی سنگھ (पिवह) ہے بلکہ پریوار بھی نہیں ہے لہذا یہ سنگھ پریوار بھی نہیں ہے۔ ایک چیستان در چیستان ہے۔ جیسے ہندوستان کے "سیکولر" میڈیا نے ۶ دسمبر کے مجرموں کے جرم کو چھپانے کے لئے راتوں رات ایجاد کیا اور ہر کسی کی زبان پر چڑھا دیا۔ ۶ دسمبر سے قبل "سنگھ پریوار" کی اصطلاح سے کوئی بھی واقف نہیں تھا۔ آج ہر کوئی یہی اصطلاح استعمال کرتا ہے اور اس طرح ۶ دسمبر کے مجرموں کو پھر سے سماجی اور سیاسی اعتبار حاصل ہوگیا ہے۔ اگر آپ "سنگھ" اور "پریوار" کی معنویت پر غور کریں تو آپ محسوس کریں گے کہ ایک لفظ سے شجاعت، اتحاد، ڈسپلن مترشح ہے تو دوسرے سے قربت، یگانگت اور تقدس کا اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ جب کوئی "سنگھ پریوار" کی اصطلاح استعمال کرتا ہے تو لاشعوری طور پر وہ انھیں لوگوں کو معتبر گردانتا ہے، جن کی وہ شعوری طور پر مذمت کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ یہ بات ظاہر ہے کہ سنگھ پریوار کے نام کے حامل وہ لوگ نہیں ہوسکتے جنھوں نے ۶ دسمبر کو ہندوستانی پارلیمان، ہندوستانی عدلیہ، ہندوستانی انتظامیہ، حتیٰ کہ ہندوستانی دستور کی بھی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی تھیں۔

پھر کون ہے سنگھ پریوار؟ شروع میں ان چار پارٹیوں کو سنگھ پریوار کہا جانے لگا جو ۶ دسمبر کے سانحہ کی کسی نہ کسی درجہ میں ذمہ دار تھیں یعنی راشٹریہ سویم سیوک سنگھ، بھارتیہ جنتا پارٹی، وشو ہندو پریشد اور بجرنگ دل لیکن یہ تشریح بھی صحیح نہیں تھی کیونکہ شیو سینا جو ۶ دسمبر کے سانحہ کی اقراری مجرم بن چکی تھی، اس کا اس میں کوئی شمار ہی نہیں تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل "سنگھ پریوار" تو راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے دائرہ اثر سے باہر بھی پایا جاتا ہے۔ پھر کچھ اور تنظیموں کے نام سامنے آئے۔ کچھ نئے لوگوں کو مجرموں کی فہرست میں شامل کیا گیا۔ یہ مرد تھے، خواتین تھیں، نوجوان تھے۔ بوڑھے تھے۔ مذہبی لوگ تھے، شاطر مجرم تھے۔ افراد تھے تنظیمیں تھیں۔ اس بھیڑ میں کہاں تلاش کیجئے گا سنگھ پریوار کو؟

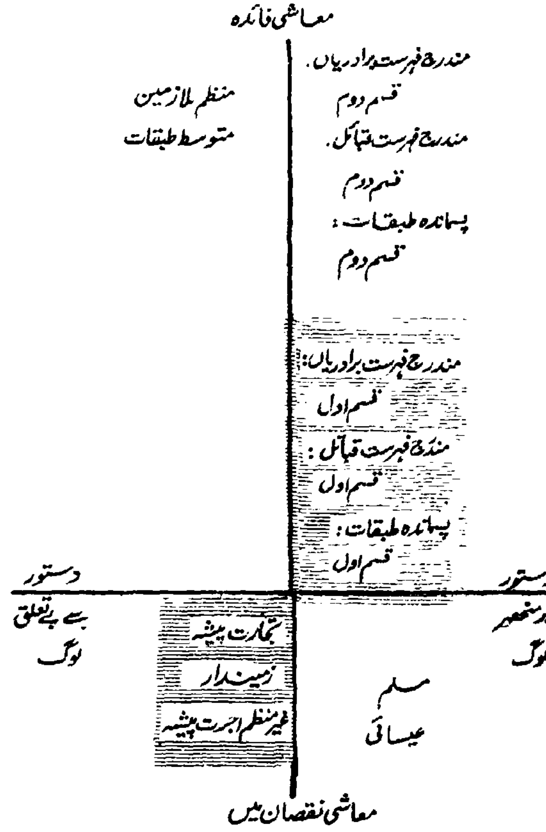
راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے جنرل سیکریٹری وی ایچ شیشادری نے اس پیچیدگی کا اظہار اکتوبر ۱۹۹۰ء کی کارسیوا کے وقت میں ہی کر دیا تھا۔ "دوسرا متبادل ہے ٹکراؤ کا۔ جس کا مطلب ہے کم سے کم پانچ لاکھ لوگوں کی گرفتاری جو کسی بھی سرکار کے بوتے سے باہر کی بات ہے اور شاید لاٹھی اور گولی کی بوچھاریں جس میں سینکڑوں کارسیوکوں اور سادھوؤں کو اپنی زندگی بھینٹ چڑھانی ہوگی۔ اس میں جوڑ دیجئے دیش بھر کے چوٹی کے سنیاسیوں، مٹھوں (मठ) کے سربراہوں، راشٹریہ سویم سیوک سنگھ اور شری ایڈوانی سمیت بھارتیہ جنتا پارٹی کے تمام اہم نیتاؤں کی گرفتاری" [۱] اس کا مطلب یہ ہوا کہ جسے سنگھ پریوار کہا جا رہا ہے، اس کی صفوں میں مذہبی لوگ ہیں بھی اور نہیں بھی ہیں۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہندتو لازمی ہندو مذہب سے مختلف کوئی اور ہی چیز ہے پھر اس کی شناخت کیا ہے؟ اس کی شناخت اس معاشی معرکہ کی معرفت پر منحصر ہے جس میں سیاسی بازیگر ہندو مذہب کو اپنی ناجائز خود غرضیوں کے لئے ایک ہتھیار کی طرح استعمال کر رہے ہیں۔

ایک تجزیہ نگار نے اس معاشی کشمکش کا خاکہ اس طرح کھینچا ہے:

"بابری مسجد دستور ہند کی علامت بن گئی ہے۔ سپریم کورٹ کے واضح احکامات کے باوجود اس کی حکم عدولی کر کے مسجد کا منہدم کیا جانا دستور ہند کو براہ راست چیلنج ہے۔ اور دستور ہند بعض کے مقابلہ میں بعض کے معاشی مفادات کے تحفظ کا کام کر رہا ہے اس طرح مسجد یا دستور ہند کے تعلق سے مختلف گروہوں نے جو پوزیشن اختیار کی ہے، وہ مختلف گروہوں کے معاشی مفادات کا املا ہے ــــ اب ہم ان معاشی جتھہ بندیوں کی نشاندہی کر سکتے ہیں۔ مندرج فہرست برادریاں (SC) اور قبائل (ST) نیز معاشی طور پر پسماندہ طبقات (OBCS) دو میں سے کوئی بھی ایک راستہ اختیار کر سکتے ہیں۔ (۱) وہ لوگ جن میں یہ احساس موجود ہوگا کہ دستور زائیدہ بیوروکریسی کا استحصال، ان کو حاصل ہونے والے معاشی فائدوں سے زیادہ ہے، وہ لوگ دستور مخالف رویہ اپنائیں گے (۲) اس کے برعکس جو معاشی فائدوں کو ترجیح دیں گے وہ دستور کی حمایت کریں گے یعنی مسجد حامی رویہ اختیار کریں گے ان طبقات پر اپنا پورا اثر جمانے میں کانگریس اور جنتا دل کی ناکامی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ گروہ مجموعی طور پر دستور کے تعلق سے طرفگی کا شکار ہیں جہاں تک مسلمانوں، عیسائیوں، متوسط طبقہ اور منظم زمرہ کے ملازمین کا تعلق ہے، تو ان سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ مسجد کی حمایت کریں گے۔ ان گروہوں کی نمائندگی کانگریس اور بائیں بازو کو حاصل ہے جو مسجد حامی رخ دکھا رہے ہیں۔ کیونکہ ان میں ہر ایک اپنے سیاسی حلقہ اثر کے معاشی مفادات کو نگاہ میں رکھے ہوئے ہے۔ (مزید برآں، مسلمانوں اور عیسائیوں کا مذہبی اقلیتی وجود ہی دستور پر منحصر ہے چنانچہ وہ معاشی استحصال کے

باوجود دستور کی حمایت کرنے پر مجبور رہیں) درج بالا طبقات کو چھوڑ کر جو غیر منظم زمرہ کے اجرت پیشہ ہیں۔ (ان میں کالی کمائی سے وابستہ نوجوانوں اور سادھوؤں سنتوں کی فوج کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے) نیز تجارت پیشہ اور زمیندار گھرانوں سے یہ متوقع ہے کہ وہ مسجد دشمن رویہ دکھائیں کیونکہ دستور زائیدہ بیوروکریسی اور دستور کے تحت وضع کئے جانے والے محنت کش قوانین ان کے مفادات کے خلاف جاتے ہیں۔ یہ تمام گروہ مل کر بھارتیہ جنتا پارٹی کی بنیاد تشکیل کرتے ہیں۔

بنیادی نکتہ یہ ہے کہ بابری مسجد نے راشٹر اکا ارتکاز پورا کر دیا ہے۔ لیکن یہ ارتکاز معاشی نحو وغرضیوں کے خطوط پر ہوا ہے، اگرچہ وہ مسجد پر سوالیہ نشان کی شکل میں سامنے آیا ہے۔ "ملک کی سالمیت"، "فرقہ پرستی"، "مذہبی نارواداری"، "دستور کا احترام"، اور "آفاقی قدروں میں انحطاط"، یہ سب محض نعرے ہیں، جن کے سہارے یہ (معاشی) مقابلہ بازی جاری



خاکہ ۱ : ▒ ہندتو کے پرستاروں کا حلقہ

سے ہے۔" [۲]

اب تک کا تجزیہ ہندتو کے پرستاروں کی ایک بڑی حد تک نشاندہی کردیتا ہے (خاکہ ۱) اور اس کی تصدیق دیگر ذرائع سے بھی ہوتی ہے:

"تقریباً تمام کے تمام بدعنوان صنعت کار (یہ سب ہی اونچی ذاتوں والے لوگ ہیں) اس ادارہ میں سرمایہ کاری کرتے ہیں اور تمام کے تمام "دانشور" (یہ بھی اونچی ذاتوں سے تعلق رکھتے ہیں) اس کے ساتھ دل لگاتے ہیں۔ اونچی ذاتوں والے صحافی جن کی "قومی پریس" پر اجارہ داری قائم ہے، وہ درپردہ اسی کی ستائش کرتے ہیں۔ راشٹریہ سویم سیوک سنگھ سے ہمدردی رکھنے والے صرف فوجی سروسز اور پولیس تک ہی نہیں پائے جاتے بلکہ اس میں کے اعلیٰ ترین مقامات پر بھی فائز ہیں۔" [۳] تاہم اس تجزیہ میں کچھ تشنگی باقی ہے مثلاً شہری متوسط طبقات اور منظم ملازمین بالخصوص سرکاری بیوروکریسی کے تعلق سے اور پارلیمانی سیاسی پارٹیوں کے رجحانات کے بارے میں بھی ابھی تک نہیں کہا گیا ہے۔

ہندوستانی بیوروکریسی کے بارے میں اب یہ بات باوثوق طور پر کہی جاسکتی ہے کہ وہ کیسریا اور غیر کیسریا خانوں میں تقسیم ہو چکی ہے: "ان لوگوں نے بھارتیہ جنتا پارٹی کے طرز فکر کو کب دل نشین کرلیا، یہ کہنا تو مشکل ہے، لیکن کم از کم اس وقت تو وہ جنگجویانہ لہجے میں بات کرتے ہیں یہ صورت حال راتوں رات نہیں پیدا ہوئی ہے۔ راشٹریہ سویم سیوک سنگھ ان کے درمیان ایک لمبے عرصہ سے تبلیغ کرتی رہی ہے۔ ان میں کچھ نے اس کی شاکھاؤں میں حاضری بھی دی ہے اور کچھ کو تو یہ بھی تسلیم کرادیا گیا ہے کہ ہندوؤں کو "ایک زمانہ سے بہت پیچھے دھکیلا جاچکا ہے"۔ سرکاری ملازمین بھی ہوا کے رخ پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔" [۴] ایک ایسی صورت حال میں ملک دشمن ہندتو کو جو رنگ پکڑنا چاہئے، وہ ہمارے سامنے ہے ۔۔۔ اور یہ عمل جمہوریت ہند کے ایام طفولیت سے جاری رہا ہے: "وجہ کچھ بھی ہو اور اس احیائی ذہنیت کے وجود کا سلسلہ ماقبل آزادی تک دراز ہو یا نہ ہو واقعہ جس کے نتائج سے بحث ہے، وہ یہی ہے کہ ہندو تہذیب، ہندوستانی تہذیب کے نام پر، سرکاری تہذیب بنتی جارہی ہے اور سرکاری وسائل و اثرات اس تہذیب کو فروغ دینے کے لئے پوری آزادی سے استعمال کئے جارہے ہیں۔ اسی گذشتہ جنوری (۱۹۵۶ء) کی بات ہے کہ ۲۶ جنوری کے جشن کے لئے یوپی کے وزیر اعلیٰ نے ہدایت فرمائی تھی کہ اسے دیوالی اور دسہرے کی طرح منایا جائے چنانچہ اس دن کا جشن ٹھیک اسی انداز پر منایا گیا۔ اس دن کے جلوس اور دسہرے کے جلوس میں بس اتنا ہی فرق تھا کہ اس میں کچھ چیزیں زیادہ تھیں، ورنہ دسہرے کے قریب قریب تمام ہی اجزا اس میں شامل تھے، اور یہ کوئی ایک ہی سال کی بات نہیں، ہر سال یہی ہوتا ہے، پھر یہ بات صوبائی حدود تک بھی محدود نہیں ہے بلکہ عین ملک کی راجدھانی میں خود صدر جمہوریہ کے زیر سایہ بھی یہی سب ہوتا ہے۔" [۵]

ہندوستانی بیوروکریسی اور سماج کی یہ کیسریا تقسیم بڑی حد تک برہمن تہذیب کی بنیادوں پر استوار ہوئی ہے۔ وہ لوگ جو راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے نظریات اور اس کے طریق کار سے متفق بھی نہیں ہیں، وہ برہمن تہذیب کے عصبیاتی نعروں کی زد میں آجاتے ہیں اور اگر ہندتو لابی اور اس کے

سالِ قیام: ۱۳؍ اکتوبر ۱۹۸۱ء

المجلس التعلیمی الاسلامی بہار

بورڈ آف اسلامک ایجوکیشن بہار (رجسٹرڈ)

المجلس کے اغراض ومقاصد:

- بہار میں دینی و اسلامی تعلیمی تحریک کو منظم و مستحکم کرنا۔
- مسلم تعلیمی اداروں کی تنظیم نو۔
- جدید تعلیمی ادارے، اسکول، مدارس، کالج اور صنعت و حرفت کے اداروں کا قیام۔
- نصاب تعلیم میں قدیم وجدید کے بہترین امتزاج کی سعی کرنا۔
- اساتذہ کے لئے ٹریننگ اسکول اور کالج کا قیام۔
- طلبہ کو اعلیٰ تعلیم اور مقابلے کے امتحانات کے لئے تیار کرنا۔
- المجلس سے الحاق شدہ درجات کے امتحانات اور تدریسی معیار میں یکسانیت اور استحکام لانے کی کوشش کرنا۔
- مختلف موضوعات پر سروے پروجکٹ نیز سمینار اور سمپوزیم کا اہتمام کرنا۔
- تعلیم بالغان کا نظم۔

طریق کار:

۱۔ المجلس ایک رجسٹرڈ ادارہ ہے۔
۲۔ المجلس کا ایک منظور شدہ دستور ہے۔
۳۔ جملہ امور کی نگہداشت اور نظم ونسق کو سنبھالنے کے لئے مجلس کا ایک ڈائرکٹوریٹ ہے، جس کا کیمپ آفس ہزاری باغ (بہار) میں واقع ہے۔

کارکردگی:

۱۔ الحاق شدہ درس گاہیں ۳۵ پینتیس
۲۔ طلبہ کی جملہ تعداد چار ہزار پانچ سو (۴۵۰۰)
۳۔ طالبات کی جملہ تعداد تین ہزار (۳۰۰۰)
۴۔ اساتذہ کی جملہ تعداد دوسو (۲۰۰)
۵۔ وظیفہ پانے والے طلبہ وطالبات (۱۹۹۰ء تا ۱۹۹۳ء) چھ سو (۶۰۰)
۶۔ اساتذہ کے ٹریننگ کیمپوں کا انعقاد تین (۳)
۷۔ تربیت پانے والے اساتذہ کی سالانہ اوسط تعداد — پچاس (۵۰)
۸۔ جملہ تعلیمی اداروں کی دیکھ بھال اور دوروں کے لئے چھ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور تجربہ کار افراد پر مشتمل ایک ٹیم ہے۔
۹۔ اب تک مجلس کے زیر اہتمام پانچ سالانہ امتحانات کا انعقاد عمل میں آیا۔
۱۰۔ ہیڈ ماسٹرس کانفرنس کا انعقاد۔ پانچ بار
۱۱۔ مجلس کے زیر اہتمام جملہ تعلیم گاہوں کی سہ ماہی رپورٹوں کی روشنی میں ان کی نگرانی کا فریضہ انجام دیا جاتا ہے۔

مجلسِ عاملہ

المجلس التعلیمی الاسلامی بہار

۱۔	جناب احمد علی اختر صاحب	چیرمین
۲۔	جناب ڈاکٹر احمد سجاد صاحب	وائس چیرمین
۳۔	جناب سید شمیم احمد صاحب	ڈائرکٹر
۴۔	جناب شہود الحق صاحب روشن	ڈپٹی ڈائرکٹر
۵۔	جناب بشارت حسین صاحب	خازن
۶۔	جناب مولانا طیب عثمانی صاحب	ممبر
۷۔	جناب ڈاکٹر حسن رضا صاحب	"
۸۔	جناب مولانا اثری صاحب	"
۹۔	جناب قمر الہدیٰ صاحب	"
۱۰۔	جناب شبیر عالم صاحب	"

رابطہ قائم کرنے کا پتہ:

سید شمیم احمد
(ڈائرکٹر)
۴، سلیمان کالونی، ہزاری باغ۔
۸۲۵۳۰۱
S.T.D: 06546 - PHONE: 22744

پروگراموں کی پرجوش حمایت نہ بھی کریں تب بھی کم از کم وہ ان کی مخالفت بھی نہیں کرتے "مخالفت بھی نہیں" کا رویہ ان دیگر طبقات نے بھی اپنایا ہے جو غیر برہمن تہذیب کی نمائندگی کرتے ہیں مثلاً مغربی تہذیب کے دلدادہ لوگ اور دلت طبقات بالخصوص دلت قائدین ۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں کو ہندتو کا جوابی وزن اور اسلام کو اپنے لئے نامفید سمجھتے ہیں کیونکہ اسلام کی تصویر ملکی اور غیر ملکی میڈیا میں محض ایک تنگ نظر کلچر کی بنائی گئی ہے اور بدنصیبی سے اب تک ہندوستان میں جس مسلم قیادت کو قومی منظر نامہ پر ابھارا گیا ہے اور اس نے جس قسم کے اور جس انداز سے مسائل ابھارے ہیں ، اس سے بھی یہی تاثر ملتا ہے کہ مسلمان بھی دوسرے دنیادار گروہوں میں ایک اور تشدادی گروہ ہیں اور بس ۔ اس صورت حال نے دیگر مذاہب ومسالک کی طرح ہندوستانی مسلم سماج میں بھی منافقین کا ایک نہایت مختصر سا ٹولہ پیدا کر دیا ہے ۔ اس طرح مسلمانوں کے علاوہ ، بہت تھوڑے سے لوگ ایسے باقی رہ جاتے ہیں جو ہندتو کا مقابلہ کرنے میں مخلص ہوں ۔ جب کہ بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو ہندتو لابی میں شریک تو نہیں لیکن اس لابی کے باہر بھی چاروناچار ہندتو کی ہی نمائندگی کرتے ہیں ۔ (خاکہ ۲)

	پرجوش حمایت	مخالفت بھی نہیں
برہمن تہذیب	کیسریا بیوروکریسی	غیر کیسریا بیوروکریسی موحد برہمن سماج
غیر برہمن تہذیب	نفاق گرفتہ معدودے چند اشخاص	مغربیت زدہ طبقات : اشتراکی ، لبرل دلت تحریکیں

خاکہ ۲ ہندتو لابی سے باہر کا ہندتو

سیاسی سطح پر صرف دو ہی مؤثر سیاسی رجحانات باقی رہ گئے ہیں : کانگریس کلچر اور ہندتو کلچر ۔ بقیہ تمام سیاسی رجحانات کو ناکارہ بنا کر رکھ دیا گیا ہے ۔ اس صورت میں کانگریس پارٹی کے بارے میں اگر بہت پر امید اور مثبت رائے کا اظہار کیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ اس کا رول مسلمانوں کے تئیں مثبت نہیں ہے تاہم وہ ایک "مثبت" کام میں لگی ہوئی ہے یعنی ایک ایسی "متحدہ" قومیت کی تشکیل کے کام میں جس کا خاکہ برطانوی استعمار نے مرتب کیا تھا ۔ ۱۸۷۷ء میں جب لارڈ لٹن کے دہلی دربار میں ہندوستان کے بیشتر اکابرین ہندوستان کے وائسرائے اور گورنر جنرل سے یہ اعلان نامہ سننے کے لئے جمع ہوئے تھے کہ ملکہ معظمہ وکٹوریہ نے "ملکہ ہند" کا لقب اختیار کر لیا ہے ، اس وقت اس بات کی ایک اور کوشش کی گئی تھی کہ ایک ایسا مذہبی فلسفہ مرتب کیا جائے جو ہندوؤں مسلمانوں ، عیسائیوں اور پارسیوں ـــــ غرض کہ تمام ہندوستانیوں کو یکساں طور پر قابل قبول ہو ۔ دیانند (سرسوتی) ، (سر) سید احمد (خاں) اور کیشب چندر سین ، ان لوگوں میں سے تھے جو اس کانفرنس میں شریک ہوئے تھے ۔ [۶]

کانگریس نے اپنے ابتدائی ایام سے ایک ایسا ہی مشترکہ کلچر قائم کرنے کی بیاہی کوششیں کی ہیں ، چونکہ کانگریس پر ہندوؤں کا غلبہ بھی رہا ہے اور برطانوی استعمار گاہے گاہے اسے اپنے مقاصد کے لئے اس کو سبوتاژ کرنے میں کامیاب بھی رہا ہے ۔ اس لئے بعض مسلم مبصرین کے نزدیک کانگریس پارٹی کو ہندو مذہب کے احیاء کی سب سے بڑی قومی تحریک ۔ [۷] کی حیثیت سے بھی دیکھا جاتا رہا ہے ۔ مثال کے طور پر تحریک خلافت کے دوران ہندو مہاسبھا وغیرہ کے جو اثرات کانگریس پارٹی پر حاوی ہو گئے تھے ، وہ آج تک ان اثرات سے پیچھا نہیں چھڑا پائی ہے ۔ چنانچہ کانگریس پارٹی سیکولر ہے بھی اور نہیں بھی ہے ، کیسریا جماعت ہے بھی اور نہیں بھی ہے ، ایک بااصول جماعت ہے بھی اور نہیں بھی ہے ـــ سب کچھ موقع کی "نزاکت" پر منحصر ہے ۔ کانگریس کی اس چال ڈھال سے اس کی امیج ایک موقع پرست جماعت جیسی بن گئی ہے جس کی وجہ سے جہاں ایک طرف ہندتو کی لابی کو یہ موقع ہاتھ لگا ہے کہ وہ عوام میں خود کو ایک "بااصول" اور "عملی" گروہ ("جو کہتے ہیں ، سو کرتے ہیں") ثابت کرنے کی مدعی ہے ، وہیں دیگر پارلیمانی پارٹیوں نے کانگریس پارٹی کی موقع پرستی اختیار کرنے میں ہی عافیت سمجھی ہے ۔

یہ ہے ہندوستان میں ہندتو کی موجودہ صورت حال کا ایک مختصر جائزہ ۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط ہوگا کہ ہندوستان پورے کا پورا ہندتو کے رنگ میں رنگ گیا ہے ۔ یہ صحیح ہے کہ ہندتو لابی نے خوشامد اور

لالچ یا مکر و فریب یا زبردستی ـــ جیسا موقع ہو ـــ کے ذریعہ اپنے حلقہ اثر میں زبردست اضافہ کرلیا ہے، لیکن اگر اس پورے دائرہ اثر پر بغور نظر ڈالی جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ اس دائرہ اثر کی زبردست اکثریت کی حیثیت محض ایک خاموش بھیڑ کی جیسی ہے جسے ہندتو کے متشدد کارکنان جس طرف چاہتے ہیں ہنکالے جاتے ہیں [خاکہ ۳] پھر یہ بھیڑ متحد الخیال گروہوں پر بھی مشتمل نہیں ہے بلکہ ان میں سے ہر گروہ یہ سمجھ رہا ہے کہ مناسب وقت پر وہ صرف اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے پوری بھیڑ کو استعمال کرنے میں کامیاب ہو جائے گا جیسا کہ تانترک احیاء کی تحریکوں کے ایک سرسری جائزہ سے ہی واضح ہو جاتا ہے۔ مقاصد اور دیرپا مستقبل کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اس بھیڑ میں سب سے زیادہ پھنسے ہوئے لوگ ہندو عوام اور ان کے تارک الدنیا سادھو اور سنیاسی ہی نظر آتے ہیں جن کی ہندتو لابی میں شرکت ہندو سماج کی بقا اور اس کی حفاظت کے نعروں کی وجہ سے ہی ممکن ہوئی ہے۔ ورنہ وہ نہ تو ہندتو کی جارحیت کو پسند کرتے ہیں اور نہ ہی مسلم سماج کے ساتھ ان کا رشتہ معاندانہ ہے۔

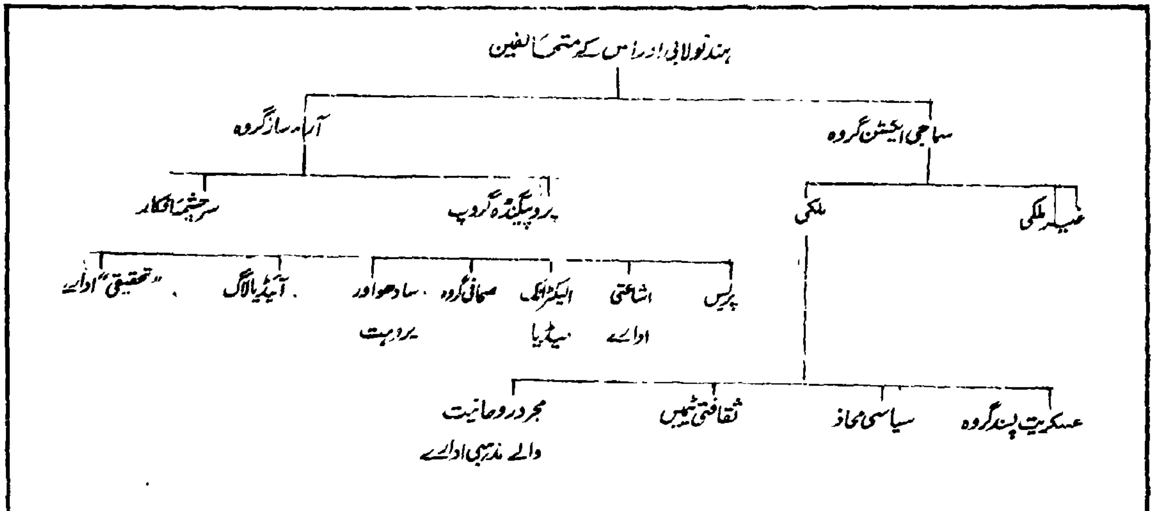
	خاموش بھیڑ	متشدد کارکنان
منظم جماعتیں	بیوروکریسی انتخابی سیاست والی پارٹیاں: کانگریس کمیونسٹ دیگر تانترک احیاء کی تحریکیں۔ ہندو احیاء پرست ویدانتی عیسائیت فری مسین تحریک	ہندتو لابی (جیسے "سنگھ پریوار" کہا جا رہا ہے)
منفرد ادارہ بند احیاء متحالفین	مسلم متصوفین سادھو اور سنیاسی ہندو عوام موقع پرست غیر ہندو	شنکر اچاریہ سوامی اور مہنت مسلم دشمن سیاسی پارٹیاں ہندو عسکریت پسند گروہ

خاکہ ۳: ہندتو کا دائرۂ اثر

شنکر آچاریوں اور سوامیوں اور مہنتوں کا متشدد ہندتو کے تئیں جھکاؤ کسی قدر "فطری" ہی کہا جائے گا کیونکہ اگر انھیں مسلمانوں سے نظریاتی ٹکراؤ کا ڈر ہے تو حکومت کی طرف سے انھیں یہ خدشہ ہے کہ ان کے مٹھوں کی جائیداد، ان کے یوگا ادارے اور ویدیو نیورسٹیاں کہیں ان کے قبضہ سے نکل کر سرکاری تحویل میں نہ چلی جائیں اور ان کی آمدنیوں پر کوئی سرکاری

قانون نافذ نہ ہو جائے۔ ان تمام افراد کو ہندتو کے دائرہ اثر سے خارج کر دیجئے تو بہت تھوڑے سے لوگ اس میدان میں باقی رہ جائیں گے اصلاً یہی لوگ ہندتو لابی کے دست و بازو ہیں اور ہندتو کا جارحانہ پروگرام انہی کے ذہنوں کی اختراع ہے۔ یہاں جن اداروں کا تعارف کرایا جا رہا ہے، وہ یہی ہندتو لابی ہے۔ آریہ سماج کا ذکر ان کے ساتھ ابتدا میں اس لئے شامل کر دیا گیا ہے کہ اس کے 'شدھی' پروگرام سے خواہ اس کے پیچھے نیت اور مقصد کچھ بھی رہا ہو، جارح ہندتو کی شروعات ہوئی تھی۔ اسی طرح ہندو مہاسبھا نے جارح ہندو سیاست کی داغ بیل ڈالی تھی بقیہ تمام ادارے براہ راست یا بالواسطہ طور پر راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کی

جارح ہندو تحریکوں کا سب سے بڑا کارنامہ ۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کو دیکھنے میں آیا تھا اور اس کے بعد سے ہی یہ ہندو عوام کی نظروں سے بھی اتر گیا ہے۔ برہمن قیادت ابھی تک معتوب نہیں ہو سکی ہے۔ شاید اس کی وجہ وہ مغالطہ ہو جو برہمنیت کے معنی اور اس کے انطباق میں پایا جاتا ہے۔ یہ ایک تفصیلی بحث ہے، یہاں پر اشارتاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ برہمن قیادت سے وہ قیادت مراد ہے جو "روح" (Born Again = (द्वि + ज = द्विज) ہوتی ہے۔ آنے والے دنوں میں کیا ہندتو کی یہ افرادی قوت کامیاب ہوگی یا پرامن ہندوستانی عوام؟ یہ ایک بنیادی سوال ہے جس پر ہندتو کی افرادی قوت کی تعین منحصر ہے لیکن اس کا جواب اس سوال پر منحصر ہے کہ ملک اور اس کے عوام کس



خاکہ ۲ : ہندتو کا تنظیمی ڈھانچہ

ہی توسیع مزید ہیں۔ چنانچہ درحقیقت یہ راشٹریہ سویم سیوک سنگھ ہی ہے جسے "سنگھ پریوار" کہا جا رہا ہے یعنی کام تو ہندتو کا ہے اور نام سنگھ پریوار کا۔

اس طرح دیکھیں تو ہندتو کی افرادی قوت کیا ہے؟ ہندتو کا وہ ابال جو ایک نظر میں تو ہندوستان گیر محسوس ہونے لگتا ہے، وہ اپنی اصل ابتدا کے اعتبار سے مٹھی بھر ہاتھوں میں ہی مقید ہے۔ اس جادو کی اصل کنجی راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے پاس ہے کیونکہ وہ "ہندوستان میں ہندو احیاء پرستی کے لئے کام کرنے والا سب سے بڑا اور سب سے مؤثر ادارہ ہے" [۸] اور یہ جادو تین کلیدی اجزاء پر مشتمل ہے؛ ہندتو کے لئے آراء سازی، جارح ہندو تحریکیں اور برہمن قیادت جنھیں کامل مہارت کے ساتھ ایک فعال نظم میں آراستہ کیا گیا ہے (خاکہ ۲) اس نظم کی باگ ڈور راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کی معرفت برہمن قیادت کے ہاتھوں میں ہے اور چونکہ وہ بہت تھوڑی تعداد میں ہیں، لہٰذا وہ ہندوستانی عوام کی نظروں سے دور رہ کر بھی انھیں متاثر کرنے میں کامیاب رہے ہیں بالخصوص اپنے آراء ساز اداروں اور افراد کے توسط سے۔

طرح کے جذبات کو قبول کریں گے، تشدد آمیز ہندتو یا امن و سلامتی؟

●●

حوالے

1. पान्चजन्य / 28 अक्तूबर 1990 / P 9
2. The Main Stream/16 Jan' 93/P 20-21
3. Dalit Voice/1-15 Jan' 93/P-5
4. Kuldip Nayar/The Contaminated Bureaucracy/ Radiance Weekly, 7-13 Feb'93/ P-3
5. عتیق الرحمٰن سنبھلی / راستہ کی تلاش / ص: ۱۴۲
6. Lala Lajpat Rai/The Arya Samaj: An Account of it Origin, Doctrine and Activities/P-6.
7. اشرف علی تھانوی / ملفوظات: حصہ اول
8. W.K. Anderson, S.D. Damle/The Brotherhood in Saffron: The Rashtriya Swayam Sewak Sangh and Hindu Revivalism/P-1

ہندتوکا طرزِ گفتار: انٹرویو اور بیانات

یاسؔ منصوری

[ہندتو کے جارحانہ پروگراموں کی نمائندگی کرنے والے اور اسے عملی سطح پر رنگ، روپ دینے والے بعض سرکردہ اشخاص کے انٹرویو اور بیانات کے کچھ اہم حصے ذیل میں درج کئے جارہے ہیں جن سے ان کی پالیسی، ترجمانی اور حکمت عملی کا سراغ لگایا جاسکتا ہے ان اشخاص میں زیادہ تر لوگ تو معروف ہیں۔ ایچ وی شیشادری (راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے کارواہک) لال کرشن اڈوانی (بھارتیہ جنتا پارٹی کے حالیہ صدر) مرلی منوہر جوشی (بھارتیہ جنتا پارٹی کے سابق صدر) راجیندر سنگھ عرف رجو بھیا (راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے جنرل سیکریٹری)، اٹل بہاری باجپئی (پارلیمنٹ میں حزب اختلاف کے حالیہ لیڈر) اور بھارتیہ جنتا پارٹی کے سابقہ ریاستی وزرائے اعلیٰ: سندرلال پٹوا (مدھیہ پردیش) اور بھیروسنگھ شیخاوت (راجستھان)، نیز اشوک سنگھل (وشو ہندو پریشد کے جنرل سیکریٹری)۔ نئے ناموں میں ایک ہیں جیوتر مٹھ کے شنکر آچاریہ سوامی واسودیو آنند سرسوتی جنھیں کاشی وشوناتھ مکتی یگیہ سمیتی کا صدر بنایا گیا ہے۔ دوسرا نام ایک غیر ملکی دانشور کا ہے۔ کوئن راد السٹ (Koenraad Elst) یوں تو فلانڈری (Flandres) کے کیتھولک عالم بتائے جاتے ہیں۔ لیکن وہ بھارتیہ جنتا پارٹی اور وشو ہندو پریشد کے زبردست مؤید ہیں۔ انھوں نے ۱۹۸۸-۹۱ء کے قیام ہند کے دوران بنارس ہندو یونیورسٹی سے ہندوستانی فلسفہ کی تعلیم حاصل کی ہے۔ وہ چینی اور ہندوستانی علوم شرقیات کے ماہر بھی ہیں، مشرقی فلسفہ، لسانی و تعلیمی مسائل اور ہم عصر سیاست کے موضوع پر انھوں نے ڈچ زبان میں متعدد کتابیں اور انگریزی زبان میں ایک کتاب اجودھیا کے مسئلہ پر بھی تصنیف کی ہے۔]

ایچ۔ وی۔ شیشادری

س:۔ اکثر ہم دیکھتے ہیں کہ راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے پروگراموں میں بھارتیہ جنتا پارٹی کے نیتا بھی سویم سیوک کے روپ میں آتے ہیں۔ براہ کرم سنگھ اور بھارتیہ جنتا پارٹی کے تعلقات کی وضاحت کیجئے۔

ج:۔ سوال میں ہی اس کا جواب پنہاں ہے۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کے کچھ نیتا سنگھ کے اچھے رُکن رہے ہیں۔ سویم سیوک رہے ہیں۔ کچھ تو پرچارک بھی رہے ہیں۔ اسی لئے وہ سنگھ پروگراموں میں آتے ہیں۔ "سنسکار" زائیدہ سنگھ کے سویم سیوک سماج کے مختلف میدانوں میں مثلاً طالب علم، استاد، محنت کش اور اعلیٰ عہدوں پر پہنچ کر وہاں جو مؤثر ہوں جما سکے ہیں تو اس کا سادہ سا سبب سنگھ ہی ہے ہندتو وادی ہونے کے ناطے مذہبی میدان میں، سماجی میدان میں عمدگی کے ساتھ تبدیلی لانے کا عہد کرکے کام کر رہے ہیں۔ اسی طرح سیاسی میدان میں بھی جو سویم سیوک روبہ عمل ہیں وہ بھی سنگھ کے "سنسکار" کے مطابق تبدیلی لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ سویم سیوک ہونے کی باعث ان کا مادری ادارہ تو راشٹریہ سویم سیوک سنگھ ہی ہے۔ انھیں "سنسکار" کی تعلیم وتربیت تو سنگھ کے سائے تلے ہی ملتی ہے۔ تو یہ فطری ہے کہ وہ اپنے مادری ادارہ کی سرپرستی میں رہیں۔

س:۔ سبھی دیوی دیوتا مسلح اور دشمنوں کو ہلاک کرنے والے ہیں، لیکن آج ہم گاندھی جی کے اصولوں کو نافذ کرنے کی سوچتے ہیں۔ کیا ایمرجنسی کے بعد جو "معاف کرو اور بھول جاؤ" کی بات کہی گئی تھی، اسے چھوڑ کر کارسیوکوں پر مظالم کرنے والوں پر کوئی بھی کارروائی نہ کرنا، کیا دوسرے فلسفہ کا اظہار نہیں کرتا؟

ج:۔ دیوی دیوتاؤں کا ہتھیار اختیار کرنا اس بات کی علامت ہے کہ اس وقت اُسروں (غیر دیوتاؤں) کو ہلاک کرنا انتہائی ضروری تھا۔ اس لئے وہ ہتھیار اختیار کرتے تھے اور اس کا استعمال بھی کرتے تھے لیکن آج کی دنیا میں عوامی حکمرانی کی جو دھارا بہ رہی ہے، اس میں سب سے اہم ہتھیار ہمارے پاس ہے۔ وہ ووٹ ہے۔ اس حربہ سے تمام ظالم لوگوں کو تباہ کیا جاسکتا ہے۔ ان تمام ظالموں کا نکتۂ اقتدار بس اقتدار ہے۔ اگر اقتدار ان سے چھین لیا جائے تو ان کی حالت موت سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہوجاتی ہے۔ اگر انھیں کسی اسلحہ سے ماریں گے تو یہ ان کے لئے سود مند ہوگا کیوں (اس صورت میں) وہ "شہید" بن جائیں گے۔ [1]

ہندو مہا شکتی

آج مسلم قیادت کے لئے حالات نے ایک نیا موڑ لیا ہے۔ اب یہ زیادہ تر صرف سیاسی لیڈروں پر ہی دھونس جمانے کا سوال تھا۔ اب پہلی بار کسی مسئلہ پر بیدار ہندو قوت کے ساتھ آمنے سامنے لوہا لینے کا موقع آیا ہے اور اپنی ساری ڈینگ بازی اور تلواروں کی چمک کی نمائش کے باوجود وہ اپنے دل میں جانتے ہیں کہ اگر ٹکراؤ کا فیصلہ کیا تو ان کے محفوظ رول کی زمین بھی کھسک جائے گی۔ عام مسلم جنتا نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا ہے کہ ان کے مذہبی سیاسی ڈھنڈورچی اپنی مہم اقتدار میں انھیں اپنی عید کا بکرا بنا رہے ہیں۔

ہندو شکتی جو آج تک صرف سماجی۔ مذہبی میدان میں ہی ظاہر

ہوتی تھی، آج بھارتیہ جنتا پارٹی کے صدر مسٹر ایڈوانی رتھ یاترا کا روپ اختیار کرکے سیاسی میدان میں بھی متشکل ہوگئی ہے۔ ہندو عزم صمیم زیادہ سے زیادہ تیز تر اور بالغ ہوتا جارہا ہے۔ ہندو رائے عامہ زیادہ سے زیادہ مضبوط ہوتی جارہی ہے۔ کیوں کہ مدتوں سے جس تاریخی گھڑی کا انتظار تھا وہ آج آپہنچی ہے اور ساری ہندو دشمن طاقتوں سے پورا پورا حساب چکانے کا موقع زیادہ سے زیادہ قریب ہوکر سامنے آتا جارہا ہے۔ اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ جیسے ہی سرکار یہ طے کرے گی اور اس کا اظہار بھی کردے گی کہ وہ نظم و نسق کی حفاظت کرنے میں کسی واہیات فعل کو برداشت نہیں کرے گی، تو مسلمانوں کے کٹر وادی عناصر کی ساری سیاسی اکڑ فوں نکل جائے گی۔ گاندھی جی کا مشہور مقولہ ہے: "ایک اوسط ہندو بزدل ہوتا ہے اور مسلمان دادا"۔ "جب تک بزدل ہے دادا بنے رہیں گے۔" [2]

لال کرشن ایڈوانی

س:- آپ کا یہ بیان ریکارڈ میں ہے کہ یہ مسئلہ عدالت کے دائرہ کار سے باہر کا ہے؟

ج:- میں نے یہ نہیں کہا ہے۔ جہاں تک عدالت کا تعلق ہے، میں بیان دینے میں بہت موزوں الفاظ استعمال کرتا رہا ہوں۔ میں نے یہ کہا ہے کہ اس قسم کا مسئلہ Judicially determinable (ایک ذو معنی اصطلاح) نہیں ہے۔ میں جس اصول کی ترویج کر رہا ہوں، وہ خانقاہ بل میں موجود ہے۔

س:- ایک کثیر المذاہب سماج میں جیسا کہ ہندوستان میں ہے، آپ کی پارٹی تمام شہریوں کے لئے یکساں سول کوڈ کا مطالبہ کرتی رہی ہے۔ اب اگر مسلم یہ اصرار کرنا شروع کردیں کہ یہ پرسنل لا یا شریعت قانونی عدالتوں میں قابل سماعت نہیں ہیں ------

ج:- براہ مہربانی دونوں باتوں کو ایک میں مت ملائیے۔ اگر عدالت میں مسئلہ جاتا ہے کہ یہ بال محمدؐ کا ہے کہ نہیں، تو میں کہوں گا کہ یہ مسئلہ عدالت کے ذریعہ ختم نہیں کیا جاسکتا۔ اس سے یکساں سول کوڈ کے بارے میں میرا موقف کیونکر متاثر ہوتا ہے؟ [3]

مرلی منوہر جوشی

س:- گذشتہ دو برسوں میں بھارتیہ جنتا پارٹی کا بظاہر ایک ہی نعرہ رہا ہے: اجودھیا مسئلہ۔ کیا یہ پارٹی کو آگے لے جانے کے لئے مناسب ہے؟

ج:- اجودھیا ہمارے لئے ایک نعرہ نہیں ہے کیونکہ ہم رام، روٹی اور انصاف پر مبنی فلسفہ کے طرفدار ہیں۔ رام کوئی ہندو مسلم کا سوال نہیں ہے اور نہ ہی یہ مسجد مندر کا سوال ہے۔ یہ قوم کے تشخص اور عزت نفس کا سوال ہے۔ چنانچہ جب ہم کہتے ہیں رام تو یہ اجودھیا کا محدود سوال نہیں ہے۔ رام ان بنیادی اصولوں کا ایک وسیع تر سوال ہے جس پر ہندوستانی قومیت قائم ہے۔ یہ ہندوستانی قوم پرستی کی بنیاد کا پتہ ہے۔ چنانچہ جب ہم کہتے ہیں کہ ہم اجودھیا میں رام مندر پھر سے بنانا چاہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ہندوستان کی عظمت رفتہ اس کی وراثت اور اس کی تاہنوز خوابیدہ صلاحیتوں کی بنیاد پر تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اس توانائی کو راشٹر کی ترقی کے لئے پروان چڑھانا چاہتے ہیں، اس لئے ہم اسے روٹی کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رام اور روٹی باہم مربوط ہیں۔ انصاف کا مطلب ہے اس قسم کا سماج جس میں ہر شہری خود کو اس عظیم راشٹر کا جزو محسوس کرے۔

س:- ایک ایسی پارٹی کی حیثیت سے جو مرکز میں اقتدار حاصل کرنے کا ارادہ رکھتی ہے، کیا آپ کو کل ہند بنیادیں اور حمایت حاصل ہیں؟

ج:- اگر آپ کا مطلب ہے پارٹی کی توسیع تو میں کہوں گا کہ شاید بھارتیہ جنتا پارٹی واحد پارٹی ہے جس کی وسعت سب سے زیادہ ہے۔ اب اس توسیع کو انتخابی منافع میں تبدیل کرنا باقی رہ گیا ہے۔ [5]

س:- ڈنکل تجاویز کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

ج:- جس شکل میں ڈنکل تجویز آج ہے، اس کو جوں کا توں تسلیم کرنا ممکن نہیں ہے لیکن بھارت کے سامنے یہ متبادل بھی نہیں ہے کہ وہ کسی بھی طرح کے سمجھوتہ کو ماننے سے انکار کردے۔ [6]

س:- کانگریس نے تروپتی اجلاس میں بھارتیہ جنتا پارٹی پر زوردار حملہ کیا ہے، اس کا آپ کیا جواب دیں گے۔ آپ کے پاس کیا حکمت عملی ہے؟

ج:- ہم اس بات کا زور شور سے پروپیگنڈہ کریں گے کہ کانگریس خود آپ میں سب سے بڑی فرقہ پرست تنظیم ہے۔ اسی نے مذہب کی بنیاد پر ملک کی تقسیم قبول کی تھی۔ اسی نے پہلے مسلم لیگ کے ساتھ کر سرکار بنائی۔" [7]

اٹل بہاری باجپئی

[لال کرشن ایڈوانی سے قبل اٹل بہاری باجپئی ہندتو کے خیمہ میں لفظی بازیگری کیلئے مشہور تھے۔ وہ اچھے مقرر بھی ہیں اور سخت گیر ہندتو کو نرم پیرایہ میں پیش کرنے کے ماہر بھی۔ ایک زمانہ میں انھیں ملک کے آئندہ وزیر اعظم کی حیثیت سے ابھارا گیا تھا۔ اس بار جنوری ۹۳ء والے ماحول میں جب کسی نے ان سے اس امکان کے بارے میں سوال کیا تو ان کا جواب تھا: میں وزیر اعظم بننے کا بہت انتظار کرچکا۔

باجپئی کے بیانات اور انٹرویوز میں اسی طرح کی طراری ہوتی ہے۔ لیکن ان کے اصل خیالات، نظریات اور حوصلے کیا ہیں؟ اسے سمجھنے کے لئے "دا وائس" (۱-۱۵ فروری ۹۳ء) پڑھئے:

باجپئی کو "میانہ رو" ہونے کی وجہ سے سندھی ایڈوانی وغیرہ کے مقابلہ میں "درکنار شدہ" بتایا جارہا ہے۔ "آریہ" جو اپنی جاتی کے غیر تنخواہ دار ایجنٹ ہیں، وہ باجپئی کو ایسا بنانے میں پاگل نہیں ہیں۔ ان کے پاگل پن میں ایک ترکیب ان کی تصویر "اقلیت دوست"، "گاندھی وادی"، "ہر دلعزیز محب ... و جمہور

پسند" اور "معروف عالم"، کی بنائی جارہی ہے۔ ان کی تعریف میں کوئی لفظ باقی نہیں بچا ہے۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بابری مسجد کے انہدام کے خلاف ہیں؟ نہیں۔ کیا وہ منڈل حامی ہیں؟ نہیں۔

پھر اس راز کے پردہ میں کیا ہے؟ اس ہندو نازی پارٹی میں جسے ہندو برہمن چلا رہے ہیں۔ دو "چوٹی" کے لیڈر ہیں۔ ایل۔ کے۔ ایڈوانی اور باجپئی۔ ان میں سے موخرالذکر ایسا ہے جس میں "سوشلسٹ برہمن" کے سارے گن موجود ہیں۔ دغابازی، فریب دہی اور ملک کی قیادت۔]

ماحولیات

اصل میں ہندو نظریۂ حیات ہی ریو کانفرنس کی راہبری کر سکتا ہے۔ بھارت میں ماحول شروع سے ہی زندگی کا جزو رہا ہے۔ ماحولیاتی فکر بھارت کے عام شہری کے روزمرہ سے جڑی ہوئی ہے۔ مثال کے طور پر کچھ خاص موقعوں پر پیڑ لگانا۔ (شرادھ یا مندر تعمیر کی یاد میں) ندی میں نہاتے وقت پیشاب پاخانہ کرنے کی ممانعت۔ نہا کر نکلو تو ایک مٹھی بھر ریت لیتے آؤ۔ گھر صاف رکھنا، تلسی کا پیڑ لگانا۔ یہ سب عام زندگی کو فطرت سے جوڑ رکھنے کی کوششیں تھیں۔ لیکن ایک ایسا وقت آیا جب مغربی اثرات کی وجہ سے ہم نے یہ نظریہ چھوڑ دیا۔ یہ سب باتیں پونگا پنتھی کہی جانے لگیں۔

ہم نے گائے کو ماں مانا۔ ہم چیونٹی کو آٹا کھلاتے ہیں۔ سانپ کو دودھ پلاتے ہیں اور چوہے کو لڈو کھلاتے ہیں۔ یہ ماحول کو متوازن بنائے رکھنے کے فلسفہ کا اثر ہے۔ اب دیکھئے بٹ ساوتری کا برت ہوتا ہے۔ اس کی کتھا کا سیدھا سا مطلب یہ ہے کہ ستیہ وان نے اتنے زیادہ پیڑ کاٹ دیئے تھے کہ وہ بچ نہ سکا۔ پھر اس کا جیون دان دینے کے لئے ساوتری نے کوشش کی۔ تب یہ طے ہوا کہ پیڑوں کو بچانا چاہئے۔ [8]

راجیندر سنگھ

س :۔ وزیر اعظم کو آپ کیا قرار دیتے ہیں؟

ج :۔ میرا خیال ہے کہ وہ ایک عمدہ آدمی ہیں۔ وہ وشوناتھ پرتاپ سنگھ سے بہتر ہیں لیکن وہ فیصلے نہیں لے سکتے۔ اور عوام فیصلوں پر نظر رکھتے ہیں۔ ان کی پارٹی میں بھی کچھ کانٹے ہیں۔

س :۔ کون ہیں وہ "کانٹے"

ج :۔ مثال کے طور پر مسٹر ارجن سنگھ مزید برآں کمیونسٹ لیڈران مسٹر ہرکشن سنگھ سرجیت اور مسٹر جیوتی باسو۔ یہ موخرالذکر پہلے کہہ رہے تھے کہ آرٹیکل ۳۵۶ کو ختم کر دینا چاہئے اور اب اس کی اجازت یقینی بنا رہے ہیں۔

س :۔ کیا آپ یہ سوچتے ہیں کہ بھارتیہ جنتا پارٹی آئندہ اقتدار میں آجائے گی؟

ج :۔ اگر انتخابات جلد ہوتے ہیں، تو ہاں۔ لیکن اگر تاخیر ہوئی تو کچھ مسائل ہو سکتے ہیں۔ لیکن پھر کانگریس کب تک چلتی رہے گی۔ اختلافات

بہت زیادہ ہیں۔ دراصل میں نے مسٹر نرسمہا راؤ سے کہا تھا: "تم اب ایک بوڑھے آدمی ہوگئے ہو اور تم مندر مسئلہ میں ایک (اہم) خدمت انجام دے سکتے ہو"، خیر اسے چھوڑیئے اس نام نہاد مسئلہ کی طرف آتے ہیں۔ اسے (۲) طرح دیکھئے۔ کانگریس نے تالا کھلوایا۔ کانگریس نے شلانیاس کرایا...... [۹]

سندر لال پٹوا

س:- آپ کہہ چکے ہیں کہ بھوپال فسادات کے پیچھے ایک سازش تھی۔ کیا آپ وضاحت کریں گے؟

ج:- ۶ دسمبر کی شام بلکہ ۷ دسمبر کی صبح تک ہر جگہ امن تھا۔ بچے اسکول جا رہے تھے، لوگ کام پر جا رہے تھے۔ لیکن اچانک ۷ دسمبر کی صبح بہ یک وقت ۲۵ مقامات پر حملے شروع ہو گئے، سب ایک ہی طرح سے۔ ایک ہی تکنیک میں۔ بے شک یہ منصوبہ بند کارروائی تھی تاکہ بھارتیہ جنتا پارٹی کی حکومتوں کی امیج خراب کی جاسکے۔ اور انجام کار انھیں رخصت کر دیا جائے۔

س:- لیکن سینٹرل پولس افسران کی تعیناتی کے بعد بھی چار دنوں تک فسادات جاری رہے۔ وجہ؟

ج:- دیکھئے ہم سب انسان ہیں۔ ہم سب سے غلطیاں ہوسکتی ہیں، صورتِ حال پر قابو پانے کے لئے مناسب فورس نہیں تھی۔ اس حالت میں جو کچھ کیا جاسکتا تھا، کیا گیا۔ لیکن پھر بھی فسادات اس پیمانہ تک نہیں بڑھے جتنے کہ مہاراشٹر، گجرات اور دیگر غیر بھاجپائی حکومتوں میں ہوئے۔ میری اطلاع کے مطابق دہلی میں تین دنوں تک بھاجپائی حکومتوں کو برخاست کرنے کی بحث چلتی رہی۔ وزیر اعظم اس مباحثہ میں یہی کہتے رہے کہ اگر فسادات کو ہی برخاستگی کا سبب بنانا ہے تو پہلے مہاراشٹر کو برخاست کرنا ہوگا، پھر گجرات کو، اور گجرات تو اس فہرست میں چھٹے، ساتویں نمبر پر ہے۔

س:- ارجن سنگھ نے کہا ہے کہ ایک سال کے اندر انتخابات ہوں گے ــ آپ ان چالوں کا مقابلہ کیسے کریں گے۔

ج:- عوام کے پاس واپس جائیں گے۔ آپ نے کل ریلی میں دیکھا لوگوں کا ردعمل کیسا تھا؟

س:- لیکن کیا یہ ردعمل فرقہ واریت میں رنگا ہوا نہیں ہے؟

ج:- فرقہ واریت کیا.... مجھے بتایئے یہاں کون فرقہ پرست نہیں ہے؟ میں آپ کو پوری ذمہ داری کے ساتھ بتا سکتا ہوں کانگریس اس ملک کی سب سے زیادہ فرقہ پرست تنظیم ہے۔ شاہ بانو کیس کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیرالا میں مسلم لیگ کے ساتھ حکومت سازی؟ میزورم میں کیا ہوا؟ بائبل کے مطابق عیسائی راج کے وعدے.... ان لوگوں نے ملک کے عوام کو تقسیم کر دیا ہے...... [10]

بھیروں سنگھ شیخاوت

س:- کیا آپ کے خیال میں اجودھیا سانحہ کو ٹالا جاسکتا تھا؟

ج:- وزیر اعظم اگر بر وقت فیصلہ لیتے تو اجودھیا کی بدقسمت پیش رفت کو یقیناً روکا جاسکتا تھا۔

س:- یہ رپورٹ ہے کہ دہلی کی میٹنگ سے اٹل بہاری باجپئی واک آؤٹ کر گئے تھے؟

ج:- نہیں، یہ واک آؤٹ بہرحال نہیں تھا۔ اٹل جی جلدی جانا چاہتے تھے کیوں کہ گوالیار میں ان کی فیملی میں کوئی فنکشن تھا۔

س:- کیا آپ مذہبی خطوط پر ارتکاز کے خواہاں ہیں؟

ج:- مذہبی خطوط پر ابھی جو ارتکاز ہوا ہے، یہ مستقل نوعیت کا نہیں ہے؟ ہم جس چیز کا خیر مقدم کرتے ہیں وہ ہے "بی۔ جے۔ پی۔ بنام بقیہ سب" کی ابھرتی ہوئی صورتِ حال جو انجام کار سیکولر بی۔ جے۔ پی۔ بنام دیگر نقلی سیکولر پارٹیاں" بننے والی ہے۔ [11]

اشوک سنگھل

س:- ہندو راشٹر بھارت میں غیر ہندوؤں کا کیا مقام ہے؟

ج:- لفظ ہندو کسی مذہب کا مظہر نہیں ہے۔ کسی پنتھ یا فرقہ کا مظہر نہیں ہے۔ لفظ ہندو راشٹریتا کا مظہر ہے۔ جرمن، فرانس، برطانیہ کوئی مذہب نہیں ہے، یہ راشٹر ہیں۔ ویسے ہی ہندو کوئی مذہب نہیں ہے

یک تہذیبی دھارا ہے۔ یہ تہذیبی دھارا پورے راشٹر اسے یک
ہ ہے۔ یہاں بہت سے لوگ اپنے کو ہندو نہیں کہتے۔ بھارت کے ہندو
اج کے مختلف پنتھوں کو پچھلے دو سو برسوں سے انگریزوں کے ذریعہ یہ
بھلانے کی کوشش کی گئی کہ آپ ہندو نہیں ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد
ندو نہیں تھے۔ ان کی اسی علیحدگی پسندی سے پاکستان کا جنم ہوا۔
ہی مسلمان ایسے ہیں جنھیں اپنی پرانی شناخت کا احساس نہیں ہے
ت کافی مسلمان ایسے ہیں جنھیں اپنی ہندو شناخت کا احساس ہے۔
کو یہ بتانے میں کچھ وقت لگے گا کہ وہ ہندو سماج ہی کا ایک حصہ ہیں۔
ں سماج سے ان کا گہرا تعلق ہے۔ ہماری ہندو سنسکرتی اتنی فراخ
ہے کہ ایسے سبھی لوگوں کو اپنے میں سمو سکتی ہے۔ دونوں سماجوں کے
میان مصنوعی فرق ہے۔ اسی فرق کو مٹایا جا سکتا ہے۔
دشو ہندو پریشد کا آندولن جس رفتار سے بڑھ رہا ہے اور سیاسی
ول کو بدلنے کی کامیاب کوشش کر رہا ہے، کیا اس سے مستقبل میں
ب دھرم راج کے قیام کا امکان نہیں ہے جس سیاست میں
ادھوؤں اور سنتوں کا آخری حکم ہی قانون ہوگا؟
ہ دھرم راجیہ ہوگا، مذہبی راجیہ نہیں۔ سارے مذہبوں کا ایک ہی
رم ہے۔ ہندو دھرم سچے معنیٰ میں انسانیت کا دھرم ہے۔ اس کی
ح کا دھرم راج رام راجیہ ہوتا ہے۔
وہ کون سا راستہ ہے جو دیش کو بچا سکتا ہے؟
شٹریہ سویم سیوک سنگھ نے اب تک اس دیش کو، اس کی سنسکرتی کو
ر روایات کو نیز اس کی بنیادی شناخت کو بچائے رکھا ہے۔ اس دیش
بچانے کے لئے راشٹریہ کردار سے معمور سماج کی ضرورت ہے، معیاری
راد کی ضرورت ہے۔ ایسے معیاری افراد صرف سنگھ کی شاکھاؤں میں
ار ہو سکتے ہیں۔ یہی ایک راستہ ہے جو دیش کو بچا سکتا ہے۔ [12]
پ کے انوشٹھان (مندر کے لئے یگیہ) کا پروگرام کیا ہے؟
ہندو فرقے کے بڑے بڑے گروہ۔ جن میں سکھ، بودھ، آریہ سماجی
غیرہ یگیہ کریں گے۔ مثلاً وشنو مہا یگیہ، رُدر اور مہی رُدر۔ گرو گرنتھ کا پاٹھ
ی ہوگا۔

یہ سب رام مندر کی مجوزہ تعمیر سے کیا تعلق رکھتا ہے؟
تعلق؟ دیکھئے، بدھ اکچھا واکو پرمپرا میں پیدا ہوتے تھے۔ گرو نانک
یوکش پرمپرا کے ہیں، گرو گوبند سنگھ لو (Lav) پرمپرا کے۔ لہٰذا سکھ
ودھ اور جینی سب رام سے جڑے ہوئے ہیں۔
۔ آپ کہتے ہیں کہ عدالت کا حکم نہیں مانیں گے۔
___ کیا یہ دستور کی خلاف ورزی نہیں ہے؟
دیکھئے عدالت خود دستور کی خلاف ورزی کر رہی ہے۔ وہ ایک ایسا
معاملہ سماعت کر رہی ہے جو وہ نہیں کر سکتی۔ دستور کے مطابق وہ
لوگوں کے عقائد کے بارے میں سماعت نہیں کر سکتی۔ لہٰذا اگر عدالتیں
دستور کی خلاف ورزی کر رہی ہیں، تو ہم لحاظ رکھیں۔

سوامی واسودیو آنند سرسوتی

س :۔ آپ کو ایک بار پھر ایک اہم آندولن سے کیوں جوڑا گیا ہے؟
ج :۔ ہم بھارت واسی ہیں اور ان میں بھی سناتن دھرمی۔ سناتن دھرم کے اندر آنے والے فرقوں میں جیوتر مٹھ کا شنکر آچاریہ ہونے کے ناطے شمالی ہند کی تمام زیارت گاہیں میرے حلقۂ اختیار میں آتی ہیں، جن کے مسائل پر غور کرنا اور ان کے حل کی کوشش کرنا ہمارا مقدس فریضہ ہے۔ اسی مقصد کی تکمیل کے لئے کار سیوا کا فریضہ میرے سپرد کیا گیا ہے اور اب بارہ جیوتر لنگوں میں ممتاز جیوتر لنگ وشوناتھ جی کے مندر کے اُدّھار کا فریضہ بھی مجھے سونپا گیا ہے جو کہ اس وقت ٹوٹ کر مسجد کی شکل میں دکھائی پڑ رہا ہے۔
س :۔ وشوناتھ مندر کو آزاد کرانے کے لئے چلائے جانے والے آندولن کا روپ کیسا ہوگا؟
ج :۔ ہمارا پہلا نشانہ جنم بھومی مندر کی باز تعمیر شروع کرانا ہے۔ اس کے بعد اس کی منصوبہ بندی کی جائے گی۔ ویسے میں نے اس سمیتی کی تنظیم کی ذمہ داری اشوک سنگھل کے سپرد کی ہے جو ہمارے مشورہ سے سمیتی قائم کریں گے۔
س :۔ اترپردیش کی بھاجپائی حکومت سے کیا سنت سماج خوش ہے؟
ج :۔ بھاجپا سرکار کی سرگرمیاں قابلِ اطمینان ہیں؟ آج تک کسی بھی سرکار نے

اس طرح کھل کر دھرم کی تائید نہیں کی ہے۔ [13]

کوئن راواسٹ

س:۔ بلجیم کے شہری کی حیثیت سے آپ اجودھیا تنازعہ میں اس حد تک کیوں کر ملوث ہو گئے کہ آپ ہندو ازم کے ایک زبردست وکیل بن بیٹھے؟ اس عقیدہ میں آپ کو کیا کشش محسوس ہوئی؟

ج:۔ میں ابھی مطمئن نہیں ہوں کہ میرے لئے ہندو عقیدہ میں کوئی کشش ہے۔ جب میں ۱۹۸۸ء میں پہلی مرتبہ یہاں آیا تھا تو میرے ذہن میں کوئی فرقہ وارانہ خلش نہیں تھی۔ جس چیز نے مجھے واقعی حساس بنا دیا وہ سیتارام گوئل کی کتاب "ہندو عیسائی تصادمات کی تاریخ" تھی۔ میرا خیال ہے کہ گوئل اور رام سروپ جیسے لوگ ایک تاریخی کام کر رہے ہیں، وہ پہلے شخص ہیں جو اسلام، عیسائیت اور مارکسزم کے مسلسل حملوں کے مقابل مشرکانہ (Pagan) نکتہ نظر پیش کر رہے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ واحد وہی لوگ ہیں جنھوں نے اس بحث کو صحیح سطح یعنی نظریاتی سطح پر رکھا ہے۔

راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے پاس جذباتی وطن پرست ہیں لیکن یہ وقت کا تقاضہ نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں: "ہم عیسائیت اور اسلام کے مخالف ہیں کیوں کہ یہ بیرونی مذاہب ہیں، لیکن اشو یہ نہیں ہے۔ اسلام کو مسترد کرنے کی بہت سی مناسب وجوہات ہیں، اگرچہ میں یہ بات عیسائیت کے بارے میں کہنے میں دقت محسوس کرتا ہوں۔ بیرونی پن کوئی نکتہ نہیں ہے۔ پارسی اور یہودی یہاں رہتے رہے ہیں، وہ کوئی مسئلہ نہیں بنے۔ وہ وفادار تھے۔ درحقیقت مسئلہ مسلمان بھی نہیں ہیں بلکہ یہ تو ان کا عقائدی نظام ہے جو انسانیت کو منتخب اور مردد یعنی مشرکوں میں تقسیم کرتا ہے۔ اس عقیدہ سے جنگ کرنی چاہئے۔

س:۔ اجودھیا تنازعہ میں آپ کہاں سے در آئے؟ وہ جو آپ کی تصنیف ہے: رام جنم بھومی بنام بابری مسجد؟

ج:۔ وہ کتاب اب پرانی ہو چکی ہے۔ جب وہ شائع ہوئی تھی تب سے اب تک بہت کچھ بحث ہو چکی ہے۔ بہت سے تاریخ داں نئی چیزیں پیش کر چکے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وشو ہندو پریشد نے 1991ء میں سرکاری بحث کے دوران تمام ضروری شواہد پیش کر دیئے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ علمی پہلو بہت کمزور ہے تو میں نے سوچا کہ میں بھی کچھ تعاون کر دوں۔

س:۔ آپ کے خیال میں یوروپ اسلامی فنڈامنٹلزم کے مسئلہ سے کس طرح نبرد آزما ہو سکے گا؟

ج:۔ ہاں ہم اس مسئلہ میں پڑ گئے ہیں۔ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمیں انھیں باہر نکال دینا چاہیئے۔ برطانیہ کے زیادہ تر مسلمان برطانوی شہری ہیں۔ اسکا واقعی مطلب ایک ہی ہے اور میرے خیال سے وہ ہندوستان کیلئے بھی موزوں ہے۔ اور وہ ہے تعلیم۔ لوگوں کو اس محدود مذہب سے باہر نکالنا ہے کہ انسانیت اس شرط پر منقسم ہے کہ آپ محمدؐ پر ایمان رکھتے ہیں کہ نہیں۔ اور یہ کہ اسی بات پر ابدالآباد تک کے لئے جنت یا دوزخ کا فیصلہ ہونا ہے۔

پانچویں اور چھٹے عشرہ میں ایران اور مصر میں ماقبل اسلام تہذیب کے تئیں بڑی رغبت پائی جاتی تھی۔ وہاں پر مغربی اثرات حاوی تھے جسے وہ ترقی کہتے تھے، غیر ملکی تسلط نہیں کہتے تھے۔ ترکی کو لیجیے۔ وہ مغربیت یا جدیدیت کے خواہاں تھے۔ میرا خیال ہے کہ یہ عمل دوبارہ زندہ کیا جا سکتا ہے۔

س:۔ رام جنم بھومی آندولن میں کیا آپ یہ سوچتے ہیں کہ بھارتیہ جنتا پارٹی کی اترپردیش میں حکومت بن جانے سے کوئی کیفیاتی تبدیلی آئی ہے؟

ج:۔ میرے لئے یہ ایک علامتی مسئلہ ہے۔ ہندو تنظیموں کے لئے اس سے بھی زیادہ اہم دوسرے کام کرنے کو ہیں۔ مثلاً دستور ہند کی بعض دفعات جو ہندوؤں کے خلاف متعصبانہ ہیں۔ اور یہ پورا میڈیا اور تعلیم پر ہندو دشمنوں کا کھلم کھلا کنٹرول۔ لہٰذا مندر کی کوئی جلدی نہیں ہے۔

یہاں پر میں ہندو راشٹر کی سرگرمیوں کے بارے میں کچھ کہنا چاہوں گا۔ بیرونی دنیا پر یہ بات عیاں ہے کہ ہندوستان کے وجود کی واحد وجہ ہی یہ ہے کہ یہاں پر ہندو ازم موجود ہے۔ لوگوں کو یہ توقع تھی کہ ۱۹ ویں صدی میں یہ ملک تبدیلیٔ مذہب کی نذر ہو جائے گا اور پھر مذہبی خطوط پر تقسیم ہو جائے گا۔ شمال مشرق عیسائی، ایک سکھ ریاست اور کچھ مسلم ریاستیں وغیرہ۔ ایک شخص ہماچل سے اور ایک شخص کیرالہ سے ایک ہی ریاست میں کیوں رہنا چاہے گا سوائے مشترک تہذیبی ورثہ کے۔ بایں معنیٰ ہندوستان ایک ہندو راشٹر کے سوا اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر ہندو ازم رخصت ہوا تو ہندوستان گیا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ علیٰحدگی پسندی کی تمام تحریکیں ہندو مخالف رہی ہیں۔

●●

حوالے:

1 — पाञ्चजन्य / 3 नवम्बर १९९१ / P. 17, 20
2- पाञ्चजन्य / २८ अक्तूबर १९९० / P.8
3- Frontline / Oct 26-Nov 8, 1991 / P. 10, 11
4- افکار / اپریل ۱۹۹۲ء / صہ ۴۹-۵۰
5- Hindu / 11 Dec. 1991 / P.8
6- पाञ्चजन्य / २२ मार्च १९९२ / P.11
7- पाञ्चजन्य / १० मई १९९२ / P.2
8- पाञ्चजन्य / १४ जून १९९२ / P 3
9- Frontline / 15 Jan 1993 / P.14
10- 1 bid —, P.29
11- Ibid — P- 31
12- पाञ्चजन्य / 3 नवम्बर १९९१ / P.8, 14
13-
14- Sunday Mail / March 15-21, 1992 / P.4

ہندتو کا صحافیانہ مزاج

محمد رئیس

ہندتو سے وابستہ صحافیوں نے اس معتبر فن کو تحریف عن المواضع کا بدترین فن بنا دیا ہے حالیہ ایام میں اس کی ابتدا ہندوستانی صحافت میں ارون شوری کے داخلے سے ہوئی تھی۔ بعد میں لال کرشن ایڈوانی کی دوہری لفاظی نے تو اس فن کے جوہر ہی کھو دیے اور ایک سے ایک صاحب حرفت نے داد قلم دینا شروع کر دی۔ تحریف کے اس رخ کا احاطہ یہاں ممکن نہیں، البتہ کچھ ایسی تحریروں کو یہاں پیش کیا جا رہا ہے جو سیاہ کو سفید بنا کر پیش کرتے کا نمونہ معلوم ہوتی ہیں۔ یہی انداز ہندتو کی بیشتر تحریروں میں غالب رہتا ہے۔

رام گوپال کا اپنا نجی تصنیفی ادارہ ہے اور وہ تاریخ کی "مشترکہ تعبیر" کا ممتاز کارنامہ انجام دے رہے ہیں۔ جگ موہن دہلی میں تیلیان سپھاٹک اور کشمیر کے سانحوں کی وجہ سے سب کو یاد ہوں گے ہی۔ سوپن داس گپتا روزنامہ ٹائمز آف انڈیا کے سینیر ایڈیٹر ہیں اور ان دنوں آر ایس ایس اور اس کے حلیفوں کی "صحت مند تنقید" کا فریضہ انجام دے رہے ہیں کیونکہ کانگریس کے متبادل کے طور اب یہی لوگ "ہندوستان کا بندوبست سنبھالنے والے" ہیں۔ چندن مترا اور رسید نقوی فری لانس صحافیوں کی حیثیت سے ہندتو کی حمایت کرتے رہے ہیں۔ ہماچلی ادم پرکاش شرما سات سمندر پار لندن سے ہندستان کے ہندتو لابی کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے ہیں۔ سید ناکر بھالے، مظفر حسین راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے قریب اور اس کے ترجمان "پانچ جنیہ" کے مضمون نگاروں میں سے ہیں۔

رام گوپال: بنیاد پرستی کے اسیر

۲۵ اپریل کو علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں مرکز فروغ تعلیم و ثقافت کی جانب سے ہندوستانی مسلمانوں کی موجودہ حالت، ان کی تاریخ سماج اور ثقافت پر غور فکر کی غرض سے ایک سہ روزہ ورکشاپ منعقد کیا گیا تھا۔ منتظمین کے سامنے بنیادی نکتہ یہ تھا کہ ہندوستانی مسلمان جنھوں نے ۷ سو برس تک ہندوستان پر حکومت کی ہے انہیں پسماندہ بنا دیا گیا ہے، ان پر ظلم و ستم ڈھایا جا رہا ہے اور انھیں ان کے جائز مقام سے محروم کر دیا گیا ہے۔ جن نقلی سیکولر تاریخ دانوں اور صحافیوں نے اس ورکشاپ میں شرکت کی، یہ وہ لوگ تھے جنہیں اس کام پر لگایا گیا ہے کہ وہ ثابت کریں کہ مغل دور حکومت ہندوستان کا "عہد زریں" تھا۔

عام طور پر یہ یقین کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے ہندوستان پر ۷ سو برس تک حکومت کی۔ چونکہ یہ فرضی افسانہ فرقہ وارانہ مشکلات کا بنیادی سبب ہے، لہٰذا ضرورت ہے کہ اس کی قلعی کھولی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلم حکمرانی پورے ہندوستان پر کبھی نہیں رہی۔ وجے نگر سلطنت جنوب میں ۱۶ ویں صدی تک ہی غالب رہی جب کہ ۴ شیعہ حکومتوں نے مل کر اس کا خاتمہ کر دیا اور دہلی کی مغلوں کی راہ ہموار کر دی۔ اس پورے عرصے میں ہندوستان کے بہت سے علاقے زیادہ تر مسلم حکمرانی سے باہر ہی رہے۔ ۱۷ ویں صدی سے پنجاب کے سکھوں اور جنوب مغرب کے مراٹھوں نے اپنا اقتدار حاصل کر لیا اور انہیں سے برطانیوں نے ہندوستانی سلطنت جیتی تھی۔ اس کے علاوہ کچھ کو چھوڑ کر بقیہ تمام مسلم حکمران غیر ملکی الاصل تھے اور انہوں نے ہندوستانی نسل کے مسلمانوں کو کبھی بھی اپنے برابر نہیں سمجھا۔ موجودہ مسلمانوں کی ۹۰ فیصد تعداد ان مقامی مسلمانوں کی اولاد میں سے ہے جو حکمران طبقہ میں سے نہیں تھے۔ یہ لوگ اس نچلے طبقہ میں تھے جو جونیر افسران، سپاہ، کلرک اور تجارت، حرفت پیشہ لوگوں پر مشتمل تھا۔ ان سے بھی نیچے تھے غلام اور خدمت پیشہ جو درباروں اور حرموں میں ملازم رکھے جاتے تھے۔

مسٹر بل راج پوری نے کہا کہ اسلام نے کبھی بھی کسی ہندوستانی مذہب سے ٹکر نہیں لی اور یہ کہنا غلط ہوگا کہ ہندوستان میں اس کی اشاعت طاقت کے ذریعہ ہوئی۔ اڑیسہ کے سابق گورنر مسٹر بی این پانڈے نے بھی ان کا ساتھ دیتے ہوئے مغل حکمرانوں بالخصوص اورنگ زیب اور بابر کے تعلق سے بعض "تاریخی" شبہات کو درست کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ انہوں نے ایک دستاویز بھی پیش کی جس میں اورنگ زیب نے بعض مندروں کو تحفظ دینے کا اعلان کیا تھا۔ ممکن ہے کہ اس طرح کے کسی آئندہ ورکشاپ میں ان لوگوں سے یہ کہنے کی توقع بھی کی جائے کہ قرون وسطیٰ میں سخت گیر برہمنی نظام کے خلاف بغاوت کے دوران خود ہندوؤں نے ہی ہندو مندروں کو مسمار کیا تھا، ورنہ مسلمانوں کا اس میں کوئی ہاتھ نہیں تھا۔

سماجی سائنس داں پروفیسر اے ایچ حق نے اس وقت نسبتاً بہتر سمجھ بوجھ کا مظاہرہ کیا جب انہوں نے کہا۔ مسلمانوں میں بھی برادری

طبقہ اور مکاتب فکر کی خطوط پہ نیرنگی پائی جاتی ہے۔ ان کے بقول ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت کشمیر کو ہندوستان کا حصہ بنائے رکھنا چاہتی ہے۔ پروفیسر عتیق احمد صدیقی نے اردو کی وکالت کرتے ہوئے کہا۔۔۔ اردو کو دیوناگری رسم الخط میں لکھا جانا چاہیئے۔۔۔ اس ضمن میں یہ بات یاد دلائی جاسکتی ہے کہ ہندی کو دستوری طور پر انڈین یونین کی سرکاری زبان بنایا تو گیا تھا لیکن انگریزی کا تحت بھی برقرار رکھا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اردو کی آتنی حوصلہ افزائی کی ہی اس لیے گئی تھی کہ وہ ہندی کا جواب دعوای بنی رہی۔۔۔

یہ انکشاف بھی سامنے آیا کہ مسلمانوں نے مسلم خواتین کی بہبودی کی خاطر مسلم پرسنل لا کی تدوین (Codification) کا مطالبہ کرنا بھی شروع کردیا ہے۔۔۔ آخری تجزیہ میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلم سماج کی تمام بیماریاں نتیجہ ہیں تعلیم کی کمی کا جو کہ مذہبی قیادت کے ناجائز دباؤ اور ان سیاستدانوں کی وجہ سے ہے جن کے مفادات کا تقاضہ ہے کہ وہ ان مسلمانوں کو ہندو بالادستی کے مسلسل خوف کے جھوٹے ڈراوے میں رکھے رہیں۔۔۔ یہ مناسب وقت ہے کہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کو اپنے ورکشاپ سیاسی لیڈروں یا ان کے چمچوں کی حمایت کے ذریعہ منعقد کرنے کے بجائے خود اپنے طور پر کرنے چاہئیں۔ ان کو اپنے درمیان سوامی وویکانند اور سوامی دیانند سرسوتی جیسے سماجی اور مذہبی مصلحین پیدا کرنے چاہئیں کہ وہ نیم خواندہ اور ملاؤں اور ملا سامراج کے چنگل سے آزاد ہو سکیں۔ [1]

جگ موہن (۱) ہندو بسنت

مجھے یہ لکھتے ہوئے دکھ ہو رہا ہے کہ آپ کے ۹ تا ۱۵ فروری ۱۹۹۲ء کے شمارہ میں "پہچان کی نشانی" عنوان والی رپورٹ میں جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ جھوٹی، یک طرفہ اور کانٹ چھانٹ کر پیش کی گئی رپورٹنگ ہے۔۔۔ میں نے آپ کے نامہ نگار کو۔۔۔ اپنی کتاب "کشمیر میں میری منجمد طغیانی" کا درج ذیل حصہ پڑھنے کو دیا تھا۔۔۔ اسی تعلق سے میں نے ان کا دھیان راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کی کچھ ریلیوں میں جے پرکاش نارائن کی تقریروں کی طرف متوجہ کیا تھا۔ پٹنہ میں ۲ نومبر ۱۹۷۷ء کو ایک ریلی میں بولتے ہوئے انہوں نے جو کہا تھا وہ قابلِ حوالہ ہے:

"راشٹریہ سویم سیوک سنگھ ایک انقلابی تنظیم ہے۔ دیش کی کوئی بھی دوسری تنظیم اس کی برابری نہیں کرسکتی۔ صرف یہی سماج میں تبدیلی لاسکتی ہے، یہی غریبوں کے آنسو پونچھ سکتی ہے اور برادری واد کو ختم کرسکتی ہے۔ در اصل اس کا نام ہی "راشٹریہ" ہے۔"

سنگھ کے بارے میں میرے خیالات کو بھی توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے۔ میں نے یہ کہا تھا:

"میں سنگھ کو اس کے ذریعہ کیے جانے والے سماجی اور راشٹر فروغ کے لیے مبارکباد اور خیر سگالی پیش کرتا ہوں۔ اگر کوئی ہندو منظر نامہ کا تاریخی اور ہم عصر پس منظر میں تجزیہ کرے تو وہ پائے گا کہ بھارت میں ڈسپلن، تنظیم، نظم، اتحاد، سمت سفر اور مقصد کے جذبے کی کمی ہے۔ بھارتی فکر کی برتری کے باوجود دیش کو انحطاط کا سامنا انہی کمیوں کی وجہ سے کرنا پڑا اور انہیں کمیوں کو ختم کرنے کے لیے سنگھ کوشاں ہے۔ میری طرف سے آپ کی کامیابی کے لیے نیک خواہشات۔۔ درحقیقت آپ کا رول تاریخی ثابت ہو سکتا ہے۔"

میں نے ۱۹۲۷ء میں سنگھ کے سویم سیوکوں کے ذریعہ سری نگر ہوائی اڈے کے رن وے کی مرمت کرنے کی تعریف کی تھی۔۔۔ یہ تاریخی حقیقت ہے۔ میری سمجھ میں یہ بھی نہیں آرہا ہے کہ میرے "قدامت پرست" ہونے کا نتیجہ کس طرح اخذ کر لیا گیا۔ ایک تہذیبی احیاء کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے میں نے کہا تھا:

"اس احیاء کی سب سے اہم شرط اور اہم حصہ ایک سدھرا ہوا طاقتور ہند تو ہوگا۔۔۔ یہ وہ نیا ہند تو ہوگا جس کی رگوں میں خون تیز بہاؤ ہوگا، جو اپنی فالتو چربی سے نجات پا چکا ہوگا اور جس نے اپنی توانائی اور اپنی تیز گامی پھر سے حاصل کر لی ہوگی۔ یہی ہند تو نیا ہندو پیدا کرے گا جو انصاف پسند، سادہ، بامقصد ہوگا، وہ اپنی آتما کے ساتھ دوسروں کی آتما کے تزکیہ کا دھیان رکھے گا اور وہ راجیہ کی تمام اکائیوں کو متاثر کرکے انہیں ایماندار، خدمت گذار، تیز نتیجہ خیز بنائے گا۔"

اگر یہ فکر مجھے "قدامت پرست ہندو" بناتی ہے تو مجھے ہونے پر فخر ہے۔ میں نے آگے یہ بھی کہا تھا: "کوئی بھی قدیم اپنے لمبے سفر کے دوران ڈھیر ساری گرد اپنے گرد اکٹھی کر لیتا ہے۔ بدبختانہ حادثات بھی ہو جاتے ہیں۔ اس کے اعضاء منتشر تک ہو جاتے ہیں۔ نیم حکیم اس کا علاج بتانے کے لیئے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسی لمبے پت جھڑ کی وجہ سے آج ہند تو تکلیف دہ حالت میں ہے۔ اس کے سارے عناصر بگڑ چکے ہیں۔ اس کا اندرون سوکھی اور کثیلی میں پھنسا ہوا ہے۔ ایک ہندو بسنت کا لمبے عرصے سے انتظار ہے۔ اب اس کے ورود کا وقت آگیا ہے۔ [2]

(۲) خیال مومن

جو لوگ درحقیقت مسلمانوں کا بھلا کرنے کی فکر میں ہیں، امیج کی تشہیر مسلم دشمن کی شکل میں کی جارہی ہے اور جن لوگوں نے کے سماج میں ایک ڈر کا ہوّا اور تحفظ اقلیت کی نقاب میں مذہبی کا کھیل کھیل کر مسلمانوں کا استعمال اپنے وابستہ مفادات کی

کی خاطر کیا ہے، وہ لوگ مسلمانوں کے امام بنے ہوئے ہیں۔ اس بات کی ایک زندہ مثال دیتا ہوں۔

۷۰ویں عشرہ کے نصف ثانی اور ۸۰ویں عشرہ کی ابتدا میں پہلے دہلی ماسٹر پلان کے کنوینر ہونے کے ناطے اور پھر دہلی وکاس اتھارٹی کے نائب صدر کی حیثیت سے میں نے دہلی کے تاریخی مقامات کے آس پاس جھگی جھونپڑیوں اور کچی تعمیرات کی صفائی ایک بڑے منصوبے پر کام لیا۔ اس کے دو مقاصد تھے۔ ایک تو راجدھانی کے قدیم وراثت حرفت کا تحفظ کرنا، اور دوسرے جھگی جھونپڑیوں میں رہنے والوں کو نئے ترقی یافتہ علاقوں میں بسانا تاکہ وہ سماج کے صحت مند ترقی میں تعاون کرنے والے شہری بن سکیں۔

میں نے عیدگاہ کے آس پاس جھگی جھونپڑیوں میں رہنے والوں کو نارائنا اور ریواڑی لائن کے علاقہ میں بہت سستی قیمتوں پر اور آسان قسطوں میں زمینیں دے کر بسانے میں کامیابی حاصل کر لی۔ ان میں سے اکثر ہندو اور سکھ تھے۔ لیکن جب میں نے جامع مسجد کے آس پاس رہنے والے مسلمانوں کو بھی اسی طرح بسانے کی کوشش کی تو ان کے نام نہاد محافظوں نے میری کوششوں کو ناکام کر دیا۔

نتیجہ سامنے ہے۔ جہاں نارائنا میں بسے ہندو سکھ آج اتنی ترقی کر گئے ہیں کہ وہ کئی صنعتوں کے مالک بن کر لاکھوں روپے کما رہے ہیں، وہیں جامع مسجد کے آس پاس رہنے والے مسلمان آج بھی انہی سڑی ہوئی جھونپڑیوں میں گندگی سے گھرے ہوئے بد حال زندگی جی رہے ہیں۔ اب بتائیے کہ مسلمانوں کا بھلا چاہنے والا کون ہے؟

[3]

سوین داس گپتا: اجودھیا آندولن

یہ ایک غلط تصور ہے کہ اجودھیا میں مندر تعمیر کا آندولن بنیادی طور پر ایک مذہبی معاملہ ہے۔ اس پورے سوال کو صرف مذہبی عقیدت تک محدود کر دینا، سماج میں اس کی اہمیت کو کم کرنے جیسا ہے۔ درحقیقت جنم بھومی آندولن وسیع راشٹریہ تبدیلیوں کی علامت ہے۔ آندولن کی ابتدا، شلانیاس، گذشتہ سال کار سیوا کے دوران ہوئے سنگین حادثہ سے لے کر اب تک ایک بات سامنے آئی ہے کہ ہندوستان میں واقعات کا ایسا چکر چل رہا ہے جسے ہندو شناخت کا طلوع ہونا کہا جا سکتا ہے۔

پچھلے سال شری لال کرشن اڈوانی کی سومناتھ سے اجودھیا رتھ یاترا سے قبل منڈل کی وجہ سے پورے دیش میں تشدد اور منافرت کے جذبات پھیلے ہوئے تھے۔ ایک برادری کو دوسری برادری کے خلاف کھڑا کر دیا گیا تھا۔ ایک لمحہ کے لیے تو ایسا لگنے لگا گویا کہ بھارت کی اکھنڈتا کے لیے نیا چیلنج کھڑا ہو جائے گا۔ اڈوانی جی کی رتھ یاترا نے کافی حد تک اس تلخی کو کم کیا اور ایکتا کو نئی بنیاد فراہم کی۔

اسلامی تعلیمات

★ کسی کے گھر میں بغیر اطلاع و اجازت داخل نہ ہوں۔ خواہ وہ اپنے ماں باپ یا بہن کا گھر ہو۔

★ دوسروں کی نعمت کو دیکھ کر حسد نہ کرو۔ کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا لیتا ہے جیسے آگ لکڑی یا گھاس کو۔

★ باہم قطع تعلق نہ کرو۔ ایک دوسرے کے درپے نہ ہو۔ دوسروں سے بغض و عداوت نہ رکھو، اللہ کے بندو آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو جیسا تمھیں اللہ نے حکم دیا ہے۔

رتھ یاترا کے ذریعہ ایک ایسا نکتۂ عقیدت ملا جہاں لوگ اپنی برادری کی علاقائی شناخت کو بھلا کر آگے دیکھ سکتے تھے۔ اس بار جب پھر ریزرویشن کا سوال اٹھا تو اس رتھ یاترا کے اثرات کو پھر دیکھا گیا۔ ریزرویشن ۵۰ فیصد تک محدود ہو یا ۹۵ فیصد ہو، یہ الگ بات ہے اس پر اختلاف رائے ہو سکتا ہے۔ لیکن اس بار کوئی نسلی کشمکش نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ ہے ـــ شعوری یا لاشعوری طور پر لوگوں کے دلوں میں جاں گزیں وہ جذبہ جو انہیں ہندو ایکتا کی حفاظت کرنے کی ضرورت محسوس کرا رہا ہے۔ اجودھیا آندولن کا ایک بہت بڑا عطیہ ہے۔

یہ ایک ایسی تبدیلی ہے جسے الفاظ میں قلم بند نہیں کیا جا سکتا۔ بہت سے لوگوں کو تو اس کا رسمی طور پر بھی احساس نہیں ہے خواہ دانشور طبقہ ہو یا متوسط طبقہ یا سماج کا کوئی اور طبقہ ــــ کوئی بھی اپنی ہندو شناخت کا اعلان کرتے میں دفاعی رویہ نہیں اپنا رہا ہے۔ ہندوؤں کو ایک سیاسی طبقہ کہنے پر بھی کوئی معذرت خواہ نہیں ہے۔ جنم بھومی آندولن کا یہ اہم عطیہ ہے۔ درحقیقت ابھی یہ شروعات ہے ابھی بہت دور جانا ہے ــ انجام کا پورا سوال راشٹریہ اکھنڈتا سے جڑ جاتا ہے۔

کچھ ماہ قبل بھارتیہ جنتا پارٹی کے صدر ڈاکٹر مرلی منوہر جوشی نے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا کہ اگر اجودھیا میں مندر کی تعمیر ہوگی تو کشمیر کی حفاظت ہوگی ـــ اکھنڈتا کو خطرہ یہیں تک محدود نہیں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ دراصل ایک راشٹر کی حیثیت سے بھارت کے وقار (अस्मिता) پر سوالیہ نشان کھڑا ہو گیا ہے یہ اسی لیے ہے کہ کوئی ایسا مرکزی فلسفہ موجود نہیں ہے جس کے تحت بھارت کو یکجا رکھا جا سکے۔ دستور ایک مکمل قانونی دستاویز ہے لیکن راشٹریہ راجیہ کی تشکیل صرف قانون سے نہیں ہوا کرتی۔ راشٹریہ راجیہ کے لیے ضروری ہے ایکاتمتا (एकात्मता) کا شعور۔ اس پس منظر میں آندولن کی موزونیت دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ بھارت کے حال کو اس کے عہد عتیق سے جوڑتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس عہد عتیق کے توسط سے اس آندولن نے بھارتی ایکتا کے لیے ایک نئی بنیاد تلاش کی ہے۔ کچھ لوگ اسے ہندتو کا نام دیتے ہیں۔

جنم بھومی آندولن کی تیسری اہم خصوصیت راشٹریہ ایکتا اور ہندو سنسکرتی (संस्कृति) سے جڑی ہوئی ہے۔ یہ بھارتی راشٹرواد کی تعریف نو کی بنیاد ہے۔ گذشتہ ۴۰ برسوں کے دوران ہم اکثر و بیشتر نہرووادی مفروضات کے خول میں کام کرتے چلے آئے ہیں۔ پاکستان کے ابھرتے جیسے حالات پیدا کرنے والی وجوہات کی طرف دھیان دینے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ـــ جنم بھومی آندولن نے ان سبھی سوالوں کو ایک بار پھر سطح پر لا کے کھڑا کر دیا ہے۔ یہ بہت بروقت ہے کیونکہ طلوع پاکستان کے لیے ذمہ دار قوتیں پھر سر اٹھا رہی ہیں ــ آپ ان کی جو بھی شکل یا نام متعین کریں۔ بہرحال ان کا ابھار جاری ہے۔ اس لیے رام بھگتی کو دیش بھگتی سے جوڑتے ہوئے راشٹرواد کا دوبارہ ابھار ہی اجودھیا کے تجربہ کا خاص مرکزی نکتہ ہے۔ [4]

چندن مترا: سیکولر واد

پنڈت جواہر لال نہرو نے ۱۹۲۶ء کے آس پاس ہی سیکولر راشٹرواد کا ایک پیمانہ اس وقت مقرر کیا تھا جب انھوں نے سید محمود کو یہ لکھا کہ فرقہ وارانہ منافرت کا ایک ہی جواب ہے: "ہمارے نام نہاد مذہب کو اپاہج بنا کر اس کی چھٹی کر دو۔ اور اپنے دانشور طبقہ کو سیکولر بناؤ۔۔۔"

یورپ کے برعکس بھارت میں سامراج کے خلاف بغاوت کا مستقل عنصر مذہب ہی رہا ہے۔ خواہ وہ حکم چند رہوں یا دوج اندر لال رائے، بھارتیندو یا پریم چندر، یا دوسرے تناظر میں علی برادران، یہاں تک کہ اقبال بھی ــ انگریز مخالفت بیداری کو عملی پیرایہ میں ڈھالنے میں مذہب کا زبردست تعاون رہا ہے۔ یہ دلیل دی جا سکتی ہے کہ جہاں بنکم کی راشٹریتا ہندتو کے گرد مرکوز تھی، وہاں اقبال کی اسلام کے گرد۔ لیکن وہ دونوں ہی راشٹریہ تھے، بھلے ہی ان کی مذہبی عقیدتیں خواہ کتنی ہی مختلف کیوں نہ ہوں۔

اس حقیقت کے ساتھ اس میں کوئی تعجب نہیں کہ کانگریس کی قیادت میں آزادی ہند کی تحریک اصلاً ہندو جد وجہد ہی تھی اور یہ بھی واضح اس وقت ہو گیا جب اس صدی کے پہلے عشرہ میں ہی نام نہاد مسلم علیحدگی ہو گئی اور مسلم لیگ قائم ہوئی ــــ اس کی معنویت فراموش نہیں کرنی چاہیے کیونکہ خواہ وہ ان جانے اور ان چاہے ہوا ہو، جب کانگریس ہندو قیادت اور ہندو قوت کی تنظیم کی شکل میں ابھری تو وہ آسانی کے ساتھ بھارتی راشٹریتا میں ہندتو کے مکتب فکر کو ثابت کرنے میں کامیاب رہی۔ اسی وجہ سے تو پنڈت مدن موہن مالویہ کانگریس اور ہندو مہاسبھا دونوں کے ہی سربرآوردہ لیڈر رہے۔ سچائی یہ ہے کہ کانگریس کے سالانہ اجلاس کے ساتھ ساتھ ہی ہندو مہاسبھا کے اجلاس بھی ہوتے تھے ۱۹۲۲ء میں جب مالویہ جی کانگریس کے صدر تھے اس وقت کم از کم ۲۰ء کے بعد والے عشرہ میں اپنائے گئے رویہ کی بہ نسبت ہندو مہاسبھا اپنا کم فرقہ وارانہ چہرہ ہی بنانے کی کوششیں کرتی تھی۔

یہ بھی سچ ہے کہ کانگریس نے باضابطہ طور پر ہندو راشٹرواد کو اپنے مرکزی فلسفہ کی حیثیت سے قبول نہیں کیا لیکن اس کے ساتھ اس نے اس کی مخالفت میں دو ٹوک پالیسی بھی نہیں اپنائی۔ بہرحال ہندو راشٹرواد کی قوت نے کانگریس کی سیاسی یا انتخابی قوت

کو کبھی چیلنج نہیں کیا اگرچہ ۱۹۴۰ء والے عشرہ کے وسط تک مسلم لیگ ایک عوامی تنظیم کی حیثیت سے کھڑی ہو چکی تھی، کانگریس کی سیکولر سیاست سے ناامید ہونے کے باوجود ہندو راشٹر وادی قوتیں اپنی علیحدہ تنظیم بنائے رکھتے ہوئے بھی کانگریس کے ماتحت رہ کر ہی سرگرم تھیں۔

بعد کے برسوں میں کانگریس کے اندرونی ہندو راشٹر واد کا مجسمہ سردار پٹیل بنے۔ سردار کی سیاسی سوجھ بوجھ اور لیڈرشپ کو معیار سے وابستہ کرنا شاید سہل پسندی ہو لیکن نہرو کے الحاد ایک طرح سے مذہب دشمن سیکولر پالیسی کے مقابلہ میں سردار کو ہندو راشٹر واد کا ابھرتا ہوا نمائندہ باسانی تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ ان کی سیاسی لائن کا شعور سومناتھ مندر کی بعض تعمیر کی شکل میں ایک مشہور نمونہ بن چکا ہے۔

بھارت کے لبرل دانشوروں کا ایک طبقہ کچھ عشروں تک یہ دلیل دیتا رہا کہ اکثریت کی فرقہ پرستی اقلیتی فرقہ پرستی کے مقابلہ میں زیادہ خطرناک ہے۔ اس دعویٰ کی وجہ سے انھوں نے مسلم لیڈرشپ کے انتہائی فرقہ پرعناصر کو نظر انداز کیا اور کچھ مثالیں تو ایسی بھی ہیں کہ انہوں نے ان کے ساتھ سانٹھ گانٹھ اور چھل بازی بھی کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی، ہندتو کے تصور کو جانے ہی دیجئے، ہندو نام سے بھی ان کو چڑھ ہونے لگی۔

ساتویں عشرہ کے آخری اور ۸ویں عشرہ کے ابتدائی حصہ میں اندرا نے اپنے چڑھاؤ اتار کے دور میں اس دانشور طبقہ کو قانونی جواز بھی عطا کیا ــــ یہ دانشور عوامی شعور کی تعمیر میں مذہب کے رول کو سمجھ نہیں سکے اور چونکہ انہیں ہندتو سے چڑھ تھی، اس لیے وہ عوامی احساسات سے پوری طرح کٹ گئے۔ دوسری طرف وہ بابری مسجد ایکشن کمیٹی کے ساتھ گٹھ جوڑ کرنے کی حد تک جا پہنچے ــــ اس سے ان کے سیکولرزم کا بھانڈا بیچ چوراہے پر ہی پھوٹ گیا۔

آج ہمارے سامنے اصل سوال یہ نہیں ہے کہ بھارت میں سیکولر راج رہے یا نہ رہے۔ کوئی شخص بھی جس کا دماغ صحیح ہو، یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ بھارت میں حکومت مذہب پر مبنی ہو۔ کچھ بھی ہو، کم از کم ہندوؤں کا کوئی منظم چرچ نہ ہونے کی وجہ سے ہندتو کبھی بھی مذہب پر مبنی سرکاری نظام یا اس جیسے کسی نظام کی تعمیر نہیں کر سکتا۔ سوال ہے سیکولرزم کی پھر سے تعریف و توضیح کرنے کا۔ ہمیں آج پھر سے فکری ہم آہنگی کی اس لیے اور بھی زیادہ ضرورت ہو گئی ہے کہ "ملحد سیکولرزم" اور "مصنوعی نیشنلزم" اپنا عرصۂ حیات پورا کر چکے ہیں ــ [5]

سعید نقوی: مسلم اقلیت

کانگریس نے مسلم ہندو جھگڑوں کا ہمیشہ ہی فائدہ اٹھایا ہے۔

خاص طور سے اندرا گاندھی کے بعد کانگریس نے اقلیتوں کو ایک ووٹ بنک سے زیادہ اہمیت نہیں دی۔ اس سے اقلیتوں کا ذرا بھی فائدہ نہیں ہوا۔ یہ ضرور محسوس ہوا کہ اقلیتوں کی منہ بھرائی کی جا رہی ہے۔ اقلیت نوازی کی اس ذہنیت سے مسلمانوں کا تو کچھ فائدہ نہیں ہوا لیکن اب وہ لوگ باشعور ہو گئے ہیں اور اب وہ لوگ کسی کا ووٹ بنک نہیں ہیں۔ بھارتیہ جنتا پارٹی جو کانگریس کی ووٹ بنک سیاست کی شدید ترین مخالف ہے، وہ اگر اقلیتوں کو اپنا بنانا چاہتی ہے تو اس کے لیے یہ اچھا موقع ہے۔

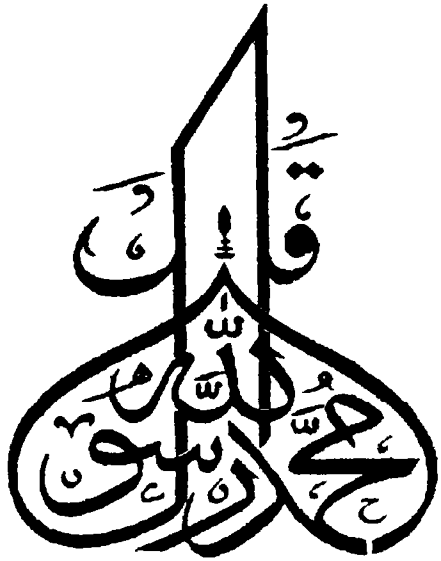
بھارتیہ جنتا پارٹی کے صدر ڈاکٹر مرلی منوہر جوشی نے ہم سے کہا کہ پارٹی کے مینی فیسٹو میں بنکر طبقہ کے لیے بہت کچھ کرنے کی یقین دہانی کرائی گئی ہے۔ ۹۰ فیصد بنکر مسلمان ہی ہیں اتر پردیش کی کلیان سنگھ کی سرکار اگر اس طرح کے پروگرام نافذ کرتی ہے تو بھارتیہ جنتا پارٹی مسلمانوں میں مقبول عام ہو سکتی ہے۔

میرے مسلمان بھائی غلط نہ سمجھیں تو ایک بات اور کہہ دوں۔ اجودھیا کی بابری مسجد میں لگ بھگ ۴۰ برسوں سے نماز نہیں پڑھی گئی ہے۔ ایسے کئی معاملے محمدؐ صاحب کی زندگی میں پیش آئے ہیں کہ ایسی جگہ جہاں نماز نہ پڑھی جا رہی ہو، جو خون خرابے کی جگہ ہو وہ مسجد کہنے لائق نہیں رہتی اس لیے اس موضوع پر مشتعل ہونا ٹھیک نہیں ہے۔

رام مندر اس وقت سیاسی مسئلہ بن گیا ہے۔ جسے مسلمانوں کے کچھ لیڈر جنھیں مسلمان تسلیم کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں، میں تسلیم کروں یا نہ کروں، بیچ میں کھڑے ہو گئے ہیں اور ان مسلمانوں کا اپنے سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ ہندو اس بات کو اپنے حق میں استعمال کر رہے ہیں۔ اس وقت اس مسئلہ کا کوئی حل تو نظر نہیں آتا۔ مسلمانوں کو سمجھانے کی کوشش کی جانی چاہیئے۔ دراصل بھارتیہ جنتا پارٹی ہی ان کا بھلا چاہنے والی ہے ــ [6]

ہماچلی اوم پرکاش شرما: یہ مسلم لیڈر

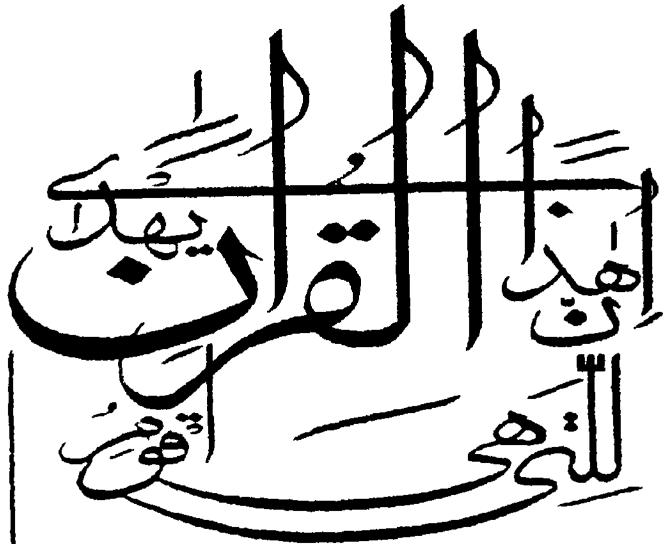
۱۹۶۵ء کی بات ہے، جب میں لندن میں واقع برطانیہ کے ایک بڑے یونیورسٹی بک شاپ میں پرچیز آفیسر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ ایک ڈاڑھی والے صاحب میرے پاس اپنی اسلامی لائبریری اور انسٹی ٹیوٹ کے لیے کتابیں خریدنے آئے۔ انھوں نے اپنا تعارف راجہ محمود آباد کی حیثیت سے کرایا۔ وہ برطانیہ کے تمام اسلامی تحریکات کے ڈائرکٹر تھے۔ بقول ان کے انھوں نے تخلیق پاکستان میں اہم رول ادا کیا تھا۔ ایک دن وہ کتب خانہ میں اپنے صاحبزادے کو لے کر آئے اور مذاقاً کہنے لگے: یہ آپ کا ہم وطن ہے جو حکومت ہند کے وظیفہ پر ریاضی کی تعلیم حاصل کرنے کیمبرج یونیورسٹی آیا ہے۔ ان کے صاحبزادے پی ایچ ڈی



Muhammad (pbuh) the Prophet of Allah, said;

" **T**reat all your children equally in regard to free giving. Were I to show preference in this matter, I would show it to daughters. (If equality was not necessary and binding, I would have decreed that more was given to daughters than sons)."

(Sunan-i-Saeed Ibn-i-Mansur an (Tabrani)



Verily this Qur'an does guide to that which is most Right (17:9)

"**B**ehold, Luqman said to his son by way of instruction: 'O my son! Do you not see that Allah has subjected to your use all things in the heavens and on earth. And He has made His bounties flow to you in exceeding measure, seen and unseen? Yet there are among men those who dispute about Allah, without Knowledge and without Guidance, and without a Book to enlighten them!' "

(The Qur'an 31:13, 20)

یکے از ہمدرد بنگلور

کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد ہندوستان لوٹنے کی بجائے سعودی عرب چلے گئے اور سعودی قومیت اختیار کر لی۔ راجہ خود پاکستان میں رہنے نہیں گئے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ انہیں کوئی وزارت تو ملنے سے رہی۔ اس کے بجائے وہ ایران پہنچے اور ایرانی پاسپورٹ پر لندن تشریف لے آئے جہاں ریجنٹ پارک میں وہ اپنا اسلامی انسٹی ٹیوٹ چلاتے ہیں۔

ایک دن انہوں نے اپنے پرمذاق انداز میں یہ انکشاف کیا: ”ہمیں لندن مسجد کی تعمیر کے لیے ریجنٹ پارک میں ایک بڑے موقع کی جگہ مل گئی ہے جو کہ راقی کی ملکیت میں ہے۔“ ان کی رہائش گاہ پر یہ منصوبہ بنایا گیا تھا کہ ریجنٹ پارک کے ایک کونے میں ایک شمع جلانا شروع کی جائے اور ہر دن باری باری سے پاکستانی طلبہ کچھ گھنٹوں تک وہاں آکر بیٹھا کریں تاکہ ۲۴ گھنٹے وہاں کوئی نہ کوئی موجود ضرور رہے۔ اس پلان کی اطلاع تمام اسلامی حکومتوں کو دی گئی تھی۔ خاص طور سے پاکستان کو۔ شمع روشن کی گئی۔ جلد ہی مسلمان بالخصوص پاکستانی شمع کے گرد جمع ہونا شروع ہو گئے۔ جہاں شمع روشن تھی، اس جگہ انہوں نے قلعی کر دی اور ہر جمعہ کو نماز پڑھنا شروع کر دیا۔ اس سے قبل کہ پولیس کوئی نوٹس لیتی اور ناجائز قبضہ ہٹانے کی کوششیں کرتی، پاکستانیوں نے دس مربع فٹ کی اس جگہ کے گرد چہار دیواری اٹھا دی۔ یہ اللہ کی جائیداد بن گئی جیسا کہ تمام مساجد کے بارے میں گمان کیا جاتا ہے اور مسلمان اس میں کسی تبدیلی کو برداشت کرنے والے نہیں۔

سارا معاملہ ہاؤس آف کامنز میں پہنچا۔ وہاں تین طرح رائیں پائی جاتی تھیں۔ کچھ کہتے تھے کہ یہ ناجائز قبضہ ہے جسے فوراً ختم کیا جانا چاہیے۔ کچھ دوسروں کا خیال تھا کہ دس مربع فٹ کی یہ قطعہ مسجد کے لیے الاٹ کر دی جانی چاہیے۔ دریں اثنا برطانوی حکومت پر اسلامی حکومتوں کا خفیہ دباؤ بھی کام کرنے لگا۔ چوں کہ تیل سے مالا مال ممالک سے تعلق بنائے رکھنا چاہتا تھا، انجام کار یہ طے کیا گیا کہ اگر اس زمین کا عطیہ دینا ہی ہے تو اسے اسلام کے تئیں خیرسگالی کا مظہر کیوں نہ بنا دیا جائے اور مناسب جگہ مسجد لندن کے لیے الاٹ کر دی جائے۔

دسیوں لاکھ ڈالر کا عطیہ شاہ ایران اور سعودی بادشاہ نے دیا۔ میرے دوست راجہ محمود آباد نے اس پر ہنستے ہوئے کہا: ”یہ اسلام کی دوسری فتح ہے۔“ میں نے کہا: ”کیا اسلامی تحریک بس اسی کی خواہاں ہے؟“ راجہ نے جواب دیا۔ ”ہم اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک کہ اس جزیرے کے مسلمانوں کے لیے ایک خودمختار ریاست قائم کرنے کی خاطر ہمیں ارض برطانیہ کا ایک اور ٹکڑا نہ مل جائے۔“

مجھے اس بات پر چنداں حیرت نہیں ہوئی کیونکہ میں اسلامی جانثاروں کو جانتا ہوں — مذہب تبدیل کراؤ، ڈراؤ دھمکاؤ، دبالو، سازش کرو، چھین لو، اللہ کے نام پر جو بھی کرنا چاہو کر گذرو اور اسلامی حکومتیں آپ کو بچانے کے لیے دوڑی آئیں گی، اگر آپ کہیں ڈوبنے لگے۔ چنانچہ اس سرزمین کی تقسیم کے بیج اسلامی پارلیمنٹ کی شکل میں بوئے بھی گئے ہیں۔ ۱۹۴۵ء میں کسی کو پاکستان کے تصور پر بھی یقین نہیں آیا تھا حالانکہ ۱۹۴۷ء میں وہ ایک حقیقت بن گیا۔

ایک اور دن راجہ اپنے ساتھ دو انتہائی معروف نظر آنے والے حضرات کو لے کر آئے اور بولے: ”اوم، کاش میرے انتہائی عزیز دوستوں سے ملو۔“ میں نے ایک کو ان کی داڑھی سے پہچان لیا یہ ظفر اللہ خاں سے کوئی کم شخصیت نہیں ہو سکتے تھے۔ دوسرے کا تعارف راجہ نے ڈاکٹر ہمایوں کبیر کہہ کر کرایا۔ وہ نیو یارک جا رہے تھے، میرے خیال میں، اقوام متحدہ میں ہندوستان کی نمائندگی کرنے۔ میں نے ظفر اللہ خاں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ”کہ یہ افسوس کی بات ہے کہ ہمارے پاس آپ کی برابری کا کوئی دانش ور نہ تو حکومت میں ہے اور نہ ہی اقوام متحدہ میں۔ ان کا جواب تھا ”یہی تو وجہ ہے کہ مجھے بین الاقوامی عدالت انصاف کا جج بننے کے انعام سے نوازا گیا ہے۔ اگر مجھ میں یہ خوبی نہ ہوتی تو میں ابھی بھی پاکستان میں پڑا ہوتا۔“

میں نے تعجب سے راجہ کی طرف دیکھا تو انہوں نے جواب میں کہا ”اسی بنا پر ایران گیا، ایرانی پاسپورٹ حاصل کیا اور ایران میں دفن ہونے کی خواہش ہے۔“ پھر ظفر اللہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ”پاکستانی ناشکرے ہوتے ہیں۔ یہ بھی میری بات سے اتفاق کریں گے اور ہمایوں بھی۔“ [7]

پدما کر بھاٹے: امبیڈکر بانی

ہندو مسلم تعلقات کے بارے میں ڈاکٹر امبیڈکر کے خیالات پر روشنی ڈالتے ہوئے پروفیسر ایم این لوجی نے کہا کہ اپنے مطالعہ اور تجربہ کی بنیاد پر ڈاکٹر امبیڈکر نے آج سے پچاس ساٹھ برس قبل مسلم سماج کی ذہنیت کا جو تجزیہ کیا تھا وہ آج بھی صداقت کی کسوٹی پر کھرا اترتا ہے۔ آج دیش میں اقلیت اور فرقہ پرستی کا جو مسئلہ ہے اس کا بنیادی سبب مسلم نفسیات ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب ”تھاٹس آن پاکستان“ میں کہا تھا — ”مسلمان اصلاح مخالف نفسیات کے لوگ ہیں۔ جمہوریت کا اثر ان کے مزاج پر تل برابر بھی نہیں ہے۔ ان کے لیے ان کا مذہب بالاترین ہے ان کی سیاست کا منبع بھی وہی ہے۔ مسلمان کسی بھی طرح کے سماج سدھار کی سخت مخالفت کریں گے ساری دنیا میں ہر جگہ ان کا مزاج

ترقی دشمن ہے۔ ان کی نظروں میں سب کے لیے، سبھی زمانوں میں، سبھی حالات میں باصلاحیت مذہب صرف اسلام ہے۔ اسلام کی اخوت دنیا میں اور کسی کے ساتھ نہیں، وہ صرف مسلمانوں تک محدود ہے، ایک مسلمان کی عقیدت مسلم اقتدار والے راشٹر پر ہی رہے گی۔ حکمراں اگر مسلمان نہیں ہے تو ان کی نظروں میں وہ دشمنوں کا راج ہے۔ سچے مسلمان کے لیے بھارت کو اپنی مادر وطن ماننے، ہندوؤں کو اپنا بھائی ماننے کا اسلام میں موقع نہیں ہے جارحانہ مزاج مسلمانوں کی فطرت میں ہی موجود ہے۔"

ڈاکٹر امبیڈکر کا یہ قول آج بھی سچ ہے کہ ۱۹۴۷ء میں دیش کی تقسیم کے بعد بھی دیش میں منہ بھرائی کی پالیسی چلی آرہی ہے۔ مسلمانوں کے مطالبات بڑھتے چلے جارہے ہیں۔ دیش میں مسلم اکثریت والے گاؤں، شہر، ضلع وغیرہ حساس بنتے جارہے ہیں۔ اور راج نیتا ووٹوں کی لالچ میں ان کے ناجائز مطالبات کے سامنے بھی جھکتے جارہے ہیں۔ مسلمانوں کی یہ ذہنیت جب تک باقی رہتی ہے، ہندو مسلم ایکتا ہرگز ممکن نہیں۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے اکھنڈ اور ایکاتم (एकात्म) بھارت کو اپنے لیے لائق پرستش مانا اور اسی میں اپنی عقیدت رکھی۔ شری بھکو جی اداستے نے کہا کہ ڈاکٹر امبیڈکر عظیم راشٹروادی نیتا تھے راشٹر کے مفاد کو ہی وہ بالاتر مانتے تھے۔ سماجی ناہمواریوں کو ختم کرنے کے لیے انہوں نے بہوجن سماج بیداری لاکر عوامی آندولن کھڑا کیا۔ لیکن اس جدوجہد میں بھی انہوں نے راشٹریہ ایکاتمتا کی حفاظت کا پورا دھیان رکھا ایسا کوئی قدم نہیں اٹھایا جو اس ایکاتمتا میں حائل ہو۔ اسی لیے تبدیلی سماج کی غرض سے انہوں نے جو دلت آندولن چھیڑا تھا، وہ سچے معنوں میں ایک راشٹریہ آندولن تھا۔ اس تعلق سے دلت پینتھر کے بانی نام دیو ڈھسال کا خیال تھا "دلت پینتھر قائم کرتے وقت ہم ۱۲ لوگ تھے۔ آج ۱۲ دلت پینتھر تنظیمیں موجود ہیں۔" حالات کا تجزیہ کرنے کے لیے یہ کافی ہے۔ ڈاکٹر بابا صاحب نے جب یہ آندولن کھڑا کیا تھا، اس وقت اس کے پیچھے راشٹریہ افکار کا عرفان تھا — اپنا دیش، اپنی مادر وطن اپنی سنسکرتی اور اپنا سماج۔ [8]

مظفر حسین : قادیانی اقبال

کیا تصور پاکستان کے جنم داتا ڈاکٹر محمد اقبال ایک پاکستانی تھے؟ اگر ایسا ہے تو — کیا اقبال کو پاکستان کی تاریخ و ادبیات سے نکال باہر کرنا چاہیے؟

دہلی میں اقبال کی سالگرہ کی تقریب پر تقریر کرتے ہوئے اقلیتی کمیشن کے چیئرمین اور سابق مرکزی ہوم سکریٹری ایس ایم ایچ برنی نے بتایا کہ اقبال کے مکاتیب پر مبنی ایک کتاب پاکستان میں ممنوع قرار دے دی گئی ہے۔ کیوں کہ اس میں اقبال نے قادیانی عقیدہ کی ستائش کی ہے۔ چونکہ پاکستان میں قادیانیوں کو ۱۹۸۴ء میں غیر مسلم قرار دے دیا گیا تھا۔ لہٰذا وہ تمام کتابیں جن میں قادیانیت کی ستائش کی گئی ہے ممنوع قرار دے دی گئی ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ جو شخص بھی قادیانی عقیدہ رکھے یا اس کی ستائش کرے، وہ وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔

دہلی کی اس نشست کو جس میں برنی نے تقریر کی تھی، پاکستانی ہائی کمشنر فضل اقبال نے بھی خطاب کیا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ اگرچہ اقبال نے کبھی بھی حج نہیں کیا تھا اور نماز بھی سال میں ایک بار ہی پڑھتے تھے، تاہم وہ قرآن مستقلاً پڑھا کرتے تھے۔

کشمیر کے واقعات اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اقبال قادیانی افکار کے عقیدت مند ہی نہیں تھے بلکہ وہ قادیانی تحریک سے وابستہ بھی تھے۔ پاکستانی مصنفین اور دانشوروں کے مطابق مہاراجہ ہری سنگھ کے بعد اگر کسی نے آزاد کشمیر کی وکالت کی تو وہ اقبال ہی تھے۔ ۱۹۳۱ء میں "مجلس احرار" نامی تنظیم ایک آزاد کشمیر کے قیام کی غرض سے کشمیر میں قائم کی گئی تھی اور ۲۵ جولائی ۱۹۳۱ء کو شملہ میں ایک آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی گئی تھی۔ اس کمیٹی کے سربراہ قادیانی فرقہ کے پیشوا مرزا بشیر الدین محمود احمد تھے اور اقبال اس میں شامل تھے۔ اس وقت کے لیڈروں کا خیال ہے کہ اقبال نے فوراً ہی اس کی ممبری سے استعفیٰ دے دیا تھا لیکن کچھ دستاویزات اس کے برعکس اشارہ کرتی ہیں۔

قادیانی چاہتے تھے کہ کشمیر برطانیہ کے پاس ہی رہے تاکہ وہ اپنے فرقہ کی سرگرمیاں جاری رکھ سکیں۔ ایک لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہوا کہ قادیانی اور اقبال برطانوی ایجنٹ تھے۔ اقبال کی برطانوی وفاداریوں کے اعتراف میں انہیں "سر" محمد اقبال بنایا گیا تھا — [۹]

●●

حوالے :

1. The Organiser / 24 May, 1992 / P 9

7. The Organiser/ 12 April/ 1992 / P 13

9. The Organiser / 19 Jan. 1992 / P 15

2 पांचजन्य / 3 मई, 1992 / पृ0 6

3 पांचजन्य / 6 अक्टूबर, 1991 / पृ0 6

4 पांचजन्य / 3 नवम्बर, 1991 / पृ0 69, 70

5 पांचजन्य / 12 जनवरी, 1992 / पृ0 3

8 पांचजन्य / 17 मई, 1992 / पृ0 6

ہندتو — مراسلہ نگاری کا جدید ہنر

ادارہ

اخبارات میں ایک مختصر سا کالم ہوتا ہے قارئین کے خطوط کا، لیکن اپنے سیاسی اور انتظامی اثرات کی بنیاد پر یہ مختصر سا کالم اخبارات کا سب سے زیادہ طاقتور حصہ ہوتا ہے۔ بتاتے ہیں کہ انہی اخباری کالموں سے فائدہ اٹھا کر، جس وقت دنیا بھر کے مسلمان سڑکوں پر بڑے بڑے جلوس نکال رہے تھے اور جگہ جگہ جلسے کر رہے تھے، ترکی کے یہودیوں نے انہدام خلافت کی تعیینی فضا تیار کر دی تھی۔ اس کی وجہ ہے حکومتوں، خواہ وہ ملکی ہوں کہ غیر ملکی، ان کے فیصلوں پر ان خطوط کا ہی سب سے زیادہ اثر ہوتا ہے کیوں کہ ہر محکمہ اپنے دفتر میں عوام کی ان تحریری آرا ر کو متعلقہ مسئلہ کے فائل میں جمع کرتا رہتا ہے اور جب کوئی فیصلہ کرنا ہوتا تو بیشتر حالات میں یہی خطوط اس مسئلہ کی حدود متعین کرتے ہیں۔

ہندوستان کی ہندتو لابی نے اس گر کو سمجھ لیا ہے اور مراسلہ نگاری کے کام میں باضابطہ طور پر لگ گئے ہیں۔ بعض خبروں کے مطابق علاقائی اور مرکزی سطح پر باقاعدہ تنخواہ دار مراسلہ نگاروں کی تعداد ہزاروں میں بتائی جاتی ہے۔ ان کا کام بھارتیہ جنتا پارٹی اور راشٹریہ سویم سیوک سنگھ وغیرہ کے مقرر کردہ خطوط کے مطابق خیالات کو خوب صورت سے خوبصورت انداز میں پیش کرنا ہوتا ہے، اس طرح کہ وہ کسی پارٹی ورکر کی بجائے ایک عام آدمی کا خط محسوس ہو۔ اس کے لئے انھوں نے اظہار وابلاغ کے کون کون سے اسلوب اختیار کئے ہیں، یہ ایک تفصیلی مطالعہ کا موضوع ہے لیکن وہ ایک معمولی رائی کو کس طرح پربت بنا دیتے ہیں، یہ کچھ پڑھنے سے ہی تعلق رکھتا ہے۔

(۱) مکرمی

مسٹر اشتیاق دانش کا مضمون "مسلمانوں کو اپنی اقلیت ذہنی بدلنی چاہئے" (مورخہ ۱۵ اکتوبر) مسلم الجھن پر روشنی ڈالتا ہے۔ انھوں نے اس صورت حال کو مختصراً ان الفاظ میں بیان کیا ہے: "یہ بدنصیبی کی بات ہے کہ مسلم اقلیت کی اپنے وطن کی سیاسی، معاشی اور تہذیبی زندگی میں شرکت کی راہیں نکالنے کے لئے کوئی قابل ذکر کوشش بمشکل ہی کی گئی ہے۔"

مسئلہ یہ ہے کہ جیسا کہ مسٹر دانش بھی اقرار کرتے ہیں کہ "مسلم دانشور تو خاص طور سے اکثریتی انداز سے سوچنے کی غلطی میں پڑے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ مغالطہ آمیز خیال یہ ہے اسلام صرف بالا دستی کے حالات میں ہی فعال ہو سکتا ہے۔" اور یہ صورت حال نہ صرف آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس کے ممبر ۴۵ مسلم اکثریتی ممالک میں ہی نہیں بلکہ مسلم اقلیتی ممالک میں بھی پائی جاتی ہے۔ یہ رویہ اسلام کے بین الاقوامی کردار کی وجہ سے مزید سنگینی اختیار کر لیتا ہے۔

غالباً پہلی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اقلیت (۱۲ فیصد) میں ہونے کے باوجود نہ صرف برابر کے حقوق سے نوازے گئے ہیں بلکہ جہاں تک ان کے تعلیمی اداروں کا تعلق ہے انھیں خصوصی حقوق بھی عطا کئے گئے ہیں۔ بریں بنا دیگر ہندوستانی نکیرالہ میں ملاپورم جیسے مسلم اکثریتی علاقوں اور مسلم اکثریتی اسکولوں میں جمعہ کے دن تعطیل کے مطالبہ کو غیر معقول مطالبات کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔ وہ اس بات سے متفق نظر آتے ہیں کہ ان کی عقوبتوں کا منبع ان کا مذہب ہے۔

وی۔ ساگر، دہلی

ٹائمز آف انڈیا، ۲۳ اکتوبر ۱۹۹۳ء

---

(۲) پارلیمان کے دونوں ہاؤسز میں قومی اقلیتی کمیشن بل کی منظوری نے راشٹر کے بکھراؤ کی راہ مزید ہموار کر دی ہے۔ نقلی سیکولر لوگ اپنا ووٹ بنک وسیع کرنے کی غرض سے اقلیتوں کو منانے کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ لوک سبھا میں وزیر سماجی بہبود نے بل پر گفتگو کرنے کی بجائے اتنا زیادہ وقت بھارتی جنتا پارٹی اور ایڈوانی جی کی رتھ یاترا پہ صرف کر دیا۔ سیتارام کیسری نے اس سے بھی آگے بڑھ کر دعویٰ کیا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں میں احساس پیدا کر دیا گیا ہے کہ وہ دوسرے درجے کے شہری ہیں۔ یہ اس بات کی ایک اور روشن مثال ہے کہ حکمراں کس طرح اقلیتوں کو زیادہ سے زیادہ حقوق سے نوازنے میں مصروف ہیں۔ انھوں نے اس بات کو فراموش کر دیا ہے کہ ہمارے ہندو بھائی کیسے ابتر حالات میں نہ صرف پاکستان اور بنگلہ دیش میں بلکہ ہندوستان میں بھی زندگی گذار رہے ہیں۔

کشمیر میں ہندو بھائیوں کی مشکلات ہماری اقلیتوں کے رکھوالوں کو نظر نہیں آتیں۔ کیا بنگلہ دیش اور پاکستان میں بھی کوئی اقلیتی کمیشن قائم کیا گیا ہے؟ مشرقی اور مغربی پاکستان سے آنے والے رفیوجیوں کی مشکلات اور ہندوستان پہنچنے کے بعد ان کی حالت کو ہر شخص نے فراموش کر دیا ہے۔ اقلیتی کمیشن ان ہندوستانیوں کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ ہے جنھوں نے ہندوستان آدری سے قبل مسلمانوں کے ہاتھوں بے عزتی اور زیادتیاں جھیلی ہیں۔ وشوناتھ پرتاپ سنگھ اور ان کے غنڈے حواریوں نے بائیں بازو کے جتھے کے ساتھ اس بل کی حمایت کی ہے

گویا کہ وہ مادر وطن کی دوسری تقسیم کا پیش خیمہ تیار کر کے اقلیتوں کے چیمپئن بننا چاہتے ہیں۔ جمہوریت ہندوستان میں اور کچھ نہیں بلکہ منھ بھرائی کا طریقہ بن گئی ہے۔

ابو روا مجمدار جبل پور
آرگنائزر ۲۸/ جون ۹۲

---

(۳) اگرچہ وہ ان اصطلاحات کے صحیح صحیح معنیٰ سے بھی واقف نہ ہوں، تاہم سیکولرسٹ حضرات کے درمیان یہ بات تیزی کے ساتھ ایک فیشن بنتی جا رہی ہے کہ وہ روانی کے ساتھ "مسلم برل" اور "ہندو فنڈامنٹلسٹ" کی اصطلاحات استعمال کریں، یہ سمجھے بغیر کہ ان کے مضمرات کیا ہیں۔

ایک "لبرل" کا رویہ والیٹئر کے مشہور مقولہ کے مطابق یہ ہونا ہے کہ "میں تمہاری بات سے اتفاق نہ کروں، لیکن تا دم مرگ میں تمہارے اس حق کا دفاع کروں گا کہ تم اپنی بات کہہ سکو"۔ ظاہر ہے کہ یہ رویہ مغربی یورپ کے ان دانشوروں کے ساتھ مخصوص ہے جو رومی کلیسا کی عدالتی کارروائیوں (Inquisition) اور دیگر ناروا داریوں کے منفی اثرات کے ماحول میں نشاۃ ثانیہ کے بعد سامنے آئے۔ یہ بات انتہائی مشکوک ہے کہ فکر کی یہ نہج اسلامی اداروں میں ابھی بھی جائز سمجھی جاتی ہو۔

ابھی کچھ ہی برسوں قبل کی بات ہے کہ ایران کے مرحوم آیت اللہ خمینی نے سلمان رشدی (شیطانی آیات والے) کو ان کی "کفریات" کی بنا پر، کتاب پڑھے بغیر ہی، موت کا فتویٰ دے دیا تھا۔ صرف ٹی وی پر خبریں سن کر۔ جب کہ ہم ۲۱ ویں صدی کی دہلیز پر ہیں اور اقوام متحدہ میں تمام قوموں کی نمائندگی موجود ہے، پھر کیا کوئی اور مذہب ہے جو اس طرح عوام کو سزائے موت دینے کی اجازت دیتا ہو؟ کیا رشدی کو خود اس ستم ظریفی کا احساس ہے کہ اس کی زندگی مارگریٹ تھیچر کی برطانوی حکومت نے بچائی ہے جس کے خلاف وہ کسی اشتعال انگیزی کے بغیر اندھا دھند حملے کرتا رہا ہے؟

جہاں تک مسلم لبرل کا سوال ہے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے جامعہ ملیہ کے واقعہ میں آواز اٹھائی ہے، وہ اصلاً کیا کر سکتے ہیں؟ بہرحال جامعہ ملیہ ایک قومی تعلیمی ادارہ (بنارس ہندو یونیورسٹی، شانتی نکیتن اور پانڈیچری وغیرہ کی طرح مرکز پر منحصر) ہے یا کہ ایک اسلامی دینیات کا مدرسہ؟ حقیقی مسلم لبرل حضرات (مثلاً ایم سی چھاگلہ، بدرالدین طیب جی، اصغر علی انجینئر اور کچھ دیگر) جن کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے، ان کو ہی لیجئے، ان کا مسلم سوسائٹی پر کیا اثر ہے؟ سر سید احمد خاں کا نام بھی ایک عظیم لبرل اور مصلح کی حیثیت سے سننے میں آتا رہتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ انگریزی تعلیم کے فروغ کے لئے اس غرض سے کام کر رہے تھے کہ مسلمانوں کو سرکاری نوکریوں میں اچھا خاصا حصہ مل جائے

لیکن کیا انھوں نے ایسی بھی کوئی تحریک شروع کی جس سے خواتین کو آزادی مل جائے اور دونوں جنس برابر ہو جائیں؟

اب کچھ "ہندو فنڈامنٹلزم" کے بارے میں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس طرح جزائر میں سانپ نہیں ہوتے، اسی طرح اس کا بھی کوئی وجود نہیں ہے۔ اس کی وجہ بھی سادہ سی ہے کہ اس کا کوئی بانی نہیں، کوئی کتاب یا مذہبی عقیدہ نہیں۔ یہ قدامت پسند، روایت پرست، رجعت پسند تم سے۔ مقدس یا مجھے۔ مت۔ چھوؤ تو ہو سکتا ہے، فنڈامنٹلسٹ نہیں ہو سکتا۔ آپ اسے مسلم فنڈامنٹلزم کے مساوی نہیں رکھ سکتے۔

اب یہ نام و نہاد سیکولر گورنمنٹ کے طے کرنے کی بات ہے کہ وہ مسلم بنیاد پرستوں کو ہندوستانی دستور کا پابند بنانے کی ضرورت محسوس کرتی ہے یا انھیں شریعت کا اتباع کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیتی ہے۔ لیکن انھیں مسلم ممالک مثلاً ترکی یا مصر میں آزاد چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ دستور سے ہٹ کر اپنی الگ راہ نکالیں؟

ڈی۔ انجیا / مدراس
ہندو / ۲۲ جون ۹۲

---

(۴) فاروق عبداللہ اور ان کے والد شیخ عبداللہ کے علیحدگی پسندانہ اور بھڑکانے والے بیانات کے بارے میں پڑھ کر بہت ٹھیس پہنچی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دلیش کی تقسیم کے بعد مسلمان بھارت میں صرف اس لئے رہ گئے تھے کہ ایک اور تقسیم کی بنیاد رکھی جا سکے۔ بھارت میں رہتے ہوئے بھی پاکستان کی باتیں کرنے والے کٹھ ملاؤں کی باتیں دلی تکلیف پیدا کرتی ہیں۔

جب میں اسکول میں پڑھتا تھا تو ایک ہم جماعت راشٹریہ گیت نہیں گاتا تھا اور راشٹریہ گیت کے وقت جان بوجھ کر اٹنشن کی حالت میں نہیں کھڑا ہوتا تھا۔ اتنی چھوٹی عمر میں ایسے خیالات صرف خاندانی ماحول کی وجہ سے ہی پیدا ہو سکتے ہیں۔

ورن اگروال / دہلی
پانچ جنیہ / ۲۳ فروری ۹۲ء

---

(۵) یہ اس پورے صفحے کے اشتہار کے حوالہ سے جو بعض غیر مقیم ہندوستانیوں نے بھارتیہ جنتا پارٹی کے حق میں جانے والے دلائل کی تردید میں جاری کیا ہے۔ ہم کیلی فورنیا کے مقیم اور غیر مقیم ہندو یہ جاننا چاہیں گے کہ ہندو سماج کی پسماندہ برادریوں کو دیئے جانے والے ریزرویشن کس بنیاد پر نومسلموں اور نو عیسائیوں کو بھی دیئے جائیں تاوقتیکہ وہ یہ محسوس کریں کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کو بھی جات برادری کا نظام اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اور کیا وجہ ہے کہ راشٹریہ سویم سیوک سنگھ جیسی ہندو تنظیمیں اب تک تین مرتبہ اس کا سامنا کر چکی ہیں؟ ہم ہندوؤں کے لئے کسی جداگانہ کوڈ کا مطالبہ نہیں کر رہے تھے، بلکہ صرف اس بات کا مطالبہ کر رہے تھے کہ جو شریعت کو سپریم کورٹ پر بالادست رکھے، وہ ختم ہو۔

کیا کوئی شخص واقعی اس بات کا یقین کرتا ہے کہ دفعہ ۳۷۰ اور اس کے بعد والی دفعات یعنی ۳۷۱، ۳۷۱ اے، ۳۷۱ ایچ سب ایک ہی سطح پر ہیں؟ اگر ایسا ہے تو کیا ایک گجراتی لڑکی جو ایک مہاراشٹری سے شادی کرے، اس کے جائیدادی حقوق گجرات میں ختم ہو جائیں گے؟ لیکن اس کے یہ حقوق باقی رہتے اگر وہ ایک کشمیری لڑکی ہوتی اور اس نے ایک غیر کشمیری سے شادی کی ہوتی؟ دفعہ ۳۷۰ کے خلاف ریاست جموں و کشمیر کو اپنا دستور اپنا جھنڈا اور اپنا وزیر اعظم حاصل ہے۔ اس وقت بھی وہاں پر ہندوستانی جائیداد اور تحفہ ٹیکس نیز شہری زمین حد بندی ایکٹ لاگو نہیں ہوتے۔ کیا یہ اس وجہ سے ہے کہ وہاں پر مسلمانوں کی اکثریت ہے؟

غیر ممالک سے اپیل جاری کرنا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ سوامی وویکانند، ساورکر، نیتا جی سبھاش چندر بوس اور بہت سے دوسرے لوگوں نے بیرون ملک قیام کے دوران اس ملک کی خدمت کی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ہم ان قدآور ہستیوں کے برابر ہو گئے ہوں، مگر مثالیں موجود ہیں۔ یہاں کے دسیوں لاکھ غیر مقیم ہندوستانیوں میں ہندو اب بھی ہندوستان کو اپنا گھر کہتے ہیں جس طرح کہ یہودی اسرائیل کی طرف دیکھتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ دوسروں کے لئے بھی ہندوستان اپنا گھر ہے لیکن تمام ہندوستانیوں کے مقدس مقامات اور روحانی مراکز ہندوستان میں نہیں ہیں جب کہ ہندوؤں کے ہیں۔ بہر حال میری بات کو غلط نہ سمجھا جائے، میری مراد یہ نہیں ہے کہ وہ دوسرے لوگ کچھ کم ہندوستانی ہیں یا ہندوستان سے محبت نہیں کرتے۔

جی۔ وی۔ جلوا پلا، امریکہ
انڈین ایکسپریس / ۲۰ فروری ۹۳ء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ لوگوں سے چھین کر علم کو نہیں اٹھائے گا بلکہ علماء کو اٹھا کر علم اٹھا لیا جائے گا۔ پھر جب کوئی حقیقی عالم نہیں رہ جائے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے اور پھر ان سے مسئلہ پوچھا جائے گا تو وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ (بخاری و مسلم)

بعض اہلِ علم کے نزدیک اسی حدیث سے یہ بات بھی سمجھی جاتی ہے کہ لوگوں پر دشواریاں علماء کی طرف سے نہیں آئیں گی بلکہ ان لوگوں کی طرف سے آئیں گی جو علم کے بغیر فتویٰ دیں گے۔ یہی لوگ عوام کے لئے مصیبت بنیں گے، اسی سے ملتی جلتی یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ امین نے کبھی خیانت نہیں کی لیکن جب غیر امین کو امین بنایا گیا تو اس نے خیانت کی۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی

ہندوتو — ملکی اور غیــــر ملکی دانشوروں کی آراء

ادارہ

چھ دسمبر اور اس کے بعد کے واقعات نے اندرون و بیرون ملک کے امن پسند آراء نگاروں اور دانشوروں کو ہندوتو کی تحریک اور اس کے عواقب پر گہرائی سے نظر ڈالنے پر مجبور کیا ہے۔ اس میں سے بعض کی آراء یہاں درج کی جارہی ہیں۔ ان دانشوروں کے اندیشے بین الاقوامی ہم آہنگی کے تعلق سے بھی برمحل ہیں اور ہندوستان کے مستقبل قریب کی صورت گری کے اعتبار سے بھی۔ یہاں جن دانشوروں کی تحریروں کے اقتباس پیش کئے جارہے ہیں' ان میں سے این رام ہندو اشاعتی گھرانہ کے انگریزی جریدہ "فرنٹ لائن" کے مدیر ہیں۔ ایس ایس گل مرکزی کابینہ میں ذمہ داری نبھا چکے ہیں۔ مدھو لیمائے ایک سوشلسٹ لیڈر اور رام منوہر لوہیا کی طرز کے ہندتو کے نمائندے ہیں۔ اے جی نورانی ایک ممتاز وکیل ہیں اور روزنامہ انڈین ایکسپریس سے وابستہ رہ چکے ہیں۔ مالنی پرتھا سارتھی سنجیدہ صحافی حلقوں میں معروف ہیں اور کانگریس کے قریب ہیں۔ بھرت جھن جھن والا نے "مین اسٹریم" میں قومی نکتہ نظر سے ایک اہم تحریر سپرد قلم کی ہے، جس کا اقتباس یہاں پیش کیا گیا ہے۔ جان میک کارتھی نے ایک غیر ملکی مسافر کی حیثیت سے بین الاقوامی اندیشوں کی ترجمانی کی ہے۔

این رام : ہندو عسکریت پسندی

ایک ایسی صورت حال میں جو ملک کے مختلف حصوں میں "نرم" پڑتی جارہی ہے۔ ہندتو کا مرکزی منشاء ہے "سخت" سیاست یعنی سیاسی اقتدار کی جدوجہد اور اس کھیل کی ہندتو ایک ایسی تعبیر پیش کرتا ہے جو دوسرے حالات میں فرضی یا اجنبی معلوم ہوتا ہے، یعنی صرف ایک اشو ـــــ رام جنم بھومی میں غیر معمولی انہماک ـــــ ۹۰ویں اور اس آخری عشرہ میں رام جنم بھومی کو میدان جنگ بنانا سیکولر لحاظ سے بامعنی نہ ہوگا۔ تاوقتیکہ اسے عوامی تحریک اور سیاسی جدوجہد کے وسیع تر پس منظر کے ایک جزو کے طور پر نہ دیکھا جائے۔ یہ سب کچھ صرف قومی اسٹیج پر سیاسی منزلیں سر کرنے کے لئے ہے جو ہندتو کے تجزیہ نگاروں کے مطابق ایک نہایت منتشر پلیٹ فارم کی توسیع کے لئے عدیم المثال مواقع فراہم کرتا ہے اور ہریں بنا اقلیتوں اور ان گروہوں کو جو ہندتو کے سیاسی نظریہ سے خارج ہیں، انھیں نشانہ بناکر "راشٹریہ ایکتا" کے نصب العین کے تئیں لگاؤ کا الٹ دعویٰ کیا جارہا ہے۔

ہندو پلیٹ فارم کسی بھی طرح سے کچھ نیا نہیں ہے۔ راشٹریہ سویم سیوک سنگھ جو ایک غیر سیاسی "تعلیمی" تنظیم ہونے کی مدعی ہے (اگرچہ درحقیقت وہ اپنے سات لاکھ سویم سیوکوں اور کل وقتی کارکنان کے ساتھ ہندوستان میں ہندو احیا کے لئے سرگرم سب سے بڑی اور سب سے موثر تنظیم ہے) وہ ۱۹۲۵ء سے ہی اس میدان میں جمی ہوئی ہے ستم ظریفی دیکھئے کہ جس عشرہ میں کانگریس (آئی) کو قومی اسٹیج پر دوبارہ "غلبہ" ملا اور راشٹریہ سویم سیوک سنگھ نے بیدلی کے ساتھ یہ اشارہ دیا کہ وہ سیاست سے مایوس ہوچکی ہے۔ اسی عشرہ کی شروعات سے ہندتو کو موثر سیاسی تحریک کا تازہ ترین پلیٹ فارم بنادیا گیا۔ یہ کہانی ہمارے نظام کے اداراجاتی انحطاط اور کانگریس (آئی) کی کارکردگی کے زوال سے بھی اسی قدر متصل ہے جس قدر کہ بھارتیہ جنتا پارٹی، وشو ہندو پریشد اور راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کی ٹولی کے شکاری منصوبہ سے۔

۱۹۸۹ء، ۱۹۹۰ء اور ۱۹۹۱ء کے فرقہ وارانہ تشدد میں جتنی جانوں کا ضیاع ہوا ہے اور جتنا خون بہا ہے، اس کی اخلاقی ذمہ داری ہندتو کے سیاسی لیڈروں کے کھاتے میں ڈالی جانی چاہئے۔ قومی سیاسی نشوونما کے اس باب نے قطعی طور پر ثابت کردیا ہے کہ اس طرح کے عسکریت پسند مذہبی احیائی پروگرام اور ملک کے مختلف حصوں میں فرقہ وارانہ تشدد کے واقعات کی زیادتی کے بیچ ایک مضبوط تعلق ہے۔ اس نے ہندوستان کے جمہوری، سیکولر اور ثقافتی عمل میں گہرائی تک افراتفری پیدا کرنے کی ٹھانی ہے۔ [۱]

ایس ایس گل : نئی ہندو امیج

اپنی خود شعوری کو تیز گام کرنے کے لئے قومی ریاستوں کو اپنی صحیفات کی تخلیق خود کرنا ہوتی ہے۔ اس کی سب سے زیادہ بولتی ہوئی مثال ہماری آنکھوں کے سامنے واگذار ہورہی ہے۔ ذرا اس بیکراں تبدیلیوں پر غور کیجئے جس سے ہندو شعور بابری مسجد کے انہدام کے نتیجہ میں دوچار ہوا ہے۔ اس غنڈہ گردی پر ہر کسی کا ابتدائی ردعمل یہ

تھا کہ اس سے بھارتیہ جنتا پارٹی کی قومی امیج کو بہت نقصان پہنچے گا اور سیکولرزم کی مراد بر آئے گی۔ حتیٰ کہ بھارتیہ جنتا پارٹی کے لیڈران بھی بہت متاثر نظر آتے تھے اور لال کرشن اڈوانی نے حزب اختلاف کے لیڈر کی حیثیت سے اس "بدنصیب" واقعہ کی اخلاقی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا تھا۔ لیکن ایک ہفتہ کے اندر اس موڈ میں زبردست تبدیلی آئی۔ اب سنگھ پریوار کا ہر شخص اس "پرانے سڑے گلے ڈھانچہ" کی تباہی پر کھلم کھلا خوشی کا اظہار کر رہا تھا اور جلد ہی یہ بپھرتے ہوئے ہندتو کی علامت بن گیا۔ ایک ہی جھٹکے میں صدیوں کی مفروضہ بے عزتیوں کا داغ دھل گیا اور "ہندو راج" ایک نئے افتخار سے سرشار ہو گیا۔ ایسا محسوس ہوا گویا کہ اس فرقہ نے راتوں رات ایک نیا شعور حاصل کر لیا ہے: بے باک، رعب داب والا اور سرکش۔

اگرچہ اس کے عواقب پوری طرح سامنے آنے میں برسوں لگ جائیں گے۔ اس کا ایک پہلو فوری توجہ کا طالب ہے۔ اگر کسی فرقہ کا اجتماعی شعور اس کے تاریخی تجربات کا مرکب ہوتا ہے، تو پھر اچانک ہی صرف ایک واقعہ یا زیادہ صحیح الفاظ میں صرف ایک ایسے اشو جس نے اپنی طرف عوام کی توجہ صرف پانچ برس تک ہی متوجہ رکھی تھی، اس سے یہ نیا ہندو شعور کیوں کر نمودار ہو گیا؟ ——— درحقیقت یہ نکات عروج جیسے تھے نہ کہ ہندتو کے جہاد کے اصل محرکات۔ یہ زمین بہت پہلے تیار کی گئی تھی اور نیچے کی سطح Grassroot Level تک مدتوں ایک مخصوص فلسفہ کی ترویج کر کے ماحول سازگار کر لیا گیا تھا

(۱) وی ڈی ساورکر نے ۱۹۱۷ء میں اپنی کتاب "ہندتو" میں یہ نعرہ لگایا تھا کہ "ہندتو ہی قوم پرستی ہے۔"

(۲) راشٹریہ سویم سیوک سنگھ نے اس نعرے کو ایک نصب العین میں تبدیل کر دیا اور اس کے لئے جی توڑ کوششیں کیں جس کے دوران تاریخ کی مسخ شدہ تصویر مسلسل پیش کی جاتی رہی۔

(۳) (الف) ہندوستان کے غیر ہندو افراد کو یا تو ہندو کلچر اختیار کر لینا چاہئے ۔ ۔ ۔ یا پھر وہ ہندوازم کے مکمل تابع بن کر رہیں۔"

(ب) "صرف ہندو ہی واقعی ہندوستانی ہیں۔"

(ج) "دیگر مذہبی فرقے حملہ آور اور باغی ہیں۔"

(د) "بیشتر سیاسی پارٹیوں نے ان کے ووٹ حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کی ناز برداریاں کرنے کی کوششیں کی ہیں۔"

(ہ) ہندوؤں کو ان کے اپنے ملک میں دوسرے درجے کا شہری بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔"

یہ خیالات دسیوں برس تک کسی نہ کسی شکل میں پھیلائے جاتے رہے۔

(۴) لال کرشن اڈوانی نے ان کو اور بھی زیادہ نفیس انداز میں پیش کیا ———

(الف) "ہندوستانی کلچر ہندو کلچر ہے"

(ب) "تمام ہندوستانی ہندو ہیں بشمول مسلمانوں کے"

(ج) "مسلمان بلاشبہ محمدی ہندو ہیں"

(د) "اقلیت نوازی ——— ہندوؤں کی تاریخی جراحتوں پر مزید اضافہ کرتی ہے۔"

(ہ) "جبکہ ہندو پہلے ہی مسلم حکمرانوں سے چوٹ کھائے ہوئے ہے" [۲]

مدھولمائے: سچ کا دھوکا

عہدِ عتیق سے وویکانند، آروبندو اور گاندھی تک ہندو یہ تسلیم کرتے چلے آئے ہیں کہ "سچائی Truth کئی رنگ کی پوشاکیں پہنتی ہے اور اجنبی بولیاں بولتی ہے۔" وہ دوسرے عقائد کے عوام کی مذہبی یادگاروں کو تباہ یا ناپاک کرنے کی اجازت نہیں دیتی یہودی (سامی) مذاہب پر عمل کرنے والے لوگوں میں ایسی کوئی روک نہیں پائی جاتی۔

بدقسمتی سے ہندو جاگرن کے نام پر سنگھ پریوار وہ کچھ کرنے کے درپے ہے جسے شیواجی (بھوسلے) نے ہندوازم کے انتہائی مقدس اصولوں کے خلاف قرار دے دیا ہوتا۔ سوال یہ ہے کہ کیا بالا صاحب دیورس، اشوک سنگھل، لال کرشن اڈوانی یا ونے کٹیار شیواجی بھوسلے سے زیادہ عظیم ہیں جنھوں نے مہاراشٹر کے ایک بڑے حصہ کو مغل تسلط سے آزاد کرایا تھا؟

سنگھ پریوار انتقام لینے پر تلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ وہ ماضی کا بدلہ لینا چاہتے ہیں لیکن وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ کوئی "مدھر بدلہ" نہیں ہے۔ ماضی کی بے عزتیوں کو دھونے کا یہ کوئی طریقہ نہیں ہے دراصل پریوار ہندوستان کے مسلم حملہ آوروں کے بدترین کاموں کی نقل کر رہا ہے اور اس طرح ہندوازم کی عظیم الشان عمارت کو ناقابل مرمت نقصان پہنچا رہا ہے اور رواداری کی پالیسی کے شریفانہ ورثہ کو بھی۔

اس ملک کی آبادی کی اکثریت ہندو ہے اور ایک سیکولر ریاست کے اندر رہتے ہوئے بھی یہ بات ناگزیر ہے کہ اس ملک کی رسومات و روایات، تہذیبی ضروریات اور عمومی مزاج پر ہندو نظریہ اور روایات کی مہر لگی رہے۔ اس سے کسی کو اختلاف نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آخر کس قسم کا ہندو فلسفہ، ہندو نظریہ اور ہندو روایات؟ وہ جس کی تبلیغ شیواجی (بھوسلے) کرتے تھے یا وہ جو سنگھ پریوار کا آئیڈیل ہے؟ ہر ہندو کو جلد ہی اس کا جواب دینا ہوگا [۳]

اے جی نورانی: نفرت جدیدہ

ہم جس چیز کا مشاہدہ کر رہے ہیں، وہ "پرانی رنجشوں کا پروردہ تشدد" نہیں ہے بلکہ ایک "نفرت جدیدہ" ہے جو "معاصر تنازعات" کو سیاستدانوں اور دیگر حضرات کی خدمات کے ذریعہ ایندھن بہم پہنچاتی ہے۔ ۔۔ دانشور، مصنفین، فنکار اور سیاستداں یہ نفرت تیار

کرتے ہیں۔ فلم اور ویڈیو، نصاب اور نصابی کتابیں ماضی کی داستانوں کو سند عطا کرتے ہیں اور یہ وہ اجتماعی یادداشتیں ہیں جو تخیلات اور رجحانات کو ایک شکل دیتی ہیں۔" یہ ہمارے ملک کی اس "صنعت نفرت" کا بیان کامل ہے جسے سنگھ پریوار نے قائم کیا ہے اور یہ قابل ذکر کام ریاستی حمایت کے بنا سرانجام نہیں ہوا ہے۔

لہٰذا یہ کوئی نکتہ رسی نہیں ہے کہ پرانی نفرتوں کے احیا کی بات کی جائے۔" یہ نفرت جدیدہ ہے اور اس سے زیادہ قریب تر ہو سکتی ہے جتنا کہ ہم گمان کرتے ہیں۔

۱۹ویں صدی میں چھیڑی جانے والی آریہ سماج تحریک "اس بات کی اولین جدید کاوشیں تھیں کہ ہندو مذہبی اقدار کا رشتہ عوامی زندگی سے جوڑا جائے۔ یہ تحریک شروعات تھی۔ ان گروپوں کی تشکیل کی جو بالآخر بھارتیہ جنتا پارٹی کی شکل میں سامنے آئے۔ گاندھی نے سیکولرزم کی قیمت پر ہندو علامتوں اور تصورات کے استعمال کی شکل میں جو سمجھوتہ کیا تھا اس کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ لیکن ۱۹ویں صدی کی آریہ سماج جیسی تحریکات کی اولادیں تو اس سے بھی زیادہ خراب تھیں۔

یہ کہنا کہ اس طرح کی تحریکیں "مضبوط لیڈرشپ اور داخلی ڈسپلن کا رجحان" رکھتی ہیں، ان کے فاشسٹ کردار کو ہلکا کرکے پیش کرنا ہے۔ ان کے ابھار کی روشنی میں اقلیتوں کے "اندیشے واجبی" ہیں —— مذہبی پنڈت، تاریخ داں اور نظریہ ساز (اس نفرت جدیدہ کے) بیج بوتے ہیں اور زمین تیار کرتے ہیں۔ سیاست داں کسی شبھ گھڑی میں سے ہتھیا لیتے ہیں۔ جب ایک بار اندرا گاندھی نے ہندو کارڈ کھیلنا شروع کردیا تو بھارتیہ جنتا پارٹی کو اس سے قابل ذکر فائدہ پہنچا۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کے حامی مصنفین نے بھی اس تحریک کو تقویت پہنچائی ہے —— ہم اپنے ساتھ زیادتی کریں گے اگر اس چیلنج کو نظر انداز کردیں جو سیکولرزم کو درپیش ہے اور اس سے بھی خراب بات یہ ہوگی کہ یہ قابل ن خطرات سے نظریں چرا کر برتا جائے جو اس "نفرت جدیدہ" کے مبلغین مذہبی مذاہب کے نام پر برپا کر رہے ہیں۔ [۴]

النی پرتھا سارتھی : کانگریسی ہندتو

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نروس ہوکر اور کوئی غور کئے بنا اس الزام کو قبول کرکے کہ دسیوں برس تک سیکولر لوگوں نے منہ بھرائی کی پالیسی اپنا کر اکثریت کے جذبات کو مجروح کیا ہے، بہت سے سینئر (کانگریس) پارٹی ممبران اپنے آپ کو "فرقہ وارانہ اتفاق رائے" کی غلامی کے جال میں ڈالنے کے لئے تیار کر رہے ہیں۔ اس نتیجہ میں بشمول مرکزی وزیر برائے فروغ وسائل انسانی ارجن سنگھ دیگر ممبران کے اصرار کے مقابل ایک مخصوص سیاسی حکمت عملی اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ اس سیاسی لائن کو "نرم ہندتو" کہا جا سکتا ہے۔ جو اس مفروضہ پر قائم ہے کہ بھارتیہ جنتا پارٹی سے براہ راست محاذ آرائی کا نتیجہ اکثریتی فرقہ سے الگاؤ کی شکل میں ظاہر ہوگا جو کہ سیاسی اور انتخابی طور پر مہنگا پڑ سکتا ہے۔

اس سیاسی حکمت عملی کی خامی یہ ہے کہ یہ لاشعوری طور پر اس تھیسس کو رام کرتی ہے کہ اکثریتی فرقہ کا شکایتی احساس واقعی صحیح ہے۔ چنانچہ ان لوگوں کا رویہ سیکولرزم کے تعلق سے معذرت خواہانہ اور مدافعانہ رہا ہے۔ ہندتو کا یہ الزام تسلیم کرکے کہ ہندوستان میں جس سیکولرزم کا رواج ہے وہ اقلیتوں کی رضاجوئی اور اکثریتی امنگوں کا گلا گھونٹ دینے پر مبنی ہے۔ چنانچہ سیکولرزم کے پورے تصور کو ہندتو کے استعارات میں رنگ دیا گیا ہے۔ ہندتو کے ڈرامہ کے مطابق سیکولرزم کو ایک —— ایسا فلسفہ سمجھا جا رہا ہے جو اس لئے ناکام ہوگیا کہ اس کی بنیادی سیاسی منطق مذہبی فرقوں کے حوالہ سے وضع کی گئی تھی۔

سیکولرزم کی یہ محدود تشریح وتعبیر اور اکثریتی فرقہ کے "مجروح جذبات" کے تعلق سے احساس ترحم کا ناقابل توجیہ بوجھ متعدد سینئر (کانگریس) پارٹی ممبران اور نرسمہا راؤ انتظامیہ کے وزراء کی فکر پر غالب ہے۔ اترپردیش کے سینئر لیڈر یہ اقرار کرتے ہیں کہ سیاسی مہم کا فقدان جو اپنے آپ میں نظریاتی عدم تیقین کا نتیجہ ہے۔ وہ پارٹی کی نچلی سطح کے کارکنان میں بددلی پیدا کر رہا ہے۔ گزشتہ انتخابات میں اترپردیش میں بھارتیہ جنتا پارٹی کا برسر اقتدار آجانا کانگریس پارٹی کی اس نااہلی کا نتیجہ تھا کہ ان لوگوں نے بھارتیہ جنتا پارٹی کی ہندتو مہم کو چیلنج ہی نہیں کیا تھا۔ ایسا

محسوس ہوتا ہے کہ "نرم ہندتو" نے کانگریس پارٹی کی اکائیوں پر پہلے سے ہی قبضہ جما لیا تھا۔ [۵]

جان میک کارتھی: مسلم دشمنی کا جادو

میں بنارس کے قریبی شہر میں مقیم تھا۔ اس رات بھرے پرے مرکزی بازار کی گلیوں میں ٹہلتے ہوئے میں لاؤڈ اسپیکر سے نکلنے والی ہٹلر جیسی آوازیں سن کر چونک پڑا جو شہر بھر میں پھیل رہی تھیں۔ میں نے اپنے دوست سے دریافت کیا کہ کیا ہو رہا ہے؟ اس نے بتایا کہ یہ آواز ہندوستان کے ایک بڑے سیاسی نیتا کی ہے جو بھارتیہ جنتا پارٹی سے وابستہ ہیں۔ اس تقریر کا مرکزی موضوع جیسا کہ مجھے ترجمان سے معلوم ہوا، یہ تھا: "ہندوستان کے مسلمانوں پر ہر طرح کی تاریخی جارحیت کے الزامات عائد کرنا اور ہندوؤں کے خلاف کی جانے والی مسلسل اسلامی جارحیت میں موجودہ اور گزشتہ حکمراں لیڈروں کی سانٹھ گانٹھ کے لئے انھیں موردِ الزام ٹھہرانا۔

میں حیرت میں تھا کہ نفرت کی اس پرشور تجارت کی نہ صرف یہ کہ ایک پبلک مقام پر اجازت دی گئی ہے بلکہ اسے پورے شہر میں بجلی کے کھمبوں پر لاؤڈ اسپیکر لگا کر پھیلانے کی چھوٹ بھی دی گئی ہے، جبکہ پولیس کھڑی یہ سب شور و غوغا سن رہی ہے۔ میرے دوست نے مجھے یاد دلایا کہ بنارس اتر پردیش میں بھارتیہ جنتا پارٹی کا گڑھ ہے ——— میں نے یہ خیال کیا کہ اجودھیا پر ہندو فنڈامنٹلسٹوں کے حملہ کے پیچھے ریاستی حکومت کی مشینری ہے تو مجھے حیرت ہوئی کہ ہندوستان کی مرکزی حکومت کیوں مداخلت نہیں کر رہی ہے جبکہ ہندوستان کے اس بڑے مرکز میں مذہبی ناروا داری اور فرقہ وارانہ منافرت کی عوامی وکالت کے خلاف کچھ کرنا اس کا دستوری حق ہے۔

بیروزگار نوجوان، پسماندہ معیشت، افراطِ آبادی، مرض و جہالت، عوامی گندگی، ذات برادری کا روگ وغیرہ ——— ہندوستان کے تمام مسائل دوسرے عقائد کے لوگوں پر ڈال کر آپ کچھ کرنے کی محنت سے خود کو بچا لیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی آپ اکثریتی گروہوں کو بہت آسانی کے ساتھ اپنی طرف مائل بھی کر لیتے ہیں: ہم اور وہ کی تفریق کی قبائلی عصبیت کو بھڑکا کر اور آپ کو اس کے سوا کچھ نہیں کرنا ہوتا کہ آپ اقلیتوں پر حملے کرتے رہیں ——— یہ ایک انتہائی طاقتور سیاسی جادو ہے جو بہت ہی مختصر وقفہ میں کسی بھی ملک پر قابو پاکر اسے تباہ کر سکتا ہے [۶]

بھرت جھن جھن والا: تین سوال

تین سوال جو مجھے انتہائی اہم معلوم ہوتے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں ———

اول، قومیت کے دائرہ سے باہر جو مذہبی اور نظریاتی وفاداریوں کی راہ سے جو آفاقی اقدار ابھری ہیں، ان کے ساتھ تال میل کیوں کر بٹھایا جائے؟ اس سے یہ ذیلی سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلم، عیسائی اور مارکسی آفاقی اقدار کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے جنھوں نے غیر قومی مذہبی یا نظریاتی وفاداریوں کی شکل اختیار کر لی ہے اور کیا ان شذوذ کی اصلاح کی جائے اور اگر ہاں، تو کس طرح؟ جب تک غیر قومی مذہبی وفاداریوں کو قومیت کے تصور کے ہی خلاف سمجھا جاتا رہے گا اکثریت اور اقلیتوں کے مابین تال میل کی کوئی امید کم ہی کی جا سکتی ہے۔ یہ سوال کانگریس۔ گاندھی بنام بھارتیہ جنتا پارٹی۔ ہندو صف بندی کی کُنہ میں موجود ہے۔

دوم، ہم متوسط طبقہ والی بیوروکریسی کے جبر کو کس طرح کنٹرول کر سکتے ہیں جو کہ ہندوستان کے جملہ عوام کا استحصال کرنے والی بن گئی ہے؟ جب تک اس بیوروکریسی کو قابو میں نہیں کیا جاتا یہ کشمکش کسی نہ کسی شکل میں ابھرتی رہے گی۔ اس سوال کی جڑ دونا سے ہی ابھری ہے وہ صف بندی جس میں کانگریس، گاندھی ایک جانب ہیں اور بایاں بازو، مارکسوادی نیز بھارتیہ جنتا پارٹی۔ ہندو دوسری طرف۔

سوم، ہم بھارتیہ جنتا پارٹی پر کس طرح دباؤ ڈال سکتے ہیں کہ وہ دستورِ ہند کی معاشی مرمت خود ہی کر ڈالے؟ اگرچہ بھارتیہ جنتا پارٹی کو وہ معاشی قوتیں کھینچے پھر رہی ہیں جو دستوری ڈھانچہ کے ہی خلاف ہیں، یہ بات کہیں سے بھی یقینی طور پر ظاہر نہیں ہو رہی ہے کہ بھارتیہ جنتا پارٹی کو ان معاشی آرا کا شعور ہے اور وہ یہ کام تکمیل کو بھی پہنچا دے گی بلکہ اس کوشش میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی اس طرح کی کوششیں ایک ایسے مذہبی فنڈامنٹلزم میں بدل جائیں جس کی مہار رسومات سے پُر برہمنیت کے ہاتھوں میں ہو۔ [۷]

●●

حوالے: ———

1 Front line/ 26 Oct- 8 Nov' 91 / P-4 - 5
2 The Hindu/ 29 Jan'93 / P8
3 The Hindustan Times / 17 Jan'93 / P 5 Supplimentary
4 Frontline / 18 June' 93 / p 101- 2
5 The Hindu / 4 March ' 93 / P 8
6 The Hindu / 2 March ' 93 / p 17
7 The Mainstream / 16 Jan 93 / p 21 -22

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"ملعون ہے وہ جو کسی مومن کو ضرر پہنچائے
یا اسے دھوکا دے" (ترمذی)


کترنی بیڑی
ہر کش میں لاجواب
कतरनी रुस्तम अली बीड़ी
स्पेशल क्वालिटी
रुस्तम अली अन्सारी
रजि. नंबर
ए.६६८४
کترنی بیڑی
کٹرا بازار، بھدوہی، وارانسی (یوپی) فون: ۲۵۲۱۰
منجانب: رستم علی انصاری

ہندتو اور خواتین

سلطان احمد اصلاحی

'ہندتو اور خواتین' عنوان کئی پہلوؤں سے چونکانے والا ہے۔ اور مختلف جہتوں سے یہ غور و فکر کا طالب ہے۔ لیکن 'خواتین' سے پہلے عنوان کی پہلی شق' ہندتو پر یہیں ٹھہرنے کی ضرورت ہے۔ اس لیے جب تک اس کے بارے میں ذہن صاف نہ ہو جائے اور ہندتو کا مطلب واضح نہ ہو جائے' خواتین' سے اس کا رشتہ اور اس سے متعلق مسائل پر گفتگو کا صحیح سمت میں آگے بڑھنا دشوار ہوگا۔

آج کے صحافتی افق پر چھائے اور میڈیا کے ذریعہ فضا کو جیرپے 'ہندتو' کے دراصل دو رخ ہیں۔ ایک رخ ظاہری لیکن مصنوعی' دوسرا باطنی اور وہی حقیقی ہے۔ اپنے ظاہری مصنوعی چہرے سے 'ہندتو' کی تحریک یہ تاثر دینا چاہتی ہے کہ آزادی کے بعد سے ملک کی روایتی سیکولر حکومت یہاں کی مسلمان اقلیت کی ناز برداری کی پالیسی سے اب تک غالب ہندو اکثریت کے مفادات کو نظر انداز کرتی اور اس کی جائز امنگوں کی جوان دیکھی کرتی رہی ہے' جس کے نتیجے میں آج ہندو تہذیب اور ہندو سنسکرتی معرض خطر میں آگئی ہے اور اس کے قومی امتیاز اور قومی تشخص کے لالے پڑ گئے ہیں' اس کے باشعور طبقے کے لیے اب قوم کی یہ بے عزتی اور نظر انداز کیا جانا ناقابلِ برداشت ہو گیا ہے' شور جیرسی سے بے اختیار ہو کر اس' ایمان ' اور اپیکھا ' سے قوم کے تحفظ کے لیے سنگھ پریوار میدان میں آنے کے لیے مجبور ہوا ہے اور اسی مقصد سے وہ قوم میں 'ہندتو' کا صور پھونک کر اسے جگانا چاہتا ہے۔

لیکن 'ہندتو' کا یہ ظاہری رخ اس کا نقلی چہرہ ہے۔ مانے نہ مانے اس کا باطنی حقیقی چہرہ اس سے بالکل مختلف ہے تیرہ صدی قبل یہاں اسلام اور مسلمانوں کی آمد سے پہلے کی ہند کی معلوم تاریخ بدترین ظلم اور استحصال کی تاریخ رہی ہے۔ جس کا نمایاں ترین پہلو اس کا طبقاتی' ورن آشرم' کا نظام رہا ہے۔ مذہبیت کی سند کے ساتھ اعلیٰ اور ادنیٰ ذاتوں کی تقسیم میں ادنیٰ ذاتیں غلاموں سے بھی بدترین زندگی گزارنے کے لیے مجبور رہیں۔ تاریخ کے اس مرحلہ میں بودھ مت اور جین مت وغیرہ کے ذریعہ اس نظام میں رخنہ ڈالنے کی کوشش بھی آخر کار ناکامی سے دوچار ہوئی یہاں تک کی بعض حالات میں برہمنیت کے ہاتھوں بودھوں اور جینیوں کو بھی بدترین مظالم کا شکار ہونا پڑا۔ بعد کے آٹھ سو سالہ مسلمان عہد حکومت میں بوجوہ اکثریت کے مذہبی معاملات کے ساتھ ان کے مخصوص معاشرتی اور سماجی طور طریقوں سے تعرض نہ کرنے کی اسلام کی مسلمہ پالیسی کے نتیجے میں ان کی زندگی کے دیگر طور طریقوں کے ساتھ بالخصوص یہاں کی قدیم ورن ویوستھا' جوں کی توں برقرار رہی۔ اس کے بعد کے دو سو سالہ انگریزی عہد حکومت میں یہ نظام اور بھی جوں کا توں مستحکم رہا۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ اسے اپنی جڑیں مضبوط اور گہری کرنے کا مزید موقع اور بڑھاوا ملا۔ اس لیے کہ اپنے پورے دورِ حکمرانی میں انگریز کی اصل دلچسپی حدود سلطنت میں اضافہ سے اپنے لیے محصولات (Revenue) کی فراوانی اور نو آبادی کو چوس اپنے مادر وطن (Mother Country) برطانیہ کی خوشحالی تھا۔ اور قدیم طبقاتی نظام .... اس پہلو سے اس کے لیے ہر لحاظ سے معاون اور مفید مطلب تھا اور سچائی تو اس سے بھی آگے ہے کہ خود مسلمانوں میں برادری واد کو بڑھاوا اسی نامبارک عہد انگریزی میں ملا۔ جس میں درجہ بدرجہ مسلمانوں کے حکمراں عناصر کو انگریزوں نے اپنا آلۂ کار بنایا۔ اور دراصل یہ اسی کی لڑاؤ اور حکومت کرو' کی پالیسی کا اہم حصہ تھا۔

لیکن آزادیِ وطن کے بعد اس پہلو سے اکثریتی طبقہ کو ایک بالکل ہی نئی اور غیر متوقع صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ جنگ آزادی میں آزادی و مساوات کے قائل مسلمانوں کی بالادست شرکت' نشاۃ ثانیہ کے پس منظر میں آزادی و مساوات کے نظریات سے یورپ کی خود شدت وابستگی اور ان سب میں بڑھ کر آزادی' کی تحریک کا اپنے آپ میں عوامی اور فلاحی رخ اور اس میں گاندھی اور نہرو کے ساتھ اچھوت طبقہ کے بھیم راؤ امبیڈکر جیسے لوگوں کی شرکت' یہ کل ملا کر جو آزادی کا منشور تیار ہوا اور اس کی روشنی میں آگے جمہوریہ ہند کا دستور مرتب ہوا تو اسے خواہی نخواہی جمہوریت اور انصاف کے ساتھ آزادی اور مساوات کے اصولوں کے تحت مرتب ہونا پڑا۔ تدوین دستور میں امبیڈکر کی موثر حصہ داری اور اسلام کے انسانی بھائی چارے اور آزادی و مساوات کے آفاقی تصورات سے ایک طرف ہندو پسماندہ طبقات کے فطری جھکاؤ کے امکانی خطرے کو کم کرنے کے مقصد سے شاید اس سے بھی بڑھ کر

جمہوریہ ہند کے دستور میں پسماندہ طبقات کے لیے تحفظات (Reservation) اور اس سے متعلق دفعات نے صورت حال کو بالکل ہی تبدیل کرکے رکھ دیا۔ اب کیا ہے کا تو توخون نہیں اور وقت کے پہیئے کو الٹا گھمایا نہیں جا سکتا تھا۔ ابتدا میں تو اس کے اثرات کم محسوس کئے گئے جب کہ پچھلے نظام کے تسلسل میں صدر جمہوریہ اور وزیر اعظم ہی نہیں ریاستوں کے وزرا ر اعلیٰ کے منصب کے لیے بھی ایک طرح سے "برہمن" ہونا شرط لازم ہوگیا تھا اور بات تبھی رہی۔ لیکن آزادی و مساوات اور "تحفظ" کے دفعات نے آگے کے دور میں جو اپنے اثرات دکھانے شروع کئے رہی سہی کسر منڈل تحریک نے پوری کی جس کے بعد وزارت اعلیٰ تو کیا وزارت عظمیٰ کے برہمن وادی ہونے کی ضمانت بھی خطرے میں دکھائی دینے لگی اور اس طرح اونچی ذات کے پاؤں تلے سے زمین کھسکتی نظر آنے لگی تو اب وہ سب کچھ چھوڑ ہاتھ پاؤں جھاڑ کر اپنی پارمپرک ورن و وستھا کو بچانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ برہمن ازم کی اسی بیقراری کا دوسرا نام 'ہندتو' ہے جس میں روایتی ہوشیاری کے ساتھ تلک کے ساتھ ترازو اور تلوار، تو شامل ہے ہی، نادانی اور بھولے پن میں یہاں کی روایتی پسماندہ ذاتیں بھی بڑی حد شامل ہوگئیں۔ اور اس تحریک میں شامل ہو انہی کے ہاتھوں اس شاخ کو کٹوایا جارہا ہے جس کے کٹتے ہی وہ دوبارہ حسب دستور تحت الثریٰ میں ہوں گی، آزادی کی للک میں تو ایک بار وہ اس سے نکل بھی آئیں، دوبارہ انہیں اس سے نکلنا شاید نصیب بھی نہ ہوگا۔

اس پارمپرک ہندو وستھا کی برقراری میں تازہ برہمنیت سیدھے انداز میں دھرم اور اپنی قدیم گرنتھوں کا سہارا نہیں لے سکتی۔ ہزار تاویلوں اور توجیہوں کے باوجود بھی ویدا اور سمرتی کی طبقاتی تقسیم کے نظام کو آج کا غالب اکثریت کا پسماندہ ہندو طبقہ اپنے حلق سے نیچے اتارنے کے لیے تیار نہیں۔ جب کہ اس کے ایک حصے کی طرف سے اپنے مسیحا امبیڈکر کے یوم پیدائش کے موقع پر سرعام چوراہوں پر اس نامراد نظام کی علامت 'منوسمرتی' کو نذر آتش کئے جانے کی روایت اس کی زندگی کا معمول بن چکی ہے۔ تینتیس کروڑ خداؤں کے ساتھ بے شمار ناہمواریوں اور نارسائیوں کے پہلو بہ پہلو اعلیٰ ذات کے لیے سب سے بڑا دردسر یہی طبقاتی نظام کا مسئلہ ہے، جس سے پیدا ہونے والے بے مثال انتشار و اختلاف سے ابھرنے میں آج روایتی برہمن ذہانت کے بھی چھکے چھوٹ رہے ہیں۔ آخری تیر کے طور پر مسلم دشمنی کے کارڈ کو سامنے لایا گیا ہے کہ اس کے سہارے خلفشار کی آماجگاہ قوم کو پھوٹ سے بچایا اور اسے ایک پلیٹ فارم پر متحد کیا جاسکے مبنی بر ہوشیاری 'ہندتو' کا یہی تاریک پہلو باعث تشویش

اور موجب اضطراب ہے۔ ورنہ آزادی فکر و نظر کے ساتھ بطور آزادی مذہب کے قائل اسلام کے ماننے والوں کے لیے 'اہل مذہب' کے کسی گروہ کی طرف سے اپنے مذہب کی طرف مخلصانہ رجوع کی کوئی تحریک پیدا ہو تو بعض انتہائی شاذ صورتوں کے علاوہ جن پر اس وقت گفتگو کا موقع نہیں ہے، اس پر کسی اضطراب اور پریشانی کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ تو رہا زیر نظر عنوان کا پہلا حصہ جسے اس سے کم سطروں میں سمیٹنا ممکن نہیں ہو سکا۔ جب کہ عنوان کے دوسرے اصل حصے کو اس کے واقعی تناظر میں دیکھنے کے لیے یہ تفصیل ضروری تھی۔ اب آیئے 'ہندتو' کے ساتھ 'خواتین' کے جوڑ کے متعلق پہلوؤں پر نظر ڈالیں۔

۱۔ احیاء پرستی نہیں بلکہ صحیح معنوں میں انتہا پسندی اور نسل پرستی کی تازہ تحریک 'ہندتو' نے محاذی سطح پر، دیجے راجے سندھیا سادھوی رتھمبرا، اور اوما بھارتی جیسی خواتین کو آگے بڑھایا ہے تو اس سے بیک وقت کئی فائدے اور کئی تاثرات دینا مقصود نظر آتا ہے۔ پہلا تاثر تو یہ دینا ہے کہ جس نقطہ نظر اور طرز حیات کے مرجھاتے پودے کو سینچنے اور اس کی جڑیں تازہ کرنے کو ہندو کے نئے مجاہدین بظاہر اپنا مقصد زندگی قرار دیے بیٹھے ہیں، اس کے دیگر امتیازات اور خصوصیات کے ساتھ ایک قابل لحاظ پہلو اس کے خاکے میں خواتین کی خاص عظمت اور ان کی عزت افزائی اور قدر شناسی ہے۔ چنانچہ اس کے لازمی نتیجے کے طور پر احیاء کی اس تحریک میں ان کی سرگرم نمائندگی اور شرکت عین فطری اور قرین قیاس ہوگی دوسرا تاثر یہ دینا ہے کہ برصغیر ہند میں اس نسبت سے طویل مسلم دور حکومت کی ناہمواریاں اپنی جگہ آزادی وطن کے بعد کی نام نہاد سیکولر حکومتوں کی لگاتار اور مسلسل مسلم اقلیت نوازی اور ہندو دھرم اور کلچر کی بے عزتی اور نظر انداز کیے جانے سے 'ہندو و دستھا اور ہندو سنسکرتی' پہ ایسا آزمائشی وقت آن پڑا کہ باشعور ہندو قوم کا مرد تو مرد اس کا طبقہ خواتین بھی اپنے مذہب کی یہ حالت زار دیکھ بلبلا اٹھا۔ اور بالآخر ان کی بقاء اور تحفظ کے لیے بے اختیارانہ اسے بھی میدان میں آنے کے لیے مجبور ہونا پڑا۔ گویا جب مذہب اور تہذیب ہی باقی نہ رہے تو جینے کا کیا مزہ ہے، اس لیے طبقہ مرداں ہی نہیں طبقہ خواتین بھی اس کی اس نزاکت اور اہمیت کو اسی طرح محسوس کریں اور مردوں کے شانہ بشانہ وہ اس جہاد میں اسی طرح شامل ہوں۔ تیسرا فائدہ اس تحریک میں شمولیت سے بالخصوص مسلمان خواتین کو بالواسطہ طعنہ دینا ہو سکتا ہے کہ یہ بھی کوئی زندگی اور جینے کی طرح جینا ہے کہ گھر کی چہار دیواری میں بند رہنے حقوق سے دستبردار ہو مرد غالب سماج (Male Dominated Society) کے ایک حصے کے طور پر وہ مظالم کی چکی میں پستی رہیں۔ یا ان کے اندر جینے کا حوصلہ ہو اور زندگی کی کچھ رمق ہو تو ہندتو سے وابستہ طبقہ خواتین پر نظر ڈالیں

جو نہ صرف طبقہ مردوں سے اپنا حق وصول کر چکی ہیں بلکہ اپنی آزادی کے ساتھ اب وہ دھرم اور سنسکرتی کی آزادی کی لڑائی لڑ رہی ہیں — مذہب اور تہذیب کا تحفظ تو گھر کی چہار دیواری کو خیر باد کہنے کے بعد حاصل ہوتا ہی ہے، طبقہ نسواں کے لیے اپنے حقوق اور مردوں کے غلبہ سے نجات کی بھی یہی صورت ہے کہ گھر کے جیل خانے سے وہ آزاد ہو، اس طرح ان کے بقول مسلم خواتین کو بھی اس نصوص میں سوچنے اور اپنی اب تک کی روایتی زندگی پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے۔

۲۔ 'ہندتو' تحریک کے ہراول دستے میں خواتین کی شمولیت کے فائدے تو ضرور ہو سکتے ہیں، لیکن کیا حقیقت بھی یہی ہے۔ آپ کو تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ اور جس طرح ہندتو کی پوری تحریک خود ایک دھوکہ ہے جس میں دھرم کی داخلی ناہمواریوں سے نظریں بچا اور نگاہیں بھینچ کر مسلم دشمنی کے ہوّا سے اپنے صفوں میں وقتی اتحاد پیدا کر کے میاں کی جوتی میاں کے سر کے مصداق 'سورن ذاتوں' (اونچی ذاتوں) کی طرف سے غالب 'غیر سورن' (تام نہاد نیچی) ذاتوں کو خود انہی کی طاقت سے سبق سکھانا اور انہیں بے اثر بنانا ہے۔ ہندوتو سے وابستہ خواتین کا معاملہ اس سے مختلف نہیں ہے۔ جس طرح دستور ہند کی آزادی و مساوات کی دفعات، ساتھ ہی تحفظ (Reservation) اور منڈل کی گھن گرج سے 'سورن' بالادستی کا روایتی معاشرہ بوکھلاہٹ کا شکار ہے کہ اس کے باعث 'سنسکرتی' (تہذیب) کی جان اور اس کی مایہ امتیاز 'ورن ووستھا' (ذات پات کا نظام) خطرے میں ہے، آزادی و مساوات کی اسی لہر سے پسماندہ طبقات کے ساتھ جو خواتین کو بھی سر اٹھا کر چلنے کا موقع ملا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اپنی روایتی سنسکرتی سے جو آزادی وہ حاصل کرتی نظر آتی ہیں اس سنسکرتی کے محافظین کے لیے یہ چیلنج بھی کم مضطرب اور بے چین کرنے والا نہیں ہے۔ لیکن داد دیجیے اس ذہانت کی جو 'ہندتو' کی حالیہ تحریک میں پسماندہ طبقات کو آگے بڑھانے کے اعلان کے ساتھ خواتین کو بھی آگے رکھنے کا تاثر دینے میں بڑی حد تک کامیاب ہو سکا ہے۔

یہاں ہم قدیم بھارتی سماج میں عورت کا مرتبہ و مقام معلوم کرنے کے لیے بعض اہم ترین مراجع کو دیکھیں گے۔ ان کے صفحات میں عورت کا مرتبہ و مقام بہت واضح ہے۔ وید کے مطابق "عورتوں سے دوستی ممکن نہیں، عورتوں کے دل حقیقت میں بھیڑیوں کے بھٹ ہیں — عورت جو کچھ کماتی ہے وہ اس کے خاوند کا مال ہے" اس لیے عورت اور شودر کو دھرم شاستر میں تردھن کہا گیا ہے۔ (یجر وید: ۸: ۵، منو: ۸، ۴۱۶ یا ۱۹۹)

٭ اگر کسی عورت کے دس خاوند ہوں مگر اس کے بعد برہمن

"میں نے تعلیماتِ قرآنی کا مطالعہ کیا ہے، مجھے قرآن کو الہامی کتاب تسلیم کرنے میں ذرہ برابر بھی تامل نہیں ہے مجھے اس کی سب سے بڑی خوبی یہ نظر آئی کہ یہ فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے"

("ینگ انڈیا" گاندھی جی)

"وہ وقت دور نہیں جب کہ قرآن کریم اپنی مسلمہ صداقتوں اور روحانی کوششوں سے سب کو اپنے اندر جذب کر لے گا"

(ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور)

اس کا ہاتھ پکڑ لے تو وہ برہمن کی ہو جاتی ہے — برہمن ہی خاوند ہے نہ چھتری اور نہ ویش — تمام لوگوں میں اس امر کا اعلان کرتا ہوا سورج روز چلتا ہے" (اتھروید: ۵: ۲۷: ۹)

" لڑکی باپ کی جائداد کی وارث نہیں" (اتھروید: ۲/۱۷، یجروید ۵: ۸، نرکت: ۳: ۴، منو: ۹. ۱۹۹) جس کی تفصیل منوسمرتی ادھیائے ۹ میں اس طرح ہے کہ: " نرینہ اولاد کے نہ ہونے پر بھی بیٹی وارث نہیں بلکہ تبنی جو غیر کا بیٹا ہوتا ہے وارث ہوتا ہے"

منوسمرتی میں حسب روایت یہ رنگ اور گہرا ہو گیا ہے۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں:

" عورت لڑکپن میں اپنے باپ کے اختیار میں رہے اور جوانی میں شوہر کے اختیار میں اور بیوہ ہونے کے بعد اپنے بیٹوں کے اختیار میں رہے، خود مختار ہو کر کبھی نہ رہے۔" (منوسمرتی: ۵/۱۴۷) —

" عورت خواہ نابالغ ہو یا جوان ہو خواہ بوڑھی ہو، گھر میں کوئی کام خود مختاری سے نہ کرے" (منوسمرتی: ۱۴۷)

" عورت کے لیے قربانی اور برت کرنا گناہ ہے — شوہر کی خدمت کرنا چاہیئے۔ عورت کو چاہیئے کہ اپنے شوہر کے مرنے کے بعد دوسرے شوہر کا نام بھی نہ لیوے، کم خوراکی کے ساتھ اپنی زندگی کے دن پورے کرے" (۱۵۵، ۱۵۷، ب ۵)

" جھوٹ بولنا عورت کا ذاتی خاصہ ہے —" (ب: ۹/۱۷)

منوسمرتی کو حشو و زوائد سے پاک کرنے والے چانکیہ برہمن جن کی تعلیمات روایتی ہندو حکومتوں کا عرصہ تک دستور العمل رہیں عورت کے سلسلہ میں ان کے خیالات حسب ذیل ہیں:

" دریا، مسلح سپاہی، پنجے اور سینگ رکھنے والے جانور، بادشاہ اور عورت پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے" (چانکیہ نیتی ب ۱/۱۵)

" جھوٹ بولنا، بغیر سوچے کام کرنا، فریب، حماقت، طمع، ناپاکی، بے رحمی، یہ عورت کے جبلی عیب ہیں" (ب ۲)

" شہزادوں سے تہذیب اخلاق، عالموں سے شیریں کلامی، قمار بازوں سے دروغ گوئی اور عورتوں سے مکاری سیکھنی چاہیئے۔ (ب ۱/۱۸)

" آگ، پانی، جاہل مطلق، سانپ، خاندان شاہی اور عورت، یہ سب موجب ہلاکت ہوتے ہیں، ان سے ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہیئے" (ب ۱۴/۱۴)

" دوست، خدمت گار اور عورت مفلس آدمی کو چھوڑ دیتے ہیں اور جب وہ دولت مند ہو جاتا ہے تو پھر اس کے پاس آ جاتے ہیں —" (ب ۱۵/۵)

جب کہ تلسی داس کی رامائن میں جن چار طرح کے لوگ اور چیزوں کو پیٹے جانے کا مستحق گردانا گیا ہے جس کے بعد ہی وہ درست ہوتے ہیں ان میں بقیہ تین دیگر ڈھول، احمق اور شودر کے ساتھ

ایک 'عورت' بھی ہے (بحوالہ۔ رام چرتر مانس۔ سندر کانڈ۔ گیتا پریس گورکھپور)

دوسرے ذرائع سے بیوہ عورت کے لیے عمل کچھ اس طرح ہے: — ۱ — بیوہ دن میں ایک مرتبہ کھانا کھ[ائے] حسب استطاعت فاقہ کرے، نہ پان کھائے نہ ابٹن لگائے استعمال کرے نہ بال سنوارے۔ ۲ — چارپائی پر نہ سوئے کا کبھی خیال نہ کرے، ۳ — تیل نہ لگائے اور آئینہ میں اپنا م[نہ نہ دیکھے] ۴۔ کوشش کرے کہ جسم نڈھال اور کمزور ہو، (بحوالہ ایشیا ۱۱، دسمبر ۱۹۸۸ء) اس سے بھی آگے قدیم تہذیب میں اس کی [حیثیت کا] اظہار اس کے نام ہی سے ہوتا ہے۔ عرب و ہند کے قد[یم] تعلقات کے پس منظر میں بعض دائروں میں عربی اور ہندی/سند[ھی] کا قریب ترین رشتہ عین فطری۔ عربی میں نار آگ یا د[وزخ] اس کے لحاظ سے ہندی عورت کے سب سے معروف نام "ناری" کا مطلب آگ اور دوزخ [والی] والی۔ اس سے پہلے کے مرحلہ میں بیٹی کے لیے سنسکرت میں دُ[ہتا] (दुहिता) کا لفظ ہے — سوامی دیانند کے مطابق جس کے معنی [دور] کی ہوئی، جس کا مطلب ہے کہ اسے دور دراز علاقے میں بیاہ دفع کر دینا چاہیئے — جس سے کہ وہ بار بار والدین کو تنگ (ستیارتھ پرکاش باب ۴۔ بحوالہ ہندو دھرم ایک مطالعہ صفحہ ۹۴ — ا[ز] محمد فاروق خان صاحب دہلی ۱۹۸۱ء) جب کہ اسی کا اشا لڑکے [کا] لفظ "پتر" ہے۔ منو کے مطابق جس کے معنی ہیں، دوزخ۔ دلانے والا، دوزخ کا ایک طبقہ ہے جس کا نام ہے 'پُت'، [چ]ونکہ اپنے باپ کو دوزخ کے اس طبقہ سے نجات دلاتا ہے اسے 'پتر' کہا گیا ہے (منو: ۹، ۱۳۷، ۱۳۸ بحوالہ ہندو لا (ا[ز]) ص ۱۱۱ از آر، کے اگروال سینٹرل لا ایجنسی الہ آباد طبع ہشتم ۱۹۷۵ء)

عورت کی اس حیثیت کے بعد اس روایتی دستی، کی تعجب کی کوئی ضرورت نہیں، شوہر کی موجودگی میں وہ اپنی زن[دگی کے] دن کسی طرح کاٹ بھی لے تو اس کے بعد بیوگی کی زندگی میں [مذکورہ] بالا کی روشنی میں موت و زیست کی مستقل کشمکش سے بہتر ہے کے ساتھ ہی چراغ زیست کو گل کرے وہ اپنے کو کم سے کم سکون سے ہمکنار کر لے۔ چاہے اس کے ماننے سے آج کی مخصوص قدرے تکلیف ہو لیکن حقیقت ہے کہ آج سرزمین ہند سے ا[س] کے خاتمہ میں راجہ رام موہن رائے اور مابعد دولت انگریز سے شعوری یا غیر شعوری اسلام اور اسلامی تعلیمات کا حصہ ہے ا[ور] حرمت اور انسانی عظمت کی اس لافانی تعلیمات دیر اور ر[حم] سے ہی اپنا اثر دکھا کر رہیں — ورنہ زیادہ تر عیسائیت کی تا[ریخ] خود عورت پر ظلم کی تاریخ ہے، جس کے پاس خود پھوٹی کو[ڑی نہ] ہو اس کی بے مثال قیامتی اور داد و دہش کے چرچے یور[پ]

نہیں لگتے ۔ ہندتو کے ساتھ یہ تو ہے 'خواتین' سے رشتے کی صحیح نوعیت، آج اس کی ملمع سازی کی مستقل پالیسی میں بھی حقیقت چھن چھنا کر سامنے آ ہی جاتی ہے ۔ زمینی حقیقت یہ ہے کہ آج بھی ہندتو کے پس پردہ خواتین کا حال اچھا نہیں ہے ۔ سنگھ پریوار کے ہاں عورت کے مقام کی تعین میں صرف یہی بات کافی ہے کہ 'سیتا' کے سہل تر لفظ 'سیا' کے ساتھ معروف نعرے 'جے سیارام' کی جگہ اب 'جے شری رام' کا نعرہ مقبول ہے ۔ ہندتو کی حالیہ تحریک میں وجے راجے سندھیا، سادھوی رتمبرا اور اوما بھارتی کو صرف استعمال کیا گیا ہے ۔ اس کے اندرونی نظام میں ان کی کوئی خاص اہمیت نہیں ۔ بجرنگ دل کے سرغنہ اور فیض آباد سے بی جے پی ایم ۔ پی ونے کٹیار کو عصمت دری کیس کے باوجود باعزت رکھا گیا ۔ جب کہ بی جے پی کے سابق صدر مرلی منوہر جوشی کے اشارے پر اوما بھارتی کو بدترین پروپیگنڈے کا شکار بننا پڑا ۔ (چندر پرکاش کی آنکھ کھولنے والی تحریر، نقیب پٹنہ 19 جولائی 1992ء زیر عنوان: آر ایس ایس کا مقصد برہمن نظام کا قیام) آگرہ یونیورسٹی کی صدر شعبۂ ہندی ڈاکٹر کملا پانڈے ساتھ اس سلسلہ کی دوسری کڑی ہے جس میں کلیان سنگھ وزارت کے وزیر باتدبیر ان کے شوہر کی طرف سے خاتون اخباری نمائندہ سے محبت کی شادی رچا لینے کے ساتھ بیاہتا بیوی کو بدترین اذیت کی چکی میں پیسا جا رہا ہے ، جس کی داستان غم سے ہندی روزنامہ 'امر اجالا' آگرہ (یوپی) کے قارئین بخوبی واقف ہو سکتے ہیں ۔ جب کہ ان کے شوہر موصوف کو بھارتی جنتا پارٹی میں بدستور عزت و احترام کا روایتی مقام حاصل ہے اور ان کے دور وزارت میں ان کی رہائش کی ضیافت کا لطف اٹھائے بی جے پی کے چوٹی کے قائدین سے ان کے خوشگوار تعلقات ہنوز استوار ہیں ۔ اور یہ ایک کملا پانڈے نہیں ہزاروں کملا پانڈے میں سے ایک کی داستان غم ہے ، دوسری کملاؤں کے معاملے کو اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے ۔ لیکن شاید عورت بہرحال عورت ہے ، اسے اس کی سادگی اور سادہ لوحی ہی کہنا چاہیے کہ 'ہندتو' کی زیر سرپرستی اپنے اس بدترین استحصال کے باوجود بھی وہ اس کے ہم رکاب ہی نہیں ' درگا واہنی' کی صورت میں اس کے عسکری بازو کے طور پر کام کرنے میں فخر محسوس کر رہی ہے ۔ اپنی ہی کلہاڑی سے اپنے پاؤں کاٹنے کو یوں تو محاورہ کہا جاتا ہے ' درگا واہنی' کی صورت میں اس کو عملی صورت میں دیکھنے کا موقع پیدا ہو گیا ہے ۔

۳ ۔ 'ہندتو اور خواتین' کی آخری بات مسلمان خواتین سے متعلق ہے ۔ 'ہندتو' کے خاکے میں اپنے معلوم مقام کے ساتھ ایک طرف تو وہ خواتین ہیں جو اس تہذیب میں اپنی اصولی تاریکی حالت زار کے ساتھ 'درگا واہنی' بنا رہی ہیں ۔ دوسری انتہا پر مسلمان خواتین ہیں جو اسلام میں اپنے حد درجہ عزت و احترام اور ہمہ جہتی حقوق کے تحفظ کے باوجود آج اپنی ذمہ داریوں کی نسبت سے بالعموم خواب غفلت کا شکار نظر آتی ہیں ۔ بدلے حالات کا ان کی اکثریت کو ابھی کچھ سدھ ہی نہ آئی ، پچاس سال پہلے جہاں تھیں آج بھی وہ اسی جگہ کھڑی ہیں ۔ ذلت کے آخری مقام پر رکھی جانے والی 'ہندتو وادی' خاتون تو اپنے مذہب اور تہذیب کے لیے میدان میں سینہ سپر ہیں جسے اس کے دین و مذہب نے عزت و احترام کی آخری بلندیوں سے ہمکنار کیا اسے اپنے ورثہ کی کوئی فکر ہی نہیں ۔ معمول کی زندگی میں اپنے روئی سوت میں لگی وہ جیسی کی تیسی حالت میں خوش اور مطمئن ہے ۔ زندگی میں انسان کی کامیابی کا راز ہے کہ وہ اپنے آپ سے جذبہ جہد و عمل حاصل کرے اور اپنے دین و مذہب کے اصولوں سے ہمیز پاکر زندگی کی . . . دوڑ میں سرگرمی کا مظاہرہ کرے ۔ 'ہندتو کی تازہ یلغار مسلمان مردوں کے ساتھ مسلم خواتین کے لیے بھی ایک چیلنج ہے ۔ لیکن یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ اس سلسلہ میں روایتی مسلمان مردوں کو بھی اپنے آپ کو بدلنا ہوگا ۔

(**نوٹ** : وید اور منوسمرتی وغیرہ کی باقی معلومات 'عورت اسلامی معاشرے میں' ہندو دھرم ایک مطالعہ ، اور وید کا تعارف سے لی گئی ہیں ۔ تینوں کتابیں مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی سن اشاعت بہ ترتیب مارچ 1984ء جنوری 1981ء ، نومبر 1984ء پہلی مصنفہ مولانا سید جلال الدین عمری صاحب ، باقی دونوں از قلم جناب مولانا محمد فاروق خاں صاحب حفظہما اللہ (س)) ۔

●●

ہندتو ـــــ اور مہاراشٹر کی تنظیم شیوسینا

عبدالرشید عثمانی

آج ہندتو کا بڑا چرچا ہے اس کے اثرات کسی نہ کسی درجے میں ملک کے ہر شہری پر پڑ رہے ہیں۔ معاشرت، معیشت، تہذیب و تمدن اور سیاست تک اس سے اس قدر متاثر ہے کہ بڑے بڑے فیصلے اس کی بنیاد پر ہو رہے ہیں۔ ہندتو کی تحریک کے پیچھے جو عناصر کام کر رہے ہیں ان کا رویہ منفی اور ملک کو شدید نقصان پہنچانے والا ہے یوں اس کا نشانہ ہندوستانی مسلمان ہیں۔ لیکن فی الحقیقت اس کا نقصان ملک کے ہر باشندے کو پہنچ رہا ہے۔ چونکہ مسلمان براہ راست اس کا نشانہ ہیں اس لئے وہ اس سے زیادہ متاثر ہیں۔ ان کی تہذیب، تمدن ملی تشخص، عزت و آبرو اور جان و مال محفوظ نہیں ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں ان کے ساتھ سوتیلے پن کا سلوک ہو رہا ہے۔ یہاں تک کہ ہندتو کی اس تحریک سے نہ نصاب تعلیم محفوظ ہے اور نہ اخبارات و رسائل ہندو نوجوانوں پر اس کے اثرات اس طرح مرتب ہو رہے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ مسلم نوجوان بھی اس متعصبانہ روش کی وجہ سے متاثر ہیں۔ وہ بھی کوئی واضح لائحہ عمل نہ ہونے کی وجہ سے جذبات سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔

بالعموم پریس ملکی مسائل کو ایک مخصوص عینک سے دیکھتا ہے بیشتر مضامین، مراسلات اور ادارتی نوٹوں پر ہندتو کی چھاپ صاف طور پر محسوس کی جا سکتی ہے جب کہ فرقہ پرست اور فسطائی طاقتوں کے ترجمان اخبارات و رسائل کھل کر ہندتو کی ترجمانی کرتے ہیں۔ پریس کے ذریعے بڑے بڑے شہروں کے ساتھ ساتھ چھوٹے چھوٹے دیہاتوں میں بھی یہ زہر پھیل رہا ہے۔ دیہاتوں میں موجود بھائی چارے کا ماحول متاثر ہو رہا ہے۔

ہندتو کی حقیقت کیا ہے اسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یہ اصطلاح کوئی بہت زیادہ پرانی نہیں ہے۔ اس کا مفہوم بھی پوری طرح واضح نہیں اور نہ کوئی اسے واضح کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ البتہ اس لفظ کو استعمال کرنے والے اپنی سیاسی پوزیشن کو مضبوط سے مضبوط تر کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا مقصد اقتدار کے ایوانوں میں اپنی کرسیوں کو محفوظ کرنا اور اس مقصد کے حصول کے لئے ہندو ذہن کو اپنا ہمنوا بنا کر مسلمانوں کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنا ہوتا ہے۔ ہندو قوم کو متحد کرنے کے لئے ان کے رہنماؤں کے پاس اس کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ وہ انھیں مسلمانوں کے خلاف بھڑکائیں۔ تاریخ کو مسخ کر کے پیش کریں اور ان کے ظلم و ستم کی من گھڑت داستانیں اس طرح بیان کریں کہ ہندو ذہن ان کے خلاف ہو جائے۔ مسلمانوں کے دور اقتدار کو غلامی کا دور باور کرائیں اور ان کے زمانے کی ایک ایک علامت کو غلامی کا نشان اور کلنک کا ٹیکہ بتائیں۔ ہندتو وادی اس طریقہ کار کے ذریعہ حکومت و اقتدار تک پہنچنے کی سعی مسلسل کر رہے ہیں۔ ہندتو کا یہ مبہم اور غیر دانشمندانہ تصور در حقیقت فسطائیت کا آئینہ دار ہے۔ فسطائیت کا نظام اپنے اندر ظلم و جبر اور تشدد کے انگارے رکھتا ہے۔ اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ اس کے ماننے والے جس چیز کو صحیح سمجھتے ہیں اور جو بات ان کے مفاد میں ہوتی ہے اسے دوسروں پر تھوپ دیا جائے اس کام کو انجام دینے کے لئے وہ ظلم و جبر کو بطور ہتھیار استعمال کرتے ہیں۔ تاریخ میں ہٹلر کے نازی ازم مسولینی کے فاشزم اور لینن اور اسٹالن کے کمیونزم کی صورت میں اس کی واضح مثالیں موجود ہیں۔ ظلم و جبر کے ساتھ اٹھنے والی یہ فسطائی طاقتیں انسان اور انسانیت کو فوری اور شدید طور پر نقصان پہنچاتی ہیں لیکن ان کا یہ اقتدار اور ظلم و ستم سے حاصل کیا ہوا تسلط زیادہ دنوں تک باقی نہیں رہتا۔ ایک وقت ایسا ضرور آتا ہے کہ مقہور و مظلوم انسان اس کے فسوں کو توڑ دیتے ہیں۔ ان کے مجسموں اور یادگاروں کو ذلت و خواری کے عمیق غاروں میں دفن کر دیتے ہیں۔ ہندتو کا یہ فسطائی تصور آج چاہے مسلمانوں کو اور دیگر باشندوں کو نقصان پہنچالے لیکن یہ زیادہ دنوں تک اپنی تخریب کو باقی نہ رکھ سکے گا۔

شیوسینا بھی جس کی سرگرمیوں اور تخریب کاریوں کا مرکز مہاراشٹر بالخصوص بمبئی ہے ہندتو کے نعرے سے پورا فائدہ اٹھا رہی ہے حالانکہ ابتدا میں اس تنظیم کا مقصد ہرگز ہندتو کی ذہنیت کو اپنانے یا اس کی تبلیغ و اشاعت کرنے کا نہ تھا۔ اس کا آغاز تو اس مقصد کے لئے ہوا تھا کہ بمبئی اور مہاراشٹر، مہاراشٹر والوں کا ہے۔ اس سرزمین سے فائدہ اٹھانے کا حق صرف اہل مہاراشٹر کو ہے۔ بیرون مہاراشٹر سے جو لوگ مہاراشٹر میں آئے ہیں اور یہاں کی صنعت و حرفت، ذرائع و وسائل، سرکاری اور غیر سرکاری ملازمتوں اور دیگر شعبوں پر قابض ہیں انھیں ہٹایا جائے انھیں اس کا حق نہیں کہ وہ مہاراشٹر کی مٹی اور پانی سے فائدہ اٹھائیں۔ مہاراشٹر کے لوگ خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان

یہاں کی دولت اور ذرائع سے فائدہ اٹھانے کے اصل حق دار ہیں۔

اگرچہ کہ یہ مقصد بھی سطحی اور غیر دانشمندانہ تھا لیکن شیوسینا نے آہستہ آہستہ اس کو چھوڑ کر ہندتو کا وہ تصور اپنانا شروع کیا جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ بال ٹھاکرے اور ان کے ہمنوا اسلام اور مسلم دشمنی کو اپنا مقصد بنا چکے ہیں۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کا تعلق کسی نہ کسی درجے میں مسلمانوں سے ہے اس سے نفرت کی فضا پیدا کر دی گئی ہے۔ ہرا رنگ، اذان کی آواز، مسجد کا مینار، چہرے کی داڑھی اور عورتوں کا پردہ ہر چیز ناپسندیدہ ہے۔

شیوسینا کی کارکردگی کا جائزہ لینے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کا طریقہ کار اور مقصد کس قدر منفی اور نقصان پہنچانے والا ہے۔ اس نے پہلے جس مقصد کو اپنایا تھا وہ بھی غلط تھا اور اب ہندتو کا لیبل لگا کر جو کام انجام دیا جا رہا ہے وہ صریحاً غلط اور نقصان دہ ہے۔ شیوسینا اپنے جذباتی اور اشتعال انگیز نعروں تقریروں اور کارکردگی کی بنا پر اس حد تک کامیاب ہوگئی ہے کہ اس نے بمبئی کے غیر مسلم بھائیوں کی اکثریت میں اپنا اثر ورسوخ قائم کر لیا ہے اور اسلام اور مسلم دشمنی کے نام پر بمبئی کارپوریشن پر قابض ہوگئی ہے۔ بمبئی کارپوریشن کے ہاتھ میں آنے کے بعد اس نے کارپوریشن کے وسائل سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اپنی داخلی وخارجی پوزیشن کو خوب مضبوط کیا اور یہ نعرہ دیا کہ "مومبئی جنکلی آما مہاراشٹر کڑے کوچ" بمبئی جیت لی اب مہاراشٹر کی طرف کوچ، چنانچہ مہاراشٹر کے شہروں کے علاوہ دیہات دیہات میں شیوسینا کی شاخیں قائم ہونا شروع ہوئیں اس وقت صورتحال یہ ہے کہ تقریباً ہر دیہات اور بستی میں داخل ہونے سے پہلے شیوسینا کا بورڈ آنے والوں کا استقبال کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندو مسلم کشمکش برابر جاری رہتی ہے۔ ہندتو کے کارڈ پر شیوسینا نے مہاراشٹر اسمبلی اور ملک کی پارلیمنٹ میں کئی نشستیں حاصل کر لی ہیں اور اب بال ٹھاکرے اپنے دائرے کو وسیع کرنے کے لئے تگ و دو کر رہے ہیں۔ چنانچہ حالیہ الیکشن میں مہاراشٹر سے باہر کئی مقامات پر انھوں نے اپنے نمائندے کھڑے کئے۔ مہاراشٹر میں شیوسینا کے اثر ورسوخ کا یہ عالم ہے کہ خود مہاراشٹر کی کانگریسی حکومت شیوسینا اور اس کے رہنما بال ٹھاکرے پر ہاتھ ڈالنے سے ڈرتی ہے۔ جب کہ شیوسینا کی سرگرمیاں، بال ٹھاکرے کے بیانات اور اس تنظیم کا ترجمان روزنامہ "سامنا" مراٹھی اور ہندی اور ہفتہ وار "مارمک" وغیرہ کھلے عام ہندوستان کے دستور، ملک کے مفاد اور مسلمانوں کے خلاف زہر اگلتے ہیں۔ پولس کے کسی ذمہ دار اور حکومت کے کسی وزیر کی جرأت نہیں ہوتی کہ وہ ان کے خلاف طاقت استعمال کریں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ بال ٹھاکرے نے بابری مسجد کے شہید کرنے کی ذمہ داری بڑے فخر کے ساتھ قبول کی اور علی الاعلان مسلمانوں کے

پرہیزگار لوگ
اللہ کو پسند ہیں

جو بھی اپنے عہد کو پورا کرے گا اور برائی سے بچ کر رہے گا وہ اللہ کا محبوب بنے گا، کیوں کہ پرہیزگار لوگ اللہ کو پسند ہیں۔ رہے وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں، تو ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اللہ قیامت کے روز ان سے بات کرے گا نہ انکی طرف دیکھے گا (اور نہ) انھیں پاک کرے گا، بلکہ ان کے لئے تو سخت دردناک سزا ہے۔

(سورۂ آل عمران : ۷۷)

خلاف زہر افشانی کی اور کرتے رہتے ہیں لیکن ان کا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ شرد پوار اور ان سے پہلے کے وزرائے اعلیٰ سب بے بس رہے ہیں۔ ۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کے بعد بمبئی میں جو فرقہ وارانہ فسادات رونما ہوئے ان میں نہ صرف شیوشینا کے سینکوں نے بلکہ شیوسینا سے متاثر پولس والوں نے بھی دل کھول کر مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی اور ان کے مال و متاع کو آگ لگائی جن اخبار نویسوں نے بال ٹھاکرے، شیوسینا کی سرگرمیوں اور اس کے اخبارات کے خلاف لکھا وہ شیو سینا کے کارکنوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے۔

شیوسینا کی ہندتو کے نام پر کی جانے والی کھلی غنڈہ گردی اور زیادتیوں کا نوٹس لینے کی کسی میں ہمت نہیں فاشزم کے اس بدترین کھیل کو کس طرح بند اور ختم کیا جائے اور فسطائیت کے نام پر ہونے والی زیادتیوں کو کس طرح روکا جائے اس پر غور کرنے کی بڑی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں چند موثر تدابیر درج ذیل ہیں:

۱۔ ہمارا ملک جمہوری ہے اور اپنا ایک دستور رکھتا ہے اس دستور نے اہل ملک کو جو حقوق و اختیارات دیے ہیں انھیں ادا کرنے اور زیر عمل لانے کی ذمہ داری وقت کی حکومت کی ہے۔ حکومت انتظامیہ اور عدلیہ کے ذریعہ ان کی ادائیگی کے تعلق سے چاق و چوبند رہے۔

۲۔ دستور نے یہ وضاحت کر دی ہے کہ جو افراد یا تنظیم کھلے عام اس کی خلاف ورزی کرے گی ان کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کی جائے گی اور خلاف ورزی کرنے والوں اور خطاکاروں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا۔

۳۔ ایسے غیر مسلم انصاف پسند بھائیوں سے ملاقاتیں کی جائیں جو ہندتوا اور فسطائیت کے خلاف ہیں اور انھیں ظلم و ستم کرنے والوں کے خلاف متحد و منظم ہونے کی دعوت دی جائے۔

۴۔ ملک میں جو غیر سیاسی تنظیمیں جمہوریت، سیکولرزم اور دستوری حقوق کو تسلیم کرتی ہیں ان سے روابط قائم کئے جائیں اور انھیں ایک پلیٹ فارم پر لانے کی کوشش کی جائے۔

۵۔ ہندتو اور ان کے ہم خیال فسطائی ذہن رکھنے والے افراد اور ان کی تنظیموں کے ذمہ داروں سے انفرادی و اجتماعی ملاقاتیں کی جائیں اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کی جو غلط فہمیاں ہیں دور کی جائیں۔

۶۔ اسلام کے حیات بخش اور امن و سلامتی کے پیغام کو ملک کے ہر بھی خواہ تک پہونچایا جائے۔ اور قرآن و سنت کی تعلیمات پر مشتمل لٹریچر انھیں دیا جائے۔

۷۔ ہندتوا اور اس سے پیدا ہونے والی خرابیوں کے تعلق سے حکیمانہ انداز میں گفتگو، سمپوزیم اور سمینار کئے جائیں۔ اور فسطائیت کے غلط تصور کو ختم کرنے کے لئے ان سے مدد حاصل کی جائے۔

۸۔ مسلمان خیر امت کی حیثیت سے آگے بڑھیں، جذبات میں آکر کوئی ایسا طریقہ کار اختیار نہ کریں جو خود انھیں اور دوسروں کو نقصان پہنچائے۔ شہادت حق کے فریضے کو ادا کرنے کے لئے وہ میدان عمل میں آئیں۔ صبر و ضبط اور منصوبہ بندی کے ساتھ اپنے کاموں کو انجام دیں ۹۔ اخبارات، پریس، ٹی وی، ویڈیو، ریڈیو کے ذریعے ایسے پروگرام نشر کئے جائیں کہ عام جنتا فسطائیت کی خرابیوں کو سمجھ سکے۔ ہندتو کے کارڈ کو غلط سمجھے اور قولاً اور عملاً اس سے دور ہو جائے۔

اگر یہ اور اس نوعیت کے دوسرے اہم کام موثر اور منظم انداز میں انجام دیے جائیں تو ہندتو کے منفی اثرات ہمارے ملک سے دور ہو سکتے ہیں اور یہاں کے رہنے والے انسان بھائی بھائی بن کر اپنی زندگیاں گزار سکتے ہیں۔

●●

ابوہریرہؓ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا طاقتور مومن بہتر ہے اور خدا کو زیادہ محبوب ہے بہ نسبت کمزور مومن کے۔ اور اچھے تو دونوں ہیں اور تو (آخرت میں) نفع دینے والی چیز کا حریص بن، اور اپنی مشکلات میں خدا سے مدد طلب کر، اور ہمت نہ ہار، اور اگر تجھ پر کوئی مصیبت آجائے تو یوں مت سوچ کہ اگر میں نے فلاں تدبیر کی ہوتی تو مصیبت نہ آتی، بلکہ یوں سوچ کہ اللہ نے مقدر فرمایا، اور جو کچھ اس کی مشیت ہوتی ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ اس لئے کہ "اگر" والا طرز فکر شیطانی عمل کا دروازہ کھولتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

ہندتو آندولن بنام کمیونسٹ تحریک

(ماضی، حال، مستقبل)

ریاض قدوائی

"۱۹۴۲ء میں کمیونسٹ پارٹی ہندوستان میں باقاعدہ قائم کی گئی تھی اور اب ۱۹۹۲ء میں صورت حال یہ ہے ۔ ۔ ۔ ۔

ہماری کمیونسٹ پارٹی کے پچاس سال کے کام کا آج جو نتیجہ سامنے آیا ہے (بابری مسجد کا انہدام) اس نے میری زبان گنگ کر دی ہے۔ ہمارے دوست ہم سے پوچھتے ہیں کہ نصف صدی تک ہم نے کیا کیا ؟ میں ان کو کیا جواب دوں ؟"

یہ الفاظ دسمبر ۱۹۹۲ء میں راقم الحروف سے گفتگو کے دوران ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سکریٹری اندرجیت گپتا نے اس وقت کہے تھے جب اجودھیا میں ایک خاصی بڑی قلعہ نما اور تاریخی مسجد کو چند گھنٹوں کے اندر مسمار کرنے کے واقعہ کو دو ہفتے گزر چکے تھے۔ اس گفتگو میں موصوف نے خاص طور سے اس بات کا بھی ذکر کیا کہ ان کی اپنی ریاست مغربی بنگال سے جہاں بائیں بازو محاذ کی حکومت ہے۔ دس ہزار کارسیوک اجودھیا آئے تھے۔

ان باتوں کا تذکرہ ہم نے اس لئے کیا ہے کہ عام طور سے اس ملک میں فسطائی جنون کا راستہ روکنے کی سب سے زیادہ توقعات کمیونسٹوں ہی سے وابستہ کی گئی تھیں۔ یہ بات بھی کسی شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ کم از کم حال تک، وہ اس مقصد میں ناکام رہے ہیں مستقبل کے پردہ میں کیا کچھ مستور ہے ؟ اس سوال سے منسلک کئی دوسرے سوالات ہیں ـــــ ان ناکامیوں کے اسباب کیا ہیں۔ کیا کمیونسٹوں اور دوسرے ترقی پسندوں کی صفوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو ہندتو سے سمجھوتہ کرنے یا اس کی آغوش میں سما جانے کو تیار رہیں ؟ سب سے اہم سوال یہ ہے کہ کیا کمیونسٹ اس پوزیشن میں ہیں کہ ان اسباب سے سبق لے کر اور اپنی صفوں کی کمزوری کو محسوس کر کے مستقبل کے لئے کارگر راہ طے کر سکیں ؟

فسطائی طرز کی جارحانہ فرقہ پرستی یعنی ہندتو کا مقابلہ کرنا دراصل ان کے لئے کوئی اختیاری چیز نہیں ہے جس کا فیصلہ ان کی صوابدید پر منحصر ہو۔ یہ جنگ ان کے لئے مجبوری ہے۔ فی الحال یوں معلوم ہو رہا ہے کہ آر ایس ایس خاندان کی یورش سب سے بڑا سیاسی خطرہ کانگریسی اقتدار کو درپیش ہے لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ کانگریس یا علاقائی پارٹیاں بڑی آسانی سے وقت ضرورت اپنے آپ کو بدل کر اس کو ہوا کے رخ کے مطابق بنا سکتی ہیں۔ اگر ملک میں ہندتو والی فکر کو فیصلہ کن فتح حاصل ہو جاتی ہے تو بیک وقت دو پارٹیاں اس فکر کی نمائندگی کر سکتی ہیں پہلے اور دوسرے درجہ کی قوت کی حیثیت سے، جبکہ علاقائی تنظیموں کے لئے بھی اس سانچہ میں گنجائش موجود ہوگی۔ اس کے علاوہ ایک ایسا عنصر ملک میں موجود رہے گا جو قومی اور بین الاقوامی مصلحتوں کے تحت اقلیتوں بشمول مسلمانوں کا دم بھرتا ہو گو کہ ایسی پارٹیوں کا بیشتر حصہ کانگریس اور بی جے پی میں سما جائے گا۔ میرے خیال میں صرف کمیونسٹ تنظیمیں ہی ایسی ہیں جن کا سخت نظریاتی ڈھانچہ ہندتو کی سیاسی فکر سے کہیں متاثر تو ہو سکتا ہے اس سے سمجھوتہ نہیں کر سکتا۔

جدوجہد آزادی کے وقت سے یہ دونوں قوتیں باہم متصادم رہی ہیں لیکن ہندتو کے خلاف کمیونسٹوں کی جدوجہد کو وقتاً فوقتاً شروع کر کے پھر کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھا گیا۔ جو بھی ہو، یہ جدوجہد ہمیشہ ادھوری یا کمزور نوعیت کی حامل رہی۔

روسی انقلاب اور چین کی کمیونسٹ تحریک کے زیر اثر ہندوستان کی جدوجہد آزادی کے زمانہ میں غریب اور متوسط طبقہ کی نوجوان نسل اور سرمایہ داری سے شکست کھانے والے جاگیرداروں کی اولاد بہت سے رومانیت پسند تصورات لے کر کمیونسٹ تحریک میں شامل ہو گئی لیکن اس تمام عرصہ میں آر ایس ایس کی جڑیں مضبوط ہوتی گئیں۔ ۱۹۵۲ء کے اولین عام انتخابات سے پہلے بنگال کے آر ایس ایس پرچارک شیاما پرشاد مکرجی نے بھارتیہ جن سنگھ قائم کی اور اس سے پہلے ہی یعنی تقسیم کے فوراً بعد کانگریس فرقہ پرست ہندو پارٹی کا روپ اختیار کر چکی تھی۔

جواہر لال نہرو کی شخصیت اس میں ایک استثنا تھی۔ ان کو معلوم تھا کہ کانگریس صرف سیکولر حیثیت سے ہی جن سنگھ کے مقابلہ میں الیکشن جیت سکتی ہے۔ درحقیقت جن سنگھ کا چیلنج بالکل نزدیک آنے پر ہی کانگریس نے نہرو کی لائن کو قبول کر کے دوبارہ سیکولر شبیہ اختیار کی۔ یہ بات بہت سے لوگوں سے پوشیدہ نہیں ہے کہ بابری مسجد پر ۱۹۴۹ء میں چند سازشی عناصر کے قبضہ کو مقامی کانگریسیوں اور حکام کی مکمل حمایت حاصل تھی، جیسا کہ اس وقت کے ضلع کانگریس کے سکریٹری اکشے کمار برہمچاری نے لکھا ہے، اس قبضہ کو دائمی بنانے میں ہو بانی کانگریس

حکومت اور ایڈمنسٹریشن نے پوری مدد دی۔

پنڈت نہرو کو معلوم تھا کہ سیکولر اور کمیونسٹ نوجوانوں کی ہمدردی حاصل کئے بغیر اور مسلمانوں کے ووٹوں کے بغیر کانگریس برسر اقتدار نہیں آ سکتی۔ اس خیال سے حکومت نے کمیونسٹ پارٹی پر سے پابندی ہٹا کر اس کو الیکشن کے میدان میں آنے دیا لیکن ساتھ ہی آر ایس ایس کو بھی جس پر مہاتما گاندھی کے قتل کے بعد پابندی عائد کر دی گئی تھی۔ اس کے اپنے سیاسی بازو جن سنگھ کی معرفت انتخابی طاقت آزمائی کا موقع دیا گیا تاکہ دونوں غالب نظریاتی رجحانات ایک دوسرے کو کمزور کر سکیں۔

کمیونسٹوں نے عرصہ تک قیام پاکستان اور محمد علی جناح کے مطالبات کی حمایت کی تھی۔ بعد ازاں وہ اس سے یکسر دستبردار ہو کر مسلم لیگ کے قائدین کو برطانیہ کا آلۂ کار کہنے لگے لیکن تقسیم شدہ ملک کے بدلے ماحول میں اس حمایت کا داغ ان کے ماتھے پر لگا تھا جس کو کانگریس اور جن سنگھ نے مل کر خوب اچھالا تھا۔ وہ الیکشن جیت تو نہیں سکے مگر جن سنگھ کے مقابلہ میں ان کو زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔ ۱۹۵۷ء تک کمیونسٹ ملک میں دوسرے نمبر کی سیاسی قوت تھے، اس کے بعد 'ہندتو' کا ابھار دوبارہ بڑھنے لگا۔ ۶۸ء میں آر ایس ایس کی جانب سے وشو ہندو پریشد کے قیام سے لے کر ۱۹۸۳ء تک ان قوتوں نے زیادہ تیز رفتار ترقی نہیں کی اور کمیونسٹوں کو خاصا موقع ملا مگر وہ قطعاً بے خبر تھے اور اپنے نظریاتی حصار میں بند نازاں۔ دراصل ان علاقوں میں جن کو ہندی بیلٹ کہا جاتا ہے ان کو حقیقی عوامی بنیاد بہار کے سوا شاید ہی کہیں حاصل ہوئی ہو۔ گو کہ اُن کی ٹریڈ یونین پورے ملک میں پھیلی ہوئی تھیں اور ان دیہی علاقوں میں بھی طاقت ور تھیں لیکن ان یونینوں کے ارکان کا پارٹی کی نظریاتی اساس کو گلے لگا لینا تو درکنار، وہ ان کے امیدواروں کی جگہ عام الیکشن میں دوسروں کو ووٹ دیتے رہے ہیں۔

بائیں بازو کے عناصر اور ان کے ہمدردوں کے لئے یہ بات تو تشویش ناک رہی ہے کہ 'ہندتو' کی قوتوں کی اپیل کی بدولت وہ گزشتہ تیس چالیس برسوں کی انتھک کوششوں اور اپنی شاخوں کے ملک گیر نظام کے باوجود ان فرقہ پرست پارٹیوں سے "ہندی بیلٹ" اور مہاراشٹر گجرات جیسی ریاستوں میں ایک انچ بھی زمین نہیں چھین سکے۔ اس سے زیادہ پریشان کن امر ان کے لئے یہ ہے کہ یہ کمیونسٹوں ہی کو ان کے مضبوط ٹھکانوں سے بے دخل کرنے میں کامیابیاں حاصل کر رہی ہیں۔ مہاراشٹر خصوصاً بمبئی کسی زمانہ میں کمیونسٹوں کا گڑھ تھا۔ کمیونسٹ پارٹی کے کئی سرکردہ قومی لیڈر اسی علاقے سے ابھرے تھے۔ اب وہاں شیو سینا متعدد ٹریڈ یونینوں کو کمیونسٹوں کے ہاتھوں سے چھین چکی ہے اور بی جے پی کی قوت ریاست میں تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ کیرالا میں بی جے پی نے اسمبلی کی متعدد سیٹیں بھی حاصل کر لیں۔ علاوہ ازیں جنوبی ریاستوں میں جہاں کانگریس کے گھٹتے ہوئے اثرات کی بدولت کمیونسٹوں کو امید تھی

کہ وہ اس خلا کو خود یا اپنے حلیفوں کے ذریعہ پر کر سکیں۔ یہ کامیابی بی جے پی حاصل کر رہی ہے۔ جنوبی ریاستوں کیرالا، تامل ناڈو اور کرناٹک میں آر ایس ایس کی ایک ذیلی تنظیم 'ہندو منانی' عرصہ سے قائم ہے اور بمبئی میں جنوری ۹۳ء کے فسادات میں اس نے تامل آبادی والے علاقوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ چونکہ بمبئی میں رہنے والے جنوبی باشندے اپنی اصل ریاستوں میں مسلسل آمد و رفت رکھتے ہیں۔ لہٰذا فرقہ وارانہ ذہنیت کے جراثیم تیزی سے ان ریاستوں میں منتقل ہو رہے ہیں۔

لیکن 'ہندو فرقہ واریت' کا علم اٹھا کر چلنے والی قوتیں کس طرح خود بائیں بازو کے قلعوں میں رفتہ رفتہ اپنا گھر بنا رہی ہیں۔ اس کا اندازہ مغربی بنگال میں گزشتہ چار انتخابات کے نتائج کو بغور دیکھنے سے ہوتا ہے۔ یوں تو کانگریس یا بی جے پی گزشتہ دو دہائیوں سے اس ریاست میں کمیونسٹ اقتدار کو ہلا نہیں سکی لیکن کانگریس کی غیر مستقل کامیابیوں اور اتار چڑھاؤ کے برعکس بی جے پی وہاں اپنی قوت میں متواتر اضافہ کر رہی ہے جو کہ کمیونسٹوں کے لئے سب سے زیادہ تشویش کا باعث ہے کیونکہ یہ وہ ریاست ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ کوئی لہر وہاں تک پہنچ نہیں پاتی۔ پھر بھی قابل ذکر بات یہ ہے کہ ۸۹ء میں بی جے پی نے مغربی بنگال میں ڈالے جانے والے اپنے ووٹوں کو نصف فیصد سے بڑھا کر دو فیصد تو کر ہی لیا تھا۔ ۹۱ء میں اس کے ووٹوں کا تناسب بڑھ کر ۱۲ فیصد ہو گیا۔ ۹۳ء میں پنچایتی انتخابات ہوئے جہاں پہلے بی جے پی کسی شمار میں نہیں تھی اس نے وہاں متعدد گرام پنچایتوں پر قبضہ کر لیا اور خاصے ووٹ حاصل کئے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ شہروں اور بڑے قصبوں میں اس کا اثر زیادہ پھیل رہا ہے لیکن مواضعات میں بھی اس کی قوت تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ پنچایتوں کے انتخابات بابری مسجد کے سانحہ کے بعد ہوئے تھے۔ اول اول یہ توقع کی جا رہی تھی کہ بابری مسجد گرا کر بی جے پی خصوصاً مغربی بنگال جیسی ریاستوں میں بدنام ہو کر اپنی رہی سہی بنیاد کھو بیٹھے گی لیکن ہوا اس کے برعکس۔ ریاست کے تمام اضلاع سے طلب کی جانے والی اپنی خصوصی رپورٹوں سے مارکسی کمیونسٹ پارٹی کو پتہ چلا کہ بنگال کے عوام اب بی جے پی سے پہلے کی طرح بیزار یا بے تعلق نہیں ہیں بلکہ وہ اس کے لیڈروں کی بات سننے کو تیار ہیں۔ کانگریسی کارکن بڑی تعداد میں بی جے پی میں شامل ہو رہے تھے اور آر ایس ایس کی منظم رہنمائی کی وجہ سے وہ کمیونسٹوں کے لئے کانگریسی کارکنوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔ ویسے بھی ریاست میں کانگریس اور بی جے پی کے درمیان گویا مکمل تال میل ہے جو کہ اجودھیا کے واقعہ کے بعد جوں کا توں برقرار رہا ہے۔

کرناٹک میں لوک سبھا کے گزشتہ انتخابات میں بی جے پی کے ووٹوں کا تناسب ۲۸ فیصد ہو گیا۔ حالانکہ اس سے پہلے یہ صرف ڈھائی فیصد تھے۔ کرناٹک میں پہلے جنتا دل برسر اقتدار تھا اور اب ریاستی اسمبلی میں دوسرے نمبر کی پوزیشن پر ہے لیکن مذکورہ بالا نتائج کے معنی یہ ہوئے کہ اب بی جے

پی برسر اقتدار آسکتی ہے۔ اس قسم کے متعدد اعداد و شمار موجود ہیں۔
ایک اور تشویش ناک امر ہے کہ آر ایس ایس اور بی جے پی سے اب دریائے نربدا کے جنوب کی علاقائی پارٹیاں بھی متاثر ہو رہی ہیں۔ مثلاً انا ڈی ایم کے اور تیلگو دیشم، مارکسی کمیونسٹ پارٹی کے نظریاتی لیڈر سیتا رام یچوری نے جن کو پارٹی نے خصوصیت سے فرقہ واریت کے بارے میں حقائق اکٹھا کرنے کا کام سونپا ہے۔ خاصی فکرمندی کے ساتھ راقم الحروف کے سامنے انکشاف کیا کہ نیشنل فرنٹ کی بعض پارٹیوں (خصوصاً آندھرا پردیش میں) کے کارکنوں نے دسمبر ۹۲ء میں ہونے والے مسلم کش فسادات میں خود بھی حصہ لیا۔

یہ محض سیٹوں کی ہار جیت یا چند فیصد ووٹوں کا معاملہ نہیں ہے۔ اگر کانگریس یا کوئی علاقائی پارٹی کمیونسٹوں کو کسی جگہ پسپا کر دیتی ہے تو وہ جانتے ہیں کہ یہ کامیابی عارضی ثابت ہوگی۔ مثال کے طور پر تری پورہ کی ریاست اور کلکتہ کا چورنگی پارلیمانی حلقہ جہاں سے سی پی ایم نے حال میں کانگریس کو دوبارہ بے دخل کیا۔ لیکن بی جے پی کی ہر چھوٹی بڑی کامیابی کا مطلب نظریاتی اعتبار سے لیس جنگجو کارکنوں میں اضافہ ہے جو کہ طویل مدتی لحاظ سے خطرناک ہے۔

مغربی بنگال کے سرحدی اضلاع میں جو کہ بنگلہ دیش سے متعلق ہیں مسلم دشمنی کے پرچار میں بی جے پی اور وشو ہندو پریشد خاصی آگے بڑھ گئی ہیں۔ اس کے لئے بہانہ بنگلہ دیشی مسلمانوں کو بنایا گیا ہے یا تو فرضی یا وہ لوگ جو برسوں پہلے ہندوؤں کی طرح مگران سے کہیں کم تعداد میں سرحد پار کر کے آئے تھے۔ بنگلہ دیش میں ہندوؤں پر مظالم کے بارے میں گمراہ کن پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ خصوصیت سے بردوان اور مرشد آباد ضلع کے بعض حصوں میں یہ فرقہ پرست اس کوشش میں مصروف ہیں کہ وہاں نیلی اور پورے (آسام) کی خونیں تاریخ دوہرائی جائے اور اس خون خرابہ کے ذریعہ پوری ریاست میں اپنا اثر پھیلا کر اقتدار حاصل کیا جائے۔ اس سلسلہ میں کرناٹک کی مثال کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا جہاں حالیہ برسوں میں سکھوں اور مسلمانوں کے خلاف خونریز فسادات سے پہلے مکمل فرقہ وارانہ امن و امان رہتا تھا لیکن ہمیں نہیں نظر آتا کہ اس پروپیگنڈے کا بنگال کے کمیونسٹوں کی طرف سے موثر جواب دیا گیا ہو۔ ان کی کوششیں فساد نہ ہونے دینے تک محدود ہیں۔

مغربی بنگال سے متصل بہار ہے۔ جہاں لالو پرشاد یادو کی حکومت ہے، وہاں بھی نئی چیزیں دیکھنے کو ملیں۔ ۶ دسمبر کے بعد کے فسادات میں معتبر اطلاعات کے مطابق ۴۰ اموات ہوئیں اور لال کرشن ایڈوانی کی تقریر سننے کے لئے وہاں اب بھی غیر معمولی ہجوم اکٹھا ہو جاتا ہے۔ چاہے یہ بھیڑ محض اشتیاق و جستجو ہی کے لئے کیوں نہ آتی ہو۔ ان میں سے چند فیصد یقیناً ایڈوانی کے مداح بن جاتے ہوں گے۔

بائیں بازو اور جنتا دل کے حلیفوں کے مقابلہ میں ہندتو کی ان

کامیابیوں کے لئے ہم ان سطور میں بعض اسباب اور عوامل کا تجزیہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ امید بھی کرتے ہیں کہ بائیں بازو کے عناصر اس کو محض تنقید نہ خیال کر کے خود ان عوامل پر غور کریں گے۔

سیتارام یچوری مارکسی کمیونسٹ پارٹی کے سیاسی بیورو کے رکن اور پارٹی کے چار پانچ معروف ترین رہنماؤں میں سے ہیں (اس میں نائب صدور اور جنرل سکریٹریوں یا سکریٹریوں کی لمبی قطار کیا نہیں ہو میں بلکہ سیاسی بیورو کے ارکان ہی پارٹی کے عہدیدار ہوتے ہیں جن میں اس کے موجودہ جنرل سکریٹری ہرکشن سرجیت شامل ہیں) انھوں نے "فرنٹ لائن" کے زیر اہتمام شائع ہونے والے اپنے کتابچے "نقلی ہندتو بے نقاب" میں یاد دلایا ہے کہ "بدی کی کامیابی کے لئے بس نیکی کی خاموشی ہی کافی ہوتی ہے"۔ انھوں نے ایک جرمن دانشور کا بھی حوالہ دیا ہے جس نے نازیوں کی یلغار کی بابت کہا تھا کہ پہلے انھوں نے یہودیوں کو نشانہ بنایا، پھر کمیونسٹوں کو اور پھر کیتھولکوں کو "اور میں نے زبان نہیں کھولی"، آخر میں وہ میرے لئے آئے اور کسی نے زبان نہیں کھولی کیونکہ کوئی بچا ہی نہیں تھا میرے لئے زبان کھولنے کے واسطے۔

مسٹر یچوری نے اپنے اس کتابچہ اور دوسری تحریروں میں آر ایس ایس کے دوسرے سربراہ ایم ایس گولوالکر کا براہ راست حوالہ دیتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ آر ایس ایس اور اس کی پوری بریگیڈ کو فسطائی (یا فاشسٹ) تنظیم محض محاورتاً نہیں کہا جاتا ہے بلکہ اس کے موجودہ رویہ کے علاوہ پوری جڑ بنیاد بھی فسطائی ہے مثلاً گولوالکر نے جرمنی سے یہودیوں کا صفایا کئے جانے کی ستائش اور ہندوستان میں نسلی برتری اور نسلی تطہیر کا ایسا ہی انداز اختیار کرنے کی وکالت کی۔ کمیونسٹ رہنما نے بھگوا دستے کے دس جھوٹ ایک ایک کر کے گنائے ہیں جو کہ بابری مسجد کے انہدام کے جواز میں یا اس واقعہ کی توجیہ کرنے کے لئے اس دستہ کے رہنما بولتے رہے ہیں اور ان کا باری باری جواب دیا ہے۔ دوسرے بہت سے امور پر کئی نامور صحافیوں نے بھی بار بار لکھا لیکن اس کتابچہ میں خاص طور سے آر ایس ایس ٹولہ کے اس بنیادی جھوٹ کو جو کہ اس کی تمام زہریلی سرگرمیوں کی اساس ہے تفصیل کے ساتھ بے نقاب کیا گیا ہے یعنی یہ کہ "مسلم اقلیت کی ناز برداری کر کے ہندوؤں کو نقصان پہنچایا جا رہا ہے"۔ موصوف نے اس کی تردید کی غرض سے مستند رپورٹوں اور حقائق کا حوالہ دیا ہے جو آر ایس ایس پریوار کی ان تمام افترا پردازیوں کی قلعی کھولتی ہیں۔

سیتارام یچوری کی ایک اور کتاب "ہندو راشٹر کیا ہے" میں مستند حوالوں سے آر ایس ایس کے ہندو راشٹر کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اس کے مطابق ان منصوبوں کا رخ صرف مسلمانوں کے خلاف نہیں ہے بلکہ ان کا مقصد ملک کے نظام کو اور آر ایس ایس خاندان کے سوا ہر دوسری سیاسی و سماجی فکر کو نیست و نابود کر دینا ہے۔

چند ایک استثنا کے ساتھ یہ مطبوعات دانشوروں کو صحیح حقائق مہیا کرتی ہیں اور ان کو ہندتو کی حقیقت سمجھنے میں مدد دیتی ہیں۔ یہ مختلف علمی و صحافتی مباحث کے لئے ان تمام لوگوں کو جو مذہب کے لبادے میں ملبوس فسطائیت کے مخالف ہیں علم و واقفیت کے ہتھیار سے لیس کرتی ہیں لیکن ہندو عوام پر ان کا اثر برائے نام ہے۔ علاوہ ازیں ان میں بعض ایسی باتیں بھی کہی گئی ہیں جن کا حوالہ دے کر عام مذہب پسند ہندوؤں کو بہ آسانی کمیونسٹوں سے متنفر بھی کیا جا سکتا ہے۔

کمیونسٹ خیالات کے ایک ہندی جریدہ "سمکالین تیسری دنیا" نے "ہندتو نما فسطائیت سے نبٹنے کے معاملہ میں کمیونسٹوں کے اپنے خیال میں بعض بنیادی نقائص گنائے ہیں جسے اس نے کہا ہے کہ جب مغربی بنگال تک کی حکومت (اور پورا ہندوستان) اسکولی طلبا کو ہندو مذہبی روایات کی تعلیم ثقافتی ورثہ کے طور دیتا ہے تو اس کو پڑھ کر تربیت پانے والے ہندوستانی عوام کمیونسٹوں کی تھیوریوں کو کیسے قبول کر سکتے ہیں۔

مذکورہ بالا جریدہ کے چند اقتباسات یہاں پیش ہیں:

"آٹھ سال قبل آر ایس ایس خاندان نے یہ نعرہ لگایا تھا کہ "گرو (فخر) سے کہو ہم ہندو ہیں" اس وقت بائیں بازو نے اس کی سنگینی کو محسوس نہیں کیا تھا اس وقت ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ نعرہ ایک برہنہ فسطائیت کا اعلان جنگ ہے ــــــ"

آگے رسالہ لکھتا ہے:

"اس سے نپٹنے کے لئے فساد زدہ مسلمانوں کے آنسو پونچھنے اور ان میں کمبل تقسیم کرنے سے کام نہیں چلنے والا ہے۔ یہ جنگ لڑنے کے لئے دلتوں کو منظم کرنا ہوگا جو کہ اپنی آزادی کے دروازے تک پہنچنے کے بعد برہمن ازم کی غلامی کی طرف واپس جانے لگے ہیں ـــــ جے شری رام کے نعرے پر"

اس تبصرہ کے بالائی حصہ میں کہا گیا ہے کہ بائیں بازو کی قوتیں اس وقت بے خبر یا بے پروا تھیں جب "فخر سے کہو ہم ہندو ہیں" کا نعرہ دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہم کمیونسٹ رہنما کی وہ دل گیر اپیل بھی پڑھ چکے ہیں جس میں وہ آج تمام فسطائیت مخالف لوگوں سے یہی بات کہہ رہے ہیں کہ یہ حملہ صرف مسلمانوں پر نہیں ہے بلکہ اس کا نشانہ ملک کا سب کچھ ہے اور یہ کہ آج اگر خاموش رہے تو ....

اب سے آٹھ دس سال پہلے اگر یچوری صاحب نہیں تو دوسرے رہنما ان میں سے جو اس وقت کمیونسٹ تحریک کے پتوار سنبھالے ہوئے تھے یہی بات کہتے اور بائیں بازو کی قوتیں واقعی اپنے اندر ایسی توانائی اور ارادے رکھتیں کہ عوام کو اپنے ساتھ لا سکتیں تو آج ملک کا نقشہ

ایک مکمل ہیلتھ ٹانک، بلکہ اور بھی بہت کچھ!



سنکارا
آپ کی صحت کے لیے ایک بھرپور ٹانک

سنکارا لازمی عناصر، جڑی بوٹیوں اور وٹامنوں کا نادر مرکب ہے۔ اس میں آئرن، کیلشیم اور زنک کی کافی مقدار ہے۔ اتنا ہی نہیں، سنکارا میں الکحل بالکل نہیں ہے۔ سنکارا آپ کی کس طرح مدد کرتا ہے؟

اسکول جانے والے بچوں کے لیے:

سنکارا بھوک اور ذہنی توانائی بڑھانے میں مدد کرتا ہے۔ اس کی وجہ ہے سنکارا میں موجود مقوی عناصر (بالخصوص زنک اور آیوڈین) جو دماغ کے خلیوں کو بڑی مقدار میں غذا فراہم کرتے ہیں۔ یہ قوتِ حافظہ کی اصلاح بھی کرتا ہے۔

حاملہ خواتین کے لیے:

سنکارا حاملہ خواتین اور دودھ پلانے والی ماؤں کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ اس میں ماں اور بچے کی صحت کے لیے ضروری فولک ایسڈ، وٹامن بی ۱۲، آئرن، کیلشیم اور زنک کافی مقدار میں ہیں۔

بالغوں کے لیے:

دباؤ اور تناؤ بھری اس دنیا میں سنکارا مہلک امراض سے حفاظت کا سب سے بہترین ذریعہ ہے۔ سنکارا دورانِ خون کو معمول کے مطابق رکھنے اور جگر کے اطراف میں کثافتوں کے جمع ہونے سے روکنے میں مدد کرتا ہے۔

ضعیفوں کے لیے:

سنکارا ضعیفوں کے لیے قابلِ مثال اور طاقت بحال کرنے والا ٹانک ہے۔ اعتدال میں کمی آجانے کے سبب پیدا ہونے والے امراض اور ضعیفی میں پریشان کرنے والی بیماریوں سے حفاظت کرتا ہے۔ ان میں اکثر امراض کا سبب خراب اور غیر متناسب غذا ہے۔

تو آج ہی سنکارا لے آئیے۔ یہ پورے خاندان کے لیے قابلِ مثال صحت بخش ٹانک ہے۔



لازمی بنیادی عناصر، وٹامنوں اور جڑی بوٹیوں کا نادر مرکب

ہمدرد
سنکارا
مشہور عالمی فیملی ٹانک، ہر موسم میں سب کے لیے

چند مشہور ٹانکوں میں موجود آئرن، کیلشیم، زنک اور الکحل کی مقدار (فی خوراک) کا موازنہ۔

Reputed brands of tonics	Iron (mg)	Calcium (mg)	Zinc (mg)	Alcohol content percent (V/V)	Contents per unit pack
1	--	12 4	—	12.00	400
2	—	—	—	11 0	240
3	9 68	—	—	—	454
4	13.00	—	—	—	200
5	21 50	—	0.00682	5.5	200
6	16 709	—	—	—	300
7	—	—	—	—	200
8	7 63	—	0.50	—	100
9	5 60	9 50	—	9.5	300
Cinkara	**28.50**	**18.07**	**2.00**	**Nil**	**500**

یہ نہ ہوتا یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بعض کمیونسٹ گروپ جن کو انتہا پسند اور نکسلی کہا جاتا ہے برسوں سے ہندووا داور "ہندی سامراج" کی شدید مذمت کر رہے ہیں۔

اب سے تقریباً آٹھ سال پہلے ہی کی بات ہے کہ بائیں بازو کے سیاست داں پارلیمنٹ کے ایک بل کے خلاف اپنی پوری توانائیاں صرف کر رہے تھے مسلم خواتین مطلقہ بل ـــــ حالانکہ یہ ایک ایسا چھوٹا سا اور معمولی واقعہ تھا جس کو عام حالات میں قطعی نظر انداز ہو جانا چاہئے تھا کیونکہ اس کا ملک کی مجموعی قومی زندگی اور ملک کے مستقبل سے کوئی راست تعلق نہیں تھا۔ لیکن اس پرجوش و غوغا ہوا وہ کیسہ پا دستے کے ہاتھوں میں مسلمانوں کی منہ بھرائی کی تھیوری کے حق میں ایک اہم ہتھیار بن گیا، وہ مفروضہ جس کی آج کمیونسٹ اتنا زیادہ وقت اور قوت صرف کرکے تردید کر رہے ہیں۔

بائیں بازو کی قوتوں کے لئے اس ترقی پسند جریدے کا یہ مشورہ غور طلب ہے:

ایشیا میں امریکہ کے لئے سب سے بڑا درد سر اسلامی تنظیم ہے۔ جس کو غالباً مذہب کی تو کم مگر اپنے تیل کے مفادات کی زیادہ فکر ہے۔ تیل کی عالمی منڈی میں ان ملکوں کو سب سے زیادہ امریکہ نقصان پہنچا رہا ہے اس امر کا جائزہ لیا جانا چاہیئے کہ اس اسلامی گٹھ بندھن سے نبٹنے کے لئے امریکہ ہندوستان کو ایشیائے مشرقی، جنوبی اور مغربی حصہ کی خاص فوجی قوت کے طور پر ابھارنا چاہتا ہے۔ کانگریس کے اندر کوئی پرکشش قائد نہیں ہے لہٰذا کچھ ٹھیک نہیں کہ کانگریس کب ٹوٹ کر بکھر جائے۔ ایسی حالت میں (امریکہ کے لئے) بی جے پی کے سوا اور کیا متبادل باقی رہتا ہے؟ اور بی جے پی کے پاس فسطائیت کے قیام کے لئے ہندی، ہندو، ہندوستان سے زیادہ پرکشش نعرہ اور کیا ہوگا؟

اس میں تھوڑا سا اضافہ اور کیا جا سکتا ہے ـــــ ملک کے باہر اور اندر پائی جانے والی اسلامی بنیاد پرستی کا خوف امریکہ کی طرح یہاں بھی مغرب کے کھلے اور درپردہ دوستوں کو کھائے جا رہا ہے جو عناصر مسلم دشمنی کو اپنی زندگی کا قانون بنا چکے ہیں اور اس کو ملک کی زندگی کا قانون بنانا چاہتے ہیں۔ وہ اگر "اسلامی بنیاد پسندی" کو صلواتیں سناتے ہیں تو عجب کیا عجیب بات یہ ہے کہ بائیں بازو کے دانشور اور اندر ہی اندر سیاستداں بھی خالص اسلامی نظر آنے والی ہر چیز کے سائے سے بھڑکتے ہیں۔ اس رویہ کی کوئی منطقی بنیاد نہیں ہے سوائے توازن قائم کرنے کی فرسودہ اور انتہائی ناکام تیکنک کے۔ ملک کے مختلف حصوں میں اسلامی یا سیکولر وایارے کی ابھار کے معاملہ میں بھی ان کا یہی رویہ ہے۔ کمیونسٹوں اور جنتا دل کا جو تجربہ آپ کی کوئی فکری سمت نہیں سب سوائے چند نعروں کے جو رویہ ملک کے

حالات میں متواتر ابتری کا ایک سبب ہے، اگر خاص نہیں تو ایک اہم عنصر ضرور ہے۔

اوپر کے اقتباس میں مسلم ممالک کے معاملہ میں رویہ بدلنے کا مشورہ بین السطور میں موجود ہے۔ سوال یہ ہے کہ بائیں بازو کی قوتوں کو جو عوامی آفاقیت اور بین الاقوامیت پر زور دیتی ہیں صرف حکومتوں کے معاملہ میں مثبت رویہ اختیار کرنا چاہئے اور عوام اور عوامی تحریکوں کے معاملہ میں نہیں؟ وہ اسلامی تحریکیں جو کہ ان مسلم ملکوں کی زندگی کا ایک اہم جزو ہیں؟ اور جنہیں ان کے ملکوں میں پوری فوجی قوت کے ساتھ کچلا (جیسے کہ الجزائر میں الیکشن میں کامیابی کے بعد نتیجے کا اعلان نہ کرنا) جا رہا ہے؟ امریکہ کی حمایت سے فوجی ٹولے مصر اور متعدد مسلم ملکوں میں بنیاد پرستی کے نام پر عوام کی امنگوں کو کچل رہے ہیں۔ کیا کمیونسٹ اس کی مذمت کریں گے۔؟

اصولی لحاظ سے دیکھا جائے تو آج اکا دکا گاندھی وادیوں اور انسانی حقوق کے علمبرداروں کو چھوڑ کر کمیونسٹ اور سوشلسٹ ہی فسطائیت کے خلاف بظاہر واحد سیکولر قوت نظر آتے ہیں۔ آخر الذکر اس کو اپنا تاریخی رول بتاتے ہیں۔ لیکن تاریخ نشیب و فراز سے پر ہے۔ یہ رول اس بات سے مشروط ہے کہ وہ اپنی فکر اور اپنی صفوں کو کس حد تک خالص بناتے ہیں اور کس حد تک ذات پرستی یا موقع پرستی کے جراثیم کو اپنے ذہن (قیادت کے نظریات) اور جسم (کارکنوں) میں آنے دیتے ہیں۔

اس سے بھی اہم سوالات ہیں جن پر مستقبل کا دار و مدار ہے ـــــ کیا وہ اپنے بند دریچوں کو کھول کر عوام کی اصطلاحوں میں بات کرنا اور حقیقتاً عوام میں جانا شروع کریں گے یا محض سیکولرزم کے میلے لگائے جاتے رہیں گے۔ جلسوں جلوسوں اور ریلیوں کی شکل میں؟ کیا وہ ہندوؤں کے بنیادی عقائد اور ان عقائد کے تنوع پر بحث کرنے کے بجائے روزمرہ زندگی میں فرقہ وارانہ زہر اور فسادات کے نقصان کو ہی اجاگر کریں گے؟ کیا وہ تعمیری، اصلاحی اور کوآپریٹو کام کے ذریعہ فرد کا ذہن بدلنے کی ضرورت محسوس کریں گے؟ کیا وہ مسلمانوں اور تمام سماجی اور مذہبی گروہوں کے الگ اور منفرد تشخص کے حق کو پوری طرح تسلیم کریں گے؟؟

●●



قلم کا رشتہ علم سے ہے اور صاحبانِ علم و قلم کا تعلق ہم سے۔

قلموں کا عظیم ترین مرکز: **دکن پین اسٹور** اورینٹ اسٹیٹ، عابد روڈ، حیدرآباد ۱
فون: ۲۰۲۳۰۶

THE DECCAN PEN STORES
Orient Estate, Abid Road, Hyderabad, Phone: 202306
Branch: Kingsway, Secunderabad, Phone: 830020

برانچ: کنگز وے، سکندرآباد (آندھرا پردیش) فون: ۸۳۰۰۲۰



TRUST

The Beary's
Properties & Development
FOR DESIGNER APARTMENTS

The Beary's Real Estates
CONSULTANT REALTORS & REAL ESTATE PROMOTERS

40/1, Residency Road, Bangalore-560 025. Ph: 213124/213424 Fax: 217903 Grams: IDEALIST

ایک بحث

پہلے یہ طے کریں کہ ہندو کون ہے؟

ڈاکٹر بی ایس گہلوت

ہر ایک کو اس بات کا خیر مقدم کرنا چاہیئے کہ مسلمانوں میں نقلی ہندو واد کا گہرائی کے ساتھ اور ٹھنڈے دل سے جائزہ لینے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اس تحریک کا رخ فی الحال تو مسلمانوں ہی کے خلاف ہے البتہ اصل نشانہ تمام عوام ہیں۔ لہٰذا مسلم فرد نقلی ہندو واد کے حملہ کا سامنا کرنے کے لیے آج جو رویہ اختیار کرے گا اس کا اثر کل ملک کی تاریخ پر مرتب ہوگا یعنی اس ملک میں فسطائیت کی فتح یا شکست بڑی حد تک مسلم رویہ پر بھی منحصر ہے۔ اس لیے میں کچھ تاثرات پیش کر رہا ہوں جو شاید نقلی ہندو واد کے مقابلہ میں کوئی منظم اور سوچا سمجھا رویہ اپنانے میں مدد دے سکیں۔ اختصار کے خیال سے یہاں کچھ مربوط اور کچھ علیحدہ علیحدہ پہلوؤں کو سامنے رکھا جا رہا ہے۔

عموماً ہندو مذہب کی اچھائی یا معقولیت کا نظریاتی پہلو یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ ویدانت میں متعدد مقامات پر کہا گیا ہے کہ "ایکو برہما دوتیسیئے ناستی" (ایک ہی خدا ہے دوسرا کوئی نہیں) یہ کہ ویدانت ہندو دھرم کی سب سے بہتر شکل ہے، یہی آریہ دھرم یا سناتن دھرم بھی ہے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ ایک متضاد بات بھی کہی جاتی ہے کہ ۳۳ کروڑ دیوتا ہیں (شاید ان میں دیویاں بھی شامل ہیں) جن پر ہندوؤں کو یقین ہے اور ان کا یہ عقیدہ ان کی رواداری اور وسعت قلبی کی علامت ہے۔ لیکن ایک ایشور کے عقیدہ کے باوجود کسی کو اتنی فرصت نہیں کہ وہ اتنے سارے دیوی دیوتاؤں کی حقیقت کو سمجھنے یا ان کی وضاحت کے لیے گفتگو ہی کرے۔

لوگوں کو متحد کرنے کی بجائے انہیں بانٹنے کی یہ سب سے نمایاں مثال ہے۔ دوسری مثالیں گنگا اشنان، گائے کی حفاظت، گایتری منتر کا جاپ اور برہمنوں کے احترام سے متعلق ہیں جن کے بارے میں کبھی کوئی معقول سروے نہیں کیا گیا۔ کہ اس کسوٹی پر کتنے فیصد ہندوؤں کا صحیح معنوں میں ہندو ہونا تسلیم کیا جائے گا۔

راقم الحروف سمجھتا ہے کہ ہندو نظام حیات کی اہم خصوصیات کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ آپ اس وقت تک ہندو نہیں ہوسکتے جب تک کہ آپ ذات پات کے نظام پر یقین نہیں رکھتے کیونکہ ہندتو کے حامیوں نے جن ویدوں کو مقدس مان رکھا ہے وہ خود ذات پات یعنی برہمن، چھتری، ویش، اور شودروں میں انسانوں کی تقسیم کی وکالت کرتے ہیں۔ یہاں کہ انسانی تہذیب کے ابتدائی دور میں بھی یہ تقسیم کر دی گئی تھی جس کا مقصد چاہے لوگوں کو متحد کرنا ہو یا استحصال کی حالت کو برقرار رکھنا ہوگا مگر بعد میں اس تقسیم نے زوال کا ایسا سلسلہ شروع کیا جو بالآخر بدتر قسم کے انتشار کے ہم معنیٰ بن گیا دوسرے لفظوں میں یہ انسانیت کی تذلیل بھی ہے جس کے نمایاں نتائج کے طور پر ہر طرف یہی نظر آتا ہے کہ ہاتھ سے کام کرنے والوں کی عزت کی بجائے ان کی تذلیل کی جاتی ہے۔

آپ جو بھی کام کرتے ہیں اس میں جسمانی محنت اور مشقت درکار ہوتی ہے اس لحاظ سے انسانی محنت کا بوجھ زندگی کی سب سے اعلیٰ وارفع اور مشترک قدر ہے۔ مگر سماج کا تام نہاد درمیانی طبقہ زر و دولت کی قدر کرتا ہے۔ اس کو اس راہ پر کس نے چلایا ہے۔؟ صاف ظاہر ہے کہ ذات پات کا نظام اس سماجی تغیر کا مظہر ہے جو زمانۂ قدیم میں لایا گیا۔ یعنی انسانی محنت کو سب سے پست شئے بنا دینا۔

ہندوستان کی قدیم تہذیب و ثقافت کی نشاط ثانیہ کے نام پر نئے نئے شہرت پانے والے لیڈر بار بار یہ کہتے ہیں کہ ہمیں اپنی قدیم تہذیب و ثقافت (تعلیم، زبان و ادب، ڈرامہ، فنون لطیفہ، شاعری، مصوری اور موسیقی) پر فخر ہے۔ ان جھوٹے نعروں کا مقصد شاید عوام کے ذہنوں میں یہ بات بٹھانا ہے کہ ہمارے "سنہرے دنوں" کے قدیم عقائد اور زندگی کی فرسودہ اقدار سے موجودہ دور کی تمام برائیوں کا تدارک ہو سکتا ہے۔

اسی خوبصورت پردے کی آڑ میں عوام کو یہ ماننے پر مجبور کیا جاتا ہے کہ صرف برہمن ہی یعنی وہ لوگ جو برہمن خاندان میں پیدا ہوتے ہیں تمام انسانوں میں دماغی اور جسمانی اعتبار سے افضل ہوتے ہیں۔ وہ لوگ اور ان کے پچھ لگو (وہ لوگ جو برہمن وادی نظام کے تحت غلامی کے طوق اپنے گلے میں ڈالے رکھنا چاہتے ہیں) یہ نصیحت کرتے ہیں کہ "انڈیا" ہندوستان ہے یعنی صرف ہندوؤں کا ہے اور تمام لوگ جو اس ہندوستان میں رہتے ہیں ہندو ہیں۔ اس طبقے کا کہنا ہے کہ یہ تعلق ضروری نہیں کہ مذہبی ہو۔

بدترین دشمنِ حق

انسانوں میں کوئی ایسا ہے جس کی باتیں دنیا کی زندگی میں تمھیں بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں اور اپنی نیک نیتی پہ وہ بار بار خدا کو گواہ ٹھہراتا ہے۔ مگر حقیقت میں وہ بدترین دشمنِ حق ہوتا ہے۔ جب اسے اقتدار حاصل ہوتا ہے، تو زمین پر اس کی ساری دوڑ دھوپ، اس لئے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے کھیتوں کو غارت کرے اور نسلِ انسانی کو تباہ کرے حالانکہ اللہ (جسے وہ گواہ بنا رہا تھا) فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

(البقرہ: ۲۰۴ تا ۲۰۵)

اگر ان کا تعلق کسی اور مذہب سے ہے تو بھی جغرافیائی اور یہاں تک کہ تاریخی بنیاد پر بھی وہ ہندو ہی ہیں۔ مگر اس نظریہ کو بھی توڑ مروڑ کے پیش کیا گیا ہے اور اسے غلط طور پر تحریر کیا گیا ہے

ہمیں اکثر یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ ہم بودھ، مہاویر، کبیر، نام دیو، دیانند، وویکانند، جیوتی با پھولے، بی۔ آر۔ امبیڈکر، اربندو گاندھی اور ٹیگور کی تصانیف کا مطالعہ کریں۔ مگر عوام سے یہ امید رکھنا غلط ہوگا کہ انہیں اتنی فرصت ہوگی کہ وہ ان لوگوں کی تصانیف کا مطالعہ کر سکیں گے اور اگر مطالعہ کر بھی لیتے ہیں تو وہ ان کی تعلیمات کے ضروری حصوں کو بھی یاد رکھیں گے اور بعد میں ان پر عمل کریں گے۔

مذکورہ نظریات پر صرف بحث مباحثہ سے کوئی فائدہ نہیں۔ اتنا تو ہمیں جاننا چاہیئے کہ لاٹھی کا قانون جو کہ استحصال کا مددگار ہے اس کے خلاف چلنا ہی صحیح راستہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ بھی اس بات سے متفق ہوں گے کہ موجودہ دور میں ہندوستانی عوام ہندوستان میں سماجی تبدیلی اور پورے ذات پات کے نظام کو ختم کرکے ذات پات سے پاک سماج قائم کرنے کے لیے کسی انقلاب کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس کا مطلب ہندوازم کی اندھی تقلید کا خاتمہ بھی ہو سکتا ہے وہ ہندوواد جس پر چلنے کی تلقین برہمن پنڈتوں اور یہاں تک کہ غیر برہمن پنڈتوں کے ذریعہ کی جاتی ہے اگر غیر برہمن ایسا کرتے ہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ ذات پات کا خاتمہ نہیں چاہتے۔

آج کے ہندوستان میں بلاشبہ ہندوتو کے مفہوم کو سمجھنے کی اشد ضرورت ہے۔ برہمن وادی نظام کی تمام برائیوں کے وسیع تر تجزیے کی ضرورت ہے جو کہ ہندوستانی سماج کی تمام برائیوں کی جڑ ہے اگر ہم انسانیت کے استحصال کے خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں تو یہ ہمارا ایک بہت بڑا اخلاقی جرم ہوگا۔ سماجی اور سیاسی سطح پر اس سے اچھا کوئی کام نہ ہوگا کہ ہم تہذیب و ثقافت کے نام پر استحصال اور غلامی کے اس غیر محسوس سلسلہ کو متحد ہوکر ختم کر دیں۔

آزادی کے بعد کے زیادہ تر سیاستداں اور سیاسی پارٹیوں نے برہمن وادی نظام ہی اپنایا ہے جس کا مقصد عوام کی اکثریت کو غلام بناکر رکھنا ہے۔ موجودہ حالات کو برقرار رکھنے کا مطلب سیاسی اور اقتصادی حالت کو برقرار رکھنا ہے۔ جس طرح بھی ممکن ہو بار بار اقتدار میں آنے کے لیے انہیں صرف ووٹ چاہیئے۔ وہ ہندوستانی زندگی کے صحیح حالات اور حقائق کو منظر عام پر لانا کبھی برداشت نہیں کرتے۔ اس سلسلے میں برہنہ طاقت اور غنڈہ گردی، ذرائع ابلاغ اور پیسے کی طاقت اس میں وسیلہ بنتے ہیں یہ عناصر یقینی طور پر چاہتے ہیں کہ یہی طاقتیں حکومت کرتی رہیں۔

جس کو "ہندو سماج" کہا جاتا ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟

اگر کوئی شخص حجام، دھوبی، موچی، گوالا، لوہار، بڑھئی کمہار یا گڈریا نہیں ہے تو وہ ہندو نہیں ہے کیونکہ یہ ہمارا اثر ہے لیکن اس کے برعکس بھی ایک ستم ظریفی ہے۔ اٹاوہ ضلع کے پالی گاؤں کی ایک بوڑھی عورت ہم لوگوں کے اس سوال پر کہ اس گاؤں میں کتنے ہندو رہتے ہیں جواب دیتی ہے کہ میں نے لفظ "ہندو" کبھی سنا ہی نہیں ہے البتہ وہ مذکورہ بالا ذاتوں کے نام گناتی ہے جو وہاں آباد ہیں۔

ہر شخص جانتا ہے کہ لفظ ہندو اور ہندوستان، عربی، ترکی اور فارسی زبان کی دین ہیں۔ ہمیں یہ بھی جاننا چاہیئے کہ ہندوستان کی کم از کم دو ہزار سال پرانی تاریخ میں ہندوازم یا "ہندو دھرم" کا تصور نسبتاً حالیہ صدیوں ہی میں ابھر کر سامنے آیا ہے۔ ہندوستان کے زیادہ تر لوگ خود کو ہندو کہلانے کی یا اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ انہیں ہندو کے طور پر تسلیم کیا جانا چاہیئے یا نہیں۔

امیر اور غریب کے درمیان سماجی دوری کو پاٹنے کی کوشش نہیں کی جارہی ہے بلکہ اسے مزید بڑھاوا دینے کی کوشش ہو رہی ہے کیونکہ برسر اقتدار جماعت یہی چاہتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو عوام اپنی غربت افلاس، بیماری اور جہالت سے بے پرواہ رہیں۔ ہندوواد کا رشتہ ان ہی کوششوں اور ان کی مرتکب قوتوں سے ہے۔

اترپردیش کی حکومت نے ۱۰ مارچ ۱۹۷۰ء کو بی۔ آر۔ امبیڈکر کی دو کتابوں کو قابل اعتراض قرار دے کر اترپردیش کی لائبریریوں سے ہٹا دیا تھا۔ ۱۲ ستمبر ۱۹۷۰ء کو ان کی ایک اور کتاب پر بھی پابندی عائد کر دی گئی تھی جس کا نام تھا "حصول وقار کے لیے تبدیلی مذہب"۔ اترپردیش کے للئی سنگھ یادو نے عدالت میں حکومت کے اس فیصلے کو چیلنج کیا تھا۔ ۱۴ مئی ۱۹۷۱ء کو سپریم کورٹ نے یوپی حکومت کے فیصلہ کو کالعدم قرار دے دیا۔ لیکن سپریم کورٹ کے فیصلہ کے باوجود یوپی حکومت اپنی ضد پر اڑی رہی اور ضبط شدہ کتابیں لائبریریوں میں واپس نہیں کیں۔

بنارس ہندو یونیورسٹی کے کچھ شعبوں میں صرف برہمن اساتذہ کی ہی تقرریاں ہوتی ہیں۔ کیونکہ پنڈت مدن موہن مالویہ اس ضابطہ میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں چاہتے تھے۔ اور اسی کی بنیاد پر شیو پرشاد گپتا نے بنارس ہندو یونیورسٹی کی ایگزیکیٹو کونسل کی ممبرشپ سے استعفیٰ دے دیا تھا۔

ہندوستان میں برسر اقتدار جماعت ممبران پارلیمنٹ اور ممبران اسمبلی کو شو پیس کے طور پر استعمال کرتی ہے جو اپنے حامیوں کے ساتھ اپنے مکانوں کی چھت سے گلا پھاڑ پھاڑ کے اعلان کرتے ہیں کہ "ہم ذات پات کے خلاف ہیں" مگر عملی زندگی میں اس کے ٹھیک الٹ چلتے ہیں۔ اس لیے اس ہاتھ کے بارے میں جاننے کی ضرورت ہے جو چمچہ کو پکڑے ہوئے ہیں۔ ان ہاتھوں کو پہچاننے

اور انہیں ناکارہ بنانے کی ضرورت ہے۔

بہار میں جب تعلیم کو لازمی قرار دیا گیا تو بہار اچھوڑ دربھنگہ جو کہ ایک برہمن تھا ایک دستخطی مہم چلائی تھی اور حکومت کو ایک درخواست پیش کی تھی جس میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ تعلیم کو لازمی قرار نہ دیا جائے یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حکمراں طبقات نے کس طرح عوام کو تعلیم سے محروم رکھنے کی کوشش کی تھی اور اب بھی "ہندو توہ" کا نعرہ لگا رہے ہیں۔

کئی پہلوؤں سے مسلمانوں کے مسائل ہندوؤں سے ملتے جلتے ہیں۔ ہندو ذات پات کا نظام مسلمانوں پر بھی اثرانداز ہوا۔ مگر ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف اور مسلمانوں کو ہندوؤں کی مخالفت میں رکھنے کے لیے برسراقتدار طبقہ نے ایک سوچی سمجھی سازش کر رکھی ہے۔ لیڈر جو ہمیشہ دنگا فساد کی اصل وجہ ہوتے ہیں اپنے وسائل واقتدار کے حصار میں محفوظ رہتے ہیں اتنا ہی نہیں وہ تو سڑکوں پر خون کے بہنے سے خوش ہوتے ہیں کہ انہیں بیچ بچاؤ کرانے کا ایک موقع ملے گا۔

عہد مغلیہ کی تاریخی عمارتوں کو ہندوؤں کی طرف منسوب کرنے کی کوشش کچھ اور نہیں بلکہ ہندوؤں کو یہ احساس دلانے کی سازش ہے کہ ماضی میں ان کے ساتھ زیادتیاں ہوئی ہیں۔ یہ الزامات کتنے مضحکہ خیز ہیں کہ تاج محل ایک ہندو رانی کا محل تھا، اور دہلی کی جامع مسجد ایک مندر کو توڑ کر تعمیر کی گئی ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ صرف مضحکہ خیز نہیں ہیں، ان کا ایک مفہوم ہے۔ عوام کی اکثریت میں غلط تفاخر یا مظلومیت کا احساس پیدا کرنا۔ جو کہ فسطائیت کے ہم معنی ہیں۔

ہندوتو پر فخر کرنے کی مہم کا سب سے زیادہ افزا پر داز پہلو اسے اسلام کے پیروکاروں کی "بنیاد پرستی" اور تعصب کے جواب کے طور پر پیش کرنا ہے۔ ذرائع ابلاغ کے ذریعہ ایسی باتیں پھیلائی جا رہی ہیں کہ ہندوؤں کو ان کے ہندو ہونے کے بارے میں بتایا جائے ورنہ ایسے لوگ سرگرم ہیں جو انہیں سکھ، بودھ، مسلمان یا عیسائیوں میں تبدیل کر دیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ عام تاثر یہی دیا جاتا ہے کہ ہندوؤں میں جو لوگ جبر واستحصال کے شکار ہیں ان کی ہندو شناخت نہیں ہے اور ان میں سے ایسی شناخت کے خواہاں بھی نہیں ہیں — جو لوگ یہ باتیں کہتے ہیں ان کو ڈاکٹر بی آر امبیدکر کی یہ بات بھی یاد کرنا چاہیئے کہ میں پیدا ہوا جس پر میرا کوئی اختیار نہیں تھا مگر میں یقینی طور پر ایک ہندو کی حیثیت سے نہیں مروں گا۔ انہوں نے مذہب تبدیل کر کے بودھ دھرم قبول کر لیا تھا۔ اس حقیقت کو تو عموماً چھپایا ہی جاتا ہے مگر وہ ہمارے پہلے وزیر قانون تھے جنہوں نے ہندوستان کا آئین مرتب کیا تھا۔ اسے بھی بہت کم ہی عام آدمی کی نگاہ میں لایا جاتا ہے۔ ایسا کیوں؟ یہ اپنی جگہ خود ظاہر ہے۔

ہندتو کی تحریک کے پھیلاؤ کے اسباب

ڈاکٹر عبدالمغنی

ہندتو کا لفظ اب عام طور پر استعمال کیا جانے لگا ہے اور اس کا ایک مبہم سا مفہوم بھی لوگوں کی سمجھ میں آجاتا ہے، مگر اس کے مضمرات و محرکات سے واقفیت بہت کم لوگوں کو ہے۔ دراصل ہندتو کا تصور بہت پرانا ہے اور ۱۸۵۷ء کے بعد جب برطانوی سامراج نے پورے ہندوستان پر اپنا تسلط قائم کر لیا تو بنگال اور مہاراشٹر کے ہندوؤں کو ۱۸۵۷ء کے بعد ہی سے انگریزوں نے جس طرح مسلمانوں کے خلاف ورغلانا شروع کیا تھا اس کو اب غیر ملکی سامراجیوں نے "تقسیم کرو اور حکومت چلاؤ" کی ایک باضابطہ تحریک کی شکل دے دی۔ اس مقصد کے لئے پورے نظام تعلیم کو بدل دیا گیا اور ملک کی تاریخ مسخ کی جانے لگی۔ اس کے باوجود جب ۱۹۲۰ء میں تحریک خلافت نے غیر ملکی حکومت کے خلاف ترک موالات یا عدم تعاون کی صورت اختیار کر لی تو مہاراشٹر کے فرقہ پرستوں کی حوصلہ افزائی کر کے انھیں بڑھتے ہوئے قومی اتحاد میں تفرقہ اندازی کے لئے آمادہ کیا گیا، ساتھ ہی ملک میں فرقہ وارانہ فسادات کا سلسلہ شروع کرا دیا گیا۔

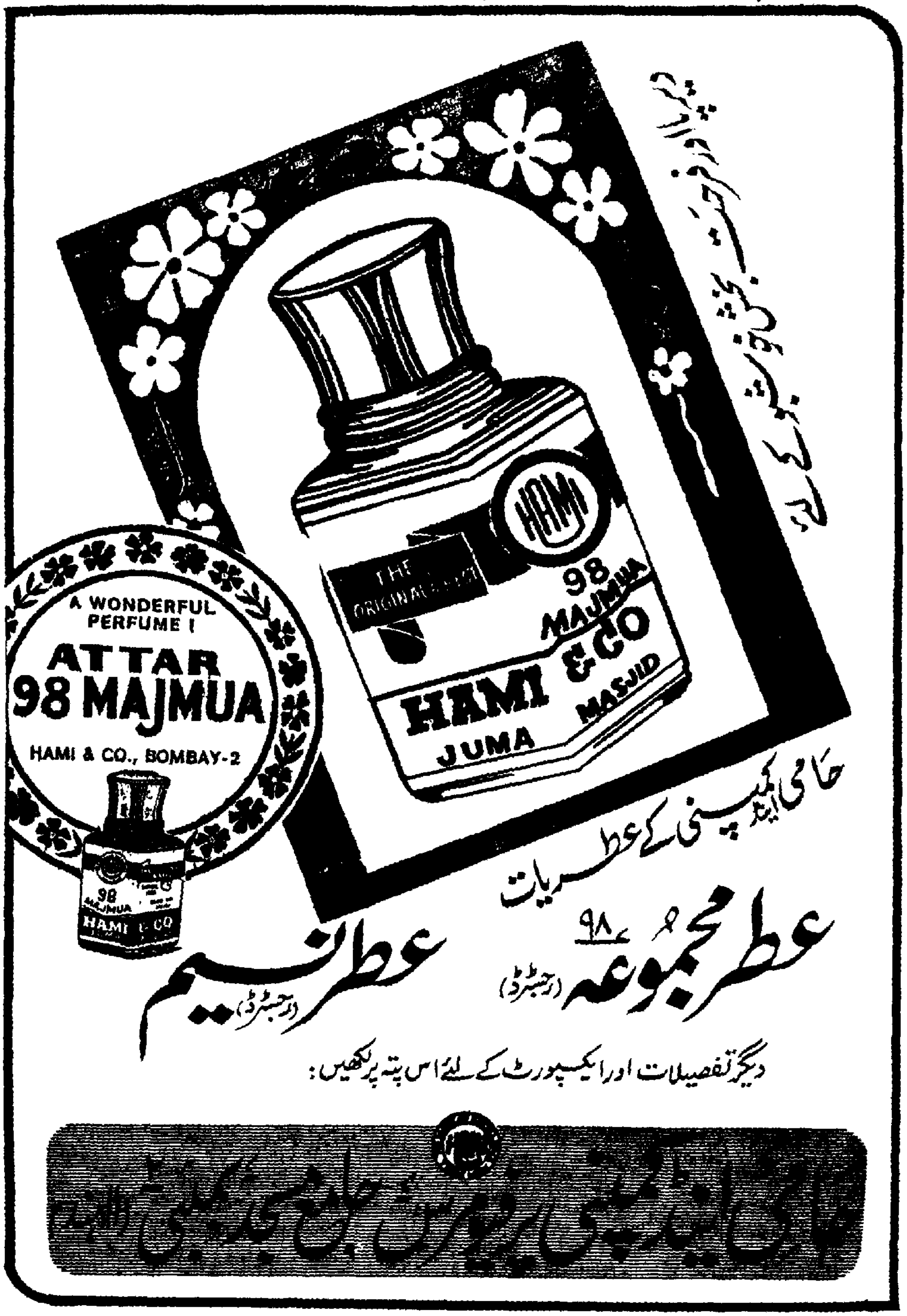
ہندتو کا مطلب

اس تفرقے اور فسادات کے پیچھے جو ذہن کام کر رہا تھا وہ ہندتو کے اس تصور پر مبنی تھا جس کی طرف ہندوؤں کے ایک طبقے کی رہنمائی انگریزوں نے کی تھی۔ ہندتو کا اردو ترجمہ "ہندویت" ہوگا، جس کو ٹھیٹ لفظ میں ہندوپن کہہ سکتے ہیں۔ لیکن یہ ہندویت یا ہندوپن ہے کیا؟ اس کا کوئی صاف جواب نہ تو آر، ایس، ایس کے فلسفیوں کے پاس ہے نہ بی جے پی کے سیاست دانوں کے پاس، اس لئے کہ یہ تصور کسی صاف ذہن کی پیداوار ہے ہی نہیں اور نہ اس کا کوئی مثبت اور تعمیری مقصد ہے۔ ظاہر ہے کہ ہندتو یا ہندویت اصل لفظ ہندو سے ماخوذ اور مشتق ہے، مگر ہندو ہے کون؟ فرقہ پرست ہندو مفکرین اور مبلغین قوم پرستی کا لبادہ اوڑھ کر ہندوستان کے ہر باشندے کو ہندو کہلوانا چاہتے ہیں۔ اب دیکھنا چاہئے کہ بجائے خود لفظ ہندو ایک عربی لفظ ہند سے ماخوذ ہے اور اسی ہند سے فارسی لفظ ہندوستان بنا ہے۔ محققین کا اتفاق ہے کہ قدیم زمانے میں عربوں نے دریائے سندھ کی رعایت سے "الہند والسند" اپنی زبان کے قاعدے پر یکے بعد دیگرے دو الفاظ وضع کئے اور خاص کر الہند سے متعدد ترکیبات بنائیں مثلاً "السیف الہندی" اور "ہندسہ" اس طرح ہندوستان میں مسلمانوں کی کسی بڑی آبادی سے پہلے اور ملک کے ہندوستان بننے سے قبل ہند کا ہر باشندہ ہندو سمجھا جاتا تھا، جس کا ایک خاص دھرم تھا، کلچر تھا، وضع تھی، زبان تھی۔ اس وقت ہندتو کا مفہوم واضح اور معین تھا، لیکن ہندوستان میں مسلمانوں کی مستقل آبادی کے بعد ایک خاص مذہب کے ماننے والے کی حیثیت سے تو ہندو کا ایک معنی باقی رہ گیا، جب کہ تمام باشندگان ملک کے لئے ہندو یا ہندتو کا کوئی مفہوم نہیں رہ گیا اور صدیوں تک عہد وسطی میں ہندی اور ہندوستانی تو ملک کے تمام باشندے کہلاتے رہے، مگر ہندو صرف ایک مذہب کے ماننے والے کہے جاتے رہے اور دوسرے مذہب کے ماننے والے مسلم یا مسلمان کہلاتے رہے، یعنی ہندو کا لفظ ملک کے بجائے مذہب سے منسوب ہو گیا۔ لہذا اب ہندتو یا ہندو کا صرف ایک مطلب معروف و مسلم اور معقول و منطقی ہے یعنی ملک کے پہلانے مشرکانہ مذہب کا شعار اور اس سے وابستہ تشخص۔

ہندتو کی تحریک

اس صورت واقعہ کے مدنظر ہندتو کی تحریک چہ معنی دارد؟ ہندو اپنی جگہ ہندو ہیں اور رہیں، پھر ہندوپن یا ہندتو کی تحریک کیوں چلائی جائے؟ کیا ہندوؤں کو صحیح اور پورے معنوں میں ہندو بنانے کے لئے؟ اگر واقعی ہندتو کا مقصد اس طرح کی اصلاحی تحریک ہو تو بہت اچھی بات ہے اور اس پر نہ تو کسی کو اعتراض ہونا چاہئے نہ تشویش۔ یہ ایک خالص مذہبی اور اصلاحی تحریک ہوگی، جس کا تعلق صرف ہندوؤں کی بہتری اور کردار سازی سے ہوگا۔ لیکن حقیقت یہ نہیں معلوم ہوتی۔ آج ہندتو کا جو چرچا خود ہندتو کے علم برداروں کی طرف سے ہو رہا ہے وہ بالکل سیاسی ہے اور اس کا تعلق صریحاً اقتدار کی سیاست سے ہے۔ اب بی جے پی قبیلے کے ہاتھوں تو محض پارٹی اور پاور پالٹکس کا ایک فرقہ وارانہ بلکہ جارحانہ اشو ہے، جس کا واحد مقصد ہندوؤں کے فرقہ پرستانہ جذبات بھڑکا کر ان کے ووٹ حاصل کرنا اور نتیجتاً اقتدار پر قبضہ جمانا ہے، تاکہ مسلمانوں سے من گھڑت تاریخی شکایتوں کا انتقام لیا جائے اور ہو سکے تو بھارت کی پوتر بھومی، ملیچھ، مسلمانوں سے پاک کر دی جائے۔

یہ برطانوی سامراج کا پڑھایا ہوا وہ پرانا سبق ہے جو ۱۹۲۰ء سے چلنے والی عوامی قومی تحریک آزادی کا راستہ روکنے کے لئے تصنیف کیا گیا تھا اور جس نے ہی صحیح معنوں میں دو قومی نظریے کا بیج ملک کی سیاست میں بویا



HAMI
THE ORIGINAL
98 MAJMUA
HAMI & CO
JUMA MASJID
A WONDERFUL PERFUME !
ATTAR 98 MAJMUA
HAMI & CO., BOMBAY-2
حامی اینڈ کمپنی کے عطریات
عطر مجموعہ ۹۸ (رجسٹرڈ)
عطر نسیم (رجسٹرڈ)
دیگر تفصیلات اور ایکسپورٹ کے لئے اس پتہ پر لکھیں:
حامی اینڈ کمپنی پرفیومرس جامع مسجد بمبئی

تھا۔ آج وہی سبق ملک کی قومی یک جہتی کو پارہ پارہ کرنے کے لئے دہرایا جارہا ہے۔ ۱۹۴۷ء میں فرقہ وارانہ بنیادوں پر ملک کی تقسیم کی تجویز دراصل بی جے پی کے پیش روؤں نے رکھی تھی۔ اب آزادی کی کئی دہائیوں کے بعد ہندتو کا نعرہ لگاکر ہندو فرقہ پرست کیا حاصل کریں گے؟ ایک خیال ہندو فرقہ پرستوں کا یہ ہے کہ غیر فرقہ پرست پارٹیاں مسلسل مسلم نوازی سے کام لے رہی ہیں، لہٰذا ہندوؤں کے مفادات کے تحفظ کے لئے ہندتو کی تحریک ضروری ہے، تاکہ ہندو بیدار ہوکر اپنے حقوق ضروری ہو تو بزور بازو چھین لیں اور مسلمانوں کو جو مراعات ہندو فرقہ پرستوں کے گمان میں مل رہی ہیں ان کا خاتمہ کردیں۔ یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے، اس لیے کہ تمام تحقیق شدہ اور تسلیم کردہ اعداد و شمار ثابت کرتے ہیں کہ آزادی کے بعد یا پہلے بھی کسی حکومت نے مسلم نوازی کا کوئی کام نہیں کیا ہے، نہ مسلمانوں کو کوئی مراعات دی ہیں اور نہ ہندوؤں کے مفادات کو کوئی نقصان پہنچایا ہے بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ مسلمانوں کے بنیادی دستوری حقوق اور ان کی آئینی آزادیوں تک پر حملے کئے گئے ہیں، حد یہ ہے کہ ان کی جان و مال وآبرو اور زبان وتہذیب نیز عقیدہ ومعاشرت کا کما حقہ تحفظ نہیں کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کی تعلیمی ومعاشی فلاح کا کوئی قابل ذکر کام نہیں کیا گیا ہے۔

ایسی حالت میں ہندتو تحریک کا نشانہ کیا ہے؟ اجودھیا میں جس ہولناک اور دردناک طریقے سے بابری مسجد مسمار کردی گئی وہ اس سوال کا کافی جواب ہے۔ جب ہندتو کے علم بردار ایک پانچ سو سالہ تاریخی مسجد کو بھی، جو ایک قومی یادگار کی حیثیت رکھتی تھی، برداشت نہیں کرسکے اور اس کے بعد بھی بنارس اور متھرا کی مسجدوں کو مسمار کرنے کی باتیں کرتے رہے ہیں، تو ہندتو کا مفہوم ایک نازی قسم کی جارحانہ فسطائیت کے سوا کیا ہوسکتا ہے؟ جو لوگ مسلم پرسنل لا کو گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، جنھوں نے قرآن مجید کے خلاف مقدمہ بازی کی کوشش کی اور جو ملک کی مقبول ترین زبان اردو کو قتل کرنے میں لگے ہوئے ہیں ان کی ہندویت ظاہر ہے کہ فقط ایک تحریک ہے مسلمانوں کی شدھی کرنے کی، ہندوستان کی تاریخ سے ان کے تمام تہذیبی آثار مٹادینے کی اور ان کا ملی وجود، ان کی مستقل شناخت ختم کردینے کی۔ یہ جارحانہ ہندتو ایک ایسی جنگ جوئی اور جنگ بازی کی پرتشدد اور خوں ریز تحریک ہے جس کا پہلا مظاہرہ ایک زبردست خانہ جنگی کی صورت میں ہوگا، پھر اکھنڈ بھارت کے لیے ایک تباہ کن علاقائی جنگ کی شکل میں اور اس کا آخری نتیجہ نازی جرمنی کی طرح ہندوستان کی مکمل بربادی کے طور پر رونما ہوگا۔

پھیلاؤ کے اسباب

عہد وسطیٰ کے مسلم دور حکومت میں ہندوستان کے اندر فرقہ پرستی نام کی کوئی چیز نہیں تھی، اس لئے کہ مسلم حکمرانوں نے کبھی ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی امتیاز نہیں کیا، نہ تو مسلم فاتحین فرقہ پرستانہ مذہبیت کی بنیاد پر ہندوستان میں آئے نہ ہندو راجاؤں اور سرداروں سے مسلم سلطانوں اور نوابوں کی جنگ کسی مذہبی محرک کے تحت ہوئی، جب کہ خود مسلم مغلوں کی جنگ مسلم افغانوں سے ہوئی اور حد یہ ہے کہ مسلم بادشاہوں اور ہندو راجاؤں کی لڑائیوں میں دونوں طرف کی فوجوں میں بیک وقت ہندو اور مسلم دونوں فرقوں کے سپاہی ہوا کرتے تھے، اس کے علاوہ ہندو ومسلم دونوں کی حکومتوں میں دونوں فرقوں کے اعلیٰ وادنیٰ حکام و روٴسا ہوتے تھے۔ اس سے زیادہ "سیکولر" راج نہ انگریزوں کے زمانے میں تھا نہ آزادی کے بعد آج تک سامنے آیا۔

اس حقیقت کے باوجود موجودہ دور میں ہندتو کے پھیلاؤ کے اسباب کی جستجو کی جائے تو حسب ذیل واقعات کا سراغ ملتا ہے:

ایک انگریزوں نے اپنے عہد حکومت میں ہندوستانیوں کو حقوق دینے کے لئے جو قانونی اصلاحات کیں ان میں عددی اکثریت اور اقلیت کا فرق ملحوظ رکھا اور ساتھ ہی درس گاہوں میں وسیع پیمانے پر سیاسیات کا جو سبق پڑھایا اس میں جمہوریت کا آئیڈیل ایک ایسے طرز حکومت کے طور پر پیش کیا جس میں "بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے"۔ اب ہندو چونکہ مذہبی اعتبار سے اکثریت میں معلوم ہوتے تھے، حالاں کہ ان کے اندر بے شمار فرقے اس اکثریت کو ایک موہوم تصور ثابت کرتے ہیں، لہٰذا سیاست دانوں نے صرف اقتدار کی ہوس میں اکثریت اور اقلیت کا تفرقہ کھڑا کردیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے بڑے حصے میں مسلمان اقلیت سمجھے جانے لگے اور ہندوؤں نے اپنے آپ کو اکثریت سمجھنا اور کہلانا شروع کردیا۔ اکثریت واقلیت کی اس تفریق نے ہندوستانیوں کے ذہن تقسیم کردیے اور اسی ذہنی تقسیم سے ہندو فرقہ پرستوں نے فائدہ اٹھاکر جمہوریت کے نام پر کسی نہ کسی شکل میں ہندتو یا ہندویت کی اشاعت بتدریج شدت و وسعت کے ساتھ شروع کردی۔ یہی وجہ ہے کہ تحریک آزادی کے دوران میں ۱۹۲۰ء کے آس پاس فرقہ وارانہ اتحاد کے زبردست مظاہرے کے فوراً بعد فرقہ وارانہ فسادات کا سلسلہ شروع ہوگیا جس کے نتیجے میں ایک فرقہ وارانہ کشیدگی ہندوستان

محنت بھی عبادت

کعب بن عجرہ کہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک آدمی گزرا، (یہ محنت مزدوری کے لئے جا رہا تھا) آپؐ کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں نے اس کی محنت اور سرگرمی کو دیکھ کر کہا "اے اللہ کے رسولؐ" اگر اس کی دلچسپی اور سرگرمی اللہ کی راہ میں ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا، آپؐ نے فرمایا اگر وہ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کی پرورش کے لئے دوڑ دھوپ کر رہا ہے تو یہ اللہ کی راہ ہی میں شمار ہوگی، اور اگر بوڑھے والدین کی پرورش کے لئے کوشش کر رہا ہے تو یہ بھی اللہ کی راہ ہی میں شمار ہوگی، اور اگر اپنی ذات کے لئے دوڑ دھوپ کر رہا ہے اور مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانا نہ پڑے تو یہ بھی اللہ کی راہ میں شمار ہوگی اور اگر اس کی کوشش کا مقصود یہ ہو کہ لوگوں پر مالی برتری جتلائے، لوگوں کے سامنے اپنی تونگری کی نمائش کرے تو اس کی یہ ساری محنت شیطان کی راہ میں شمار ہوگی۔

(المنذری بحوالہ طبرانی)

کا مقدر بن گئی اور بالآخر ۱۹۴۵ء کے قریب سیاسی سطح پر فرقہ وارانہ کشمکش اتنی شدت اختیار کر گئی کہ ملک کی تقسیم کا راستہ ہموار ہوگیا۔

دو۔ اس فضا میں برطانوی سامراج نے جس طرح فرقوں کو تقسیم کر کے حکومت کی تھی اسی طرح ملک کی فرقہ وارانہ تقسیم اس انداز سے کی کہ ہندو مسلم تفرقہ بجائے ختم ہونے کے اور بڑھ جائے بلکہ روز بروز بڑھتا جائے۔ اسی مقصد کے لئے آخری برطانوی وائسرائے ماؤنٹ بیٹن نے ایک طرف تو بلا وجہ جلدی کر کے مقررہ مدت سے مہینوں پہلے ۱۹۴۸ء کے بجائے ۴۷ ہی میں منقسم آزادی کا پروانہ جاری کر دیا، جب کہ دوسری طرف اس نے ریڈ کلف پر غلط طریقے سے دباؤ ڈال کر ہندوستان اور پاکستان کے درمیان سرحدوں کی لکیر اس طرح کھنچوائی کہ دونوں ملک اور دونوں فرقے برابر ایک دوسرے سے لڑتے رہیں۔ چنانچہ آزادی کی صبح سے جو فرقہ وارانہ خوں ریزی شروع ہوئی وہ آج تک جاری ہے اور اس کے ختم یا کم ہونے کے آثار نظر نہیں آتے۔ اس صورت حال سے پورا پورا فائدہ مسلم دشمن ہندتو کے علمبرداروں نے اٹھایا۔ ورنہ آزادی کے بعد آر، ایس، ایس، بی، جے، پی وشو ہندو پریشد اور بجرنگ دل کے وجود کا کوئی جواز باقی نہیں رہ گیا تھا۔ آخر ہندوؤں کی یہ ساری جنگ جو تنظیمیں کس کے خلاف جنگ کی تیاریاں اور کارروائیاں کر رہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کی ساری ترک تازی صرف مسلمانوں کے خلاف ہے یعنی یہ ہندتو کو ملک میں بزور بازو پھیلا رہی ہیں۔

تین۔ آزادی کے فوراً بعد حکومت میں ایسے عناصر اعلیٰ سطح پر نمایاں ہوئے جنھوں نے ملک کی داخلی پالیسی میں امتیاز برتے جانے کا مہے کر مسلمانوں کے خلاف تعصب کا بازار گرم کیا۔ ان میں سب سے آگے حکومت ہند کے وزیر داخلہ سردار پٹیل تھے اور ٹھیک انہی کے نقش قدم پر چلنے والے ملک کی سب سے بڑی اور اہم ریاست اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ گوبند ولبھ پنت۔ وزارتوں کے متعصبانہ رویے کا اثر ظاہر ہے کہ دفتر شاہی پر بھی پڑا، خواہ وہ سول ہو یا پولیس۔ اسی ماحول میں ہندتو کے علم برداروں نے بابری مسجد کا وہ قضیہ کھڑا کیا جس نے ۶/دسمبر ۱۹۹۲ء کو ہندوستان کی جدید تاریخ کا سیاہ ترین دن بنا دیا۔ اسی فضا میں جب دستور ہند منظور ہوا تو ہندوستانی کے متعلق ۱۹۳۸ء کے قومی معاہدے کی خلاف ورزی کر کے دیوناگری ہندی کو صرف اس لئے ملک کی آئندہ سرکاری زبان بنانے کا فیصلہ کیا گیا کہ ہندوستان کی مقبول ترین زبان، اردو کو اس کے جائز حق سے محروم کر دیا جائے۔ اور اس ناانصافی کے پیچھے جو ذہنیت کام کر رہی تھی وہ سراسر مسلم دشمن تھی، اس لئے کہ زبان زمانۂ دراز سے فرقہ وارانہ اتحاد اور قومی یک جہتی کی علامت بنی ہوئی تھی اور آزادی کی پوری لڑائی اسی کے نعروں اور ترانوں سے لڑی گئی تھی۔ اس طرح آزاد ہندوستان میں "ہندو، ہندی، ہندوستان" کا وہ مثلث قائم ہوگیا جو ہندتو تحریک کی تین مورتی ہے۔

چار۔ آزادی کے بعد مسلمانوں کی کوئی ایسی منظم قیادت نہیں ابھر سکی جو منفی ہندویت کے مقابلے میں مثبت اسلامیت کی ایک مدبرانہ تحریک چلاتی اور سیاسی سطح پر مسلمانوں کے آئینی حقوق کے تحفظ کے ساتھ ساتھ سماجی سطح پر عام قومی و انسانی مسائل کے حل کے لئے غیر مسلموں کے سامنے اسلام کے آفاقی پیغام رحمت کی حقیقی تصویر اور عملی تعبیر پیش کرتی۔ بجائے اس کے کہ یا تو پرانی سیاسی کشمکش کو جاری رکھتی یا محض مراعات طلبی کو اپنا وطیرہ بنا لیتی (یہ بات پوری طرح درست نہیں ہے۔ آزادی کے فوراً بعد کم از کم ایک جماعت یہ کام عین ان خطوط پر کرنے کے لئے اٹھی جن کی نشاندہی ڈاکٹر صاحب مرحوم نے فرمائی ہے۔ اس ذیل میں جو شکایت کی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ علمائے کرام، دیگر مسلم تنظیمیں اور مسلم دانشوران کی جانب سے اسے خاطر خواہ تعاون نہ مل سکا جس کی کہ وہ حقدار تھی اس لئے وہ بڑے پیمانے پر مسلمانوں کو اس کام کے لئے تیار نہ کر سکی۔ ایڈیٹر) مسلمانوں میں مثبت، تعمیری اور اقدامی قیادت کا یہ فقدان ۱۹۵۸ء میں مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد بالکل نمایاں ہوگیا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے عدم تدبر کی انتہا یہ ہوئی کہ ان کی نمائندگی کا دعویٰ کرنے والوں نے بابری مسجد کے وجود کی اظہر من الشمس حقیقت۔ کبھی نہ صرف حکومت بلکہ ہندتو کے علمبرداروں سے بھی ایک مدت تک گفت و شنید کی۔ مسلمانوں کی نمائندگی کا دعویٰ کرنے والوں کی اس نادانی سے ہندتو کے علمبرداروں کے حوصلے اتنے بڑھ گئے کہ بالآخر انھوں نے منصوبہ سازی کر کے مسجد کو شہید کر دیا۔ اس الم ناک سانحے سے ہندوستانی سیکولرزم، نیشنلزم اور ڈیموکریسی کا پول کھل گیا اور بھرم ٹوٹ گیا۔

اب بروقت چند ریاستوں میں فسطائیت بمقابلہ جمہوریت کی انتخابی لڑائی اس شان سے چھڑی ہوئی ہے کہ سیکولر ڈیموکریسی کی دعویدار پارٹیوں کے درمیان انتشار ہے اور کمیونل فاشزم کی ہندتو قوت متحد ہے۔ ملک کا مستقبل داؤ پر لگا ہوا ہے۔ موجودہ انتخابات کے جو بھی نتائج ہوں گے ان کا اثر براہ راست، اور بلا تاخیر پوری جمہوریہ ہند پر پڑیگا پھر ایک انتخاب عام ایک مدت کے لئے ملک کے مقدر کا فیصلہ کر دیگا

○○

ہندتو اور ہندوستانی سیکولر لیڈرشپ

یاس منصوری

کیا ہندوستان میں کبھی سیکولرازم قائم بھی تھا۔؟ اور کیا ہندوستان کے کچھ لیڈر سیکولرنیشنلسٹ تھے اور کچھ نہیں تھے؟ لیکن جو لوگ نیشنلسٹ تھے، ان کے نزدیک نیشنلزم سے مراد کیا تھی؟ یا پھر یہ سب تصنع اور لفاظی تھی تاکہ اصل امنگوں کی پردہ دری کی جاسکے اور اختلاف رائے کی تکذیب کرنا آسان ہو؟ وہ کون سی تاریخی طاقتیں تھیں جنھوں نے لوگوں کو مجبور کیا تھا کہ وہ اس طرح کا مبہم رویہ اپنائیں؟

ایک بات تو بالکل واضح ہے کہ کسی فرد کو مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ صرف دوسروں کے دباؤ میں آکر اپنی زندگی کا رخ بدل ڈالے۔ اسی طرح ہر شخص کی یہ آزادی بھی مسلم ہے کہ وہ اپنے خوابوں کے ہندوستان کی تعمیر میں کوشاں رہے۔ لیکن کیا یہ بات جائز اور مناسب ہوگی کہ کسی ایک مخصوص تصور، مثال کے طور پر، ہندتو کی تعبیرات کے مطابق پوری ریاست کو ڈھالنے کے لئے سرکاری پروگرام چلائے جائیں اور نام ان کا سیکولرزم یا نیشنلزم رکھ دیا جائے۔؟

یہ سوالات کافی اہم ہیں، اس لحاظ سے بھی اہم ہیں کہ ہندوستان آج جس پوزیشن میں پہنچا ہے، اس کو اس پوزیشن میں پہنچانے والے اسباب کی نشاندہی ان کے ذریعے کی جاسکتی ہے۔ لیکن سوالات کی بحث میں الجھنے کی بجائے ہم یہاں پر مشہور و معروف ہندوستانی قومی لیڈروں کی بعض شہرۂ آفاق کتابوں کے بعض اقتباسات اور بعض بیانات کو نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

اینی بیسنٹ

میں نے ایک بار انگلینڈ میں کہا تھا، "ہندوستان کی وفاداری کی شرط ہے، ہندوستان کی آزادی"۔ اب اس میں اتنا اضافہ اور کرسکتی ہوں: "برطانوی سامراج کے لئے ہندوستان کی افادیت برقرار رکھنے کی شرط ہے، ہندوستان کی آزادی۔"

۱۸۹۴ء میں انھوں نے ہندوستانیوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا: "اگر آپ جو انسان کے مرنے جینے کی آخری امید ہیں، اپنے راشٹریہ کلچر سے دستبردار ہوجائیں تو پھر آپ کا یہ الحاد ساری دنیا کے تئیں غداری ہوگی۔" [۸]

[۱۸۹۵ء تک انھوں نے سنسکرت کی مہارت حاصل کرلی تھی۔ ۱۸۹۸ء میں انھوں نے بنارس میں سینٹرل ہندو کالج شروع کیا جو ۱۹۱۷ء میں بنارس ہندو یونیورسٹی کے قیام کی بنا بن گیا۔ ۱۹۱۴ء میں انھوں نے سینٹرل ہندو اسکول برائے طالبات قائم کیا اور ۱۹۱۷ء میں خواتین کی انڈین ایسوسی ایشن۔ ان کے قائم کردہ دیگر ادارے ہیں: تھیوسوفیکل آرڈر آف سروس / دختران و ابنائے ہند / نوجوانو کی انڈین ایسوسی ایشن۔ ۱۹۰۷ء میں وہ تھیوسوفیکل سوسائٹی آف انڈیا کی صدر بنیں اور اس طرح ہندوستانی سیاست میں سرگرم ہوئیں۔ اینی بیسنٹ نے انڈین بوائے اسکاوٹ کے لئے مدراس میں گوکھلے ہال عطیہ میں دیا تھا۔ ستمبر ۱۹۱۶ء میں ان کی "ہوم لیگ" کا افتتاح ہوا۔ بہت سے نوجوان ہندوستانی مثلاً جواہر لال نہرو نے سیاست کے اولین اسباق اسی لیگ کی ذمہ دارانہ خدمات انجام دینے کے دوران سیکھے تھے۔ دسمبر ۱۹۱۷ء میں کانگریس کے کلکتہ اجلاس کی صدارت کی تھی۔ وہ گاندھی کے عدم تعاون تحریک کی مخالف تھیں]

بال گنگا دھر تلک

تلک کا یہ نظریہ کہ "آزادی ایک فرد کا پیدائشی حق ہے"، اس کی جڑیں ویدانت کی مابعدالطبعیات میں نظر آتی ہیں۔ کیوں کہ ان کا اعلان یہ بھی ہے کہ "آزادی ہی نفس کی حیات ہے جو کہ خدا کے مثل ہے"۔ [۲]

تلک کہتے ہیں: "مذہبی فلسفہ میں جس کو آتما کہا جاتا ہے، اسی کو علم السیاسیات میں آزادی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ آتما —— ہر جگہ موجود ہے۔ اس کو پنر جنم کی ضرورت نہیں لاحق ہوتی —۔ اسی طرح آزادی کی محبت بھی ہر دل میں پائی جاتی ہے اور میں تو صرف آپ کے اندر اس کے وجود کا احساس بیدار کررہا ہوں۔"

اسی طرح تلک نے سیاسی آزادی کے اپنے نظریہ کی تشکیل قدیمی ہندی آئیڈیلزم کی بنیاد پر کی۔ [۲]

تلک لکھتے ہیں: گیتا، رامائن اور مہابھارت کا مطالعہ پورے ملک میں ایک ہی جیسے خیالات کی پرورش کرتی ہیں۔ کیا ویدوں، گیتا اور رامائن کے تئیں ہماری مشترک وفاداریاں کیا ہمارا مشترکہ ورثہ نہیں ہیں؟ اگر ہم اپنے مختلف فرقوں کے چھوٹے موٹے اختلافات کو فراموش کرکے اس بات پر زور دیں تو بھگوان کی کرپا سے ہم تمام فرقوں کو جلد ہی ایک راشٹرا میں متحد کرنے کے قابل ہوجائیں گے۔

"آئیے ہم متحد ہوجائیں اور اپنے سناتن دھرم کی تبلیغ کریں۔ آئیے

ہم پھر سے ایک راشٹرا بنائیں، ایک عہد کو مشکل کریں اور پوری دنیا کو آریائی بنائیں۔" [۷]

موہن داس کرم چند گاندھی

میں اپنے کو سناتنی ہندو کہتا ہوں، کیونکہ ——

(۱) میں ویدوں، اُپ نشدوں اور پرانوں اور ان تمام چیزوں پر ایمان رکھتا ہوں جنھیں ہندو مذہبی کتب کہا جاتا ہے۔ چنانچہ میں اوتاروں اور پنر جنم پر بھی ایمان رکھتا ہوں۔

(۲) میں ورن آشرم پر ایمان رکھتا ہوں، اس معنی میں جو میری نظر میں ویدک عہد اس سے مراد لیا جاتا تھا، آج کے مقبول اور بھدّے معنی میں نہیں۔

(۳) میں گائے کے تحفظ پر ایمان رکھتا ہوں، اس کے وسیع تر معنی میں۔

(۴) ایسا بھی نہیں ہے کہ میں بت پرستی پر ایمان نہ رکھتا ہوں [۴]

برہمن اگرچہ انسانی خاندان کے دیگر ممبران کی طرح برہمنیت کے بالکل صحیح نمائندے نہیں ہیں۔ تاہم میں یہ ایمان رکھتا ہوں کہ دنیا کے تمام طبقات میں برہمنوں میں ہی ایسا نظر آئے گا کہ ان کی سب سے بڑی فی صد تعداد نے علم یعنی حق کی تلاش میں اپنا سب کچھ تج دیا ہے۔ میں ہندو ازم کے سوا ایسے کسی نظام سے واقف نہیں ہوں جس کے تحت ایک پورے طبقہ کو نسلاً بعد نسلٍ تلاش علم کی خاطر باقی سب سے الگ (سنیاس میں) رکھ دیا گیا ہو اور اختیاری فقر کا پابند بنا دیا گیا۔ اگر برہمن اپنا وہ اعلیٰ معیار برقرار نہ رکھ سکے جو ان پر لاگو کیا گیا تھا تو یہ کوئی خاص انہی کا قصور نہیں ہے۔ ان کی خامیوں سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ بھی اتنے ہی زوال پذیر ہو سکتے تھے جتنا کہ باقی نسل انسانی [۴]

"میرا ہندو ازم فرقہ پرور نہیں ہے۔ اس میں اسلام، عیسائیت، بودھ مت اور دین زرتشت، سب کی بہترین باتیں شامل ہیں۔

(حال میں شنکر اچاریہ نے سناتن دھرم کی یہی تعریف بیان کی ہے)

سچائی Truth میرا مذہب Religion ہے اور صرف عدم تشدد ہی اس کے حصول کا ذریعہ ہے —— اگر مجھ سے ہندو عقیدہ کی تعریف و تشریح کرنے کے لئے کہا جاتا تو میں بآسانی کہہ دیتا: "عدم تشدد کے ذریعہ سچائی کی تلاش —— اگر ہندو ازم نے مجھے ناکام کر دیا ہوتا تو میرے لئے اپنی زندگی بوجھ بن جاتی۔" [۹]

پنڈت جواہر لال نہرو

یہ بات مجھے ہمیشہ نہایت شاندار اور متاثر کن معلوم ہوئی ہے کہ ایک انسان ذہنی اور روحانی بلندیوں پر چڑھے اور پھر دوسروں کو اٹھائے، بجائے اس کے کہ وہ کسی الوہی یا برتر قوت کا ترجمان ہو جائے۔ بانیان مذاہب میں سے کچھ حیرت انگیز افراد تھے لیکن میری نظروں میں ان کی تمام توانائی کافور ہو جاتی ہے جب میں ان کو ایک انسان کی حیثیت سے دیکھنا بند کر دیتا ہوں۔ جو چیز مجھے متاثر کرتی ہے اور میری ہمت بندھاتی ہے، وہ ہے ایک انسان کا ذہنی و روحانی ارتقاء، نہ کہ اس کا وہ وجود جو پیغامبری کے لئے ایجنٹ بتایا جاتا ہے۔ [۵]

جب تک قدیم عقائد اور فلسفے اپنی غالب حیثیت میں ایک نظام حیات اور نظریۂ عالم تھے، وہ بڑی حد تک ہندوستانی تہذیب کے ہم معنیٰ تھے لیکن جب طرح طرح کے مراسم اور تقاریب کے ساتھ ایک زیادہ سخت گیر مذہب نے نشوونما پکڑی تو یہ اس مشترکہ کلچر میں افراط و تفریط کا مظہر بن گیا۔ ایک عیسائی یا ایک مسلمان اپنے قدامت پسند عیسائی یا مسلم عقیدہ پر قائم رہتے ہوئے بھی ہندوستانی نظام حیات اور ہندوستانی کلچر کو اختیار کر سکتا ہے اور اکثر ایسا ہوا بھی ہے۔ اس نے اپنا بھارتی کرن کر لیا ہے اور اپنا مذہب بدلے بنا ہندی بن گیا ہے ——

ہم اپنی تہذیبی روایات کے لئے خواہ کوئی بھی لفظ استعمال کریں، انڈین، ہندی یا ہندوستانی، ہم اپنے ماضی میں یہ دیکھتے ہیں کہ ہندوستانی نظریات فلاسفہ کی بنیاد پر (دوسروں کو) انگیز کر لینے کی اندرونی بے تابی ہندوستانی تہذیب و نسل کی ترقی کی غالب خصوصیات رہی ہے۔ بیرونی عناصر کا ہر حملہ اس تہذیب کے لئے ایک چیلنج رہا ہے اور اس تہذیب نے ایک نئے مشترکہ کلچر کی تشکیل اور انگیز کر لینے کے عمل کے ذریعے اس چیلنج کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ کیا ہے۔ یہ اس کی حیاتِ نو کا عمل بھی رہا ہے جس سے ایک نئے کلچر کے شگوفے کھلے ہیں لیکن اس کا پس منظر اور لازمی اساس بہر حال ہمیشہ ہی حسب سابق رہی ہے۔ [۵]

ہندوستان میں اسلام کا داخلہ بعض دقیانوسی اور رجعت پسندانہ اثرات کا سبب بنا لیکن اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس نے قدیم و جدید کے امتزاج سے ایک نیا مرکب تیار کرنے کے قدیم ہندوستانی عمل کو پھر سے تازہ کر دیا۔ اسلام نے ہندوستان پر گہرے اثرات ڈالے اور برابر سے متاثر بھی ہوا۔ یہ تبدیلی طرز تعمیرات، موسیقی، عوام کی خوراک، ملابس اور اس سے بھی زیادہ ان کی زبان میں نمایاں تھی۔ ہندی یا ہندوی کے نام سے ایک نئی زبان مقامی بولیوں پر فارسی کے تعامل کے ذریعہ رواج میں آئی۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں مثلاً جنوب میں رامانند، شمال میں نانک اور کبیر جیسے بہت سے پیر (فقیر) ابھر آئے جنھوں نے ایک نئی مرکب و مشترک ہندی الاصل فطرت کو مشخص کیا۔ [۵]

وَلّبھ بھائی پٹیل

"قرطاس ابیض (رائٹلی پالیسی) میں جو زبان استعمال کی گئی ہے، اس سے مسلم علیحدگی پسندی کی حوصلہ افزائی ہو رہی ہے۔" پٹیل کا بھی یہی خیال تھا ——

۸ مارچ کو کانگریس ورکنگ کمیٹی نے تقسیم پنجاب کا مطالبہ کیا۔

گاندھی نے نہرو اور پٹیل سے وضاحت طلب کی تو پٹیل نے لکھا: "آپ سے پنجاب ریزولیشن کی وضاحت کرنا مشکل ہے۔ یہ انتہائی گہرے سوچ بچار کے بعد منظور کیا گیا تھا۔ جلد بازی یا بنا سوچے سمجھے کچھ بھی نہیں کیا گیا ہے۔ اخبارات کے ذریعہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ نے اس کی مخالفت کی ہے لیکن بلاشبہ آپ کو اختیار ہے کہ آپ جو ٹھیک سمجھیں کہتے رہیں ——

پٹیل نے (۱۹۴۵ء میں شملہ کانفرنس کے بعد) مایوس ہو کر بیان دیا: "ہم کو یہاں شملہ تک کس غرض سے بلایا گیا تھا؟ صرف یہ بتانے کے لئے کہ جناح کے تعاون کے بغیر کچھ بھی حاصل نہ ہو سکے گا" ——

(۱۹۴۶ء میں) انھوں نے بمبئی سے کراچی جانے سے قبل گووند بلبھ پنت کو لکھا: "سندھ کے انتخابات بہت حوصلہ افزا ثابت ہوئے ہیں اور اگر اس صورت حال کو ٹھیک طرح سے استعمال کیا گیا تو ہم اس صوبے میں پاکستان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن کر سکتے ہیں" —— اس سے قبل وہ پنت کو لکھ چکے تھے: "مولانا (ابوالکلام) صاحب ذاتی طور پر وہاں جانے پر اصرار کر رہے ہیں ...... آپ جانتے ہیں کہ وہ کس طرح معاملات سے نمٹتے ہیں"

سندھ کے بعد پٹیل کو اواخر فروری میں لاہور جانا تھا۔ انھوں نے یہ ارادہ ترک کر دیا اور آزاد سے کہا: "میرا خیال ہے کہ میرے لاہور جانے سے تمھیں پریشانی ہوگی، لہذا میرا خیال ہے کہ میں نہ جاؤں تو ہی بہتر ہے" لیکن اس کے ساتھ ہی انھوں نے گاندھی سے شکایت کی: "میرے لئے یہ مشکل ہوتا جا رہا ہے کہ میں مولانا کا ساتھ نبھاتا رہوں۔ ان کا رویہ ایک مطلق العنان فرماں روا جیسا ہوتا جا رہا ہے"

دسمبر ۱۹۴۶ء تک پٹیل نے وی پی مینن کے اس خیال سے اتفاق کرنا شروع کر دیا تھا کہ: "ہندوستان کو تقسیم کرنا اس سے بہتر ہے کہ خانہ جنگی کی طرف بڑھا جائے" [۶]

ایس رادھا کرشنن

ہمارے ملک کے عظیم ادب عالیہ Classics نے اپنے عوام پر ایسا ہی تعلیمی اثر ڈالا ہے۔ جب ہم مشکلات میں ہوتے ہیں، مصائب میں ہوتے ہیں، ہم ان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہ ہمیں روحانی سکون دیتے ہیں۔ ان سے ہمیں صرف روشن خیالی ہی نہیں حاصل ہوتی بلکہ وہ ذہنی تسکین بھی دیتے ہیں۔ رامائن، مہابھارت، کالیداس کی تخلیقات —— یہ سب ہمیں نمونے بہم پہنچاتی ہیں کہ زندگی کی دشواریوں میں انسانوں کو کیا رویہ اپنانا چاہئے [۱] —— ہمارے آنجہانی وزیر اعظم جواہر لال نہرو اپنی بیماری اور دیگر مشاغل کے باوجود روزانہ بستر پر جانے سے قبل آدھے گھنٹے تک کلاسکس کا مطالعہ کرتے تھے۔ ہم کیوں نہیں کر سکتے؟ ہم یہ کیوں نہیں کر رہے ہیں؟ [۱]

اگر سوویت یونین میں منظم مذہب کے خلاف عناد پایا جاتا ہے تو اس میں تمام تر اس یونین کی ہی خطا نہیں ہے جو لوگ اپنے ساتھیوں کی روحانی فلاح کے جوش میں آکر مذہبی پروپیگنڈے کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ وہ نجات کے طریق کار کے بارے میں ایک بیہودہ مسابقت میں پڑ جاتے ہیں۔ وہ تبدیلیِ مذہب کی ایجلسیاں جو نفس Soul کی خاطر پریشان رہتی ہیں وہ مذہب کی صحیح اسپرٹ کے مطابق نہیں ہیں مذہبی توہمات Fanaticism نے یوروپ کو مذہبی جنگوں میں تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تھا۔ ابھی بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو اپنے جوش جہاد میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ایک آخری، بے مثل، خالص اور یکتائے روزگار وحی پر انھیں کی اجارہ داری ہے —— ہم مذاہب کے مابین شراکت داری پر ایمان رکھتے ہیں۔ پروفیسر آرنلڈ ٹائن بی لکھتے ہیں: "میری پرورش اس عقیدہ پر کی گئی تھی کہ عیسائیت مکمل حق کی بے مثل وحی ہے۔ اب میرا ایمان یہ ہو گیا ہے کہ تمام تاریخی مذاہب اور فلسفے حق کے ایک نہ ایک رخ سے محض جزوی وحی ہیں۔ خاص طور سے میرا ایمان یہ ہے کہ اس "سالم دنیا"، میں جس میں ہم "دوریوں کے خاتمہ" کے ساتھ داخل ہو رہے ہیں' ہندوازم اور بودھ مت کے پاس ایک درس ہے جو یہ دونوں عیسائیت، اسلام اور یہودیت کو سکھا سکتے ہیں۔ یہودی مذاہب کے برعکس ہندوستانی مذاہب خاص کردہ نہیں ہیں وہ اس امکان کی اجازت دیتے ہیں کہ اسرار وجود تک پہنچنے کی کئی متبادل راہیں ہو سکتی ہیں اور یہودیت، عیسائیت نیز اسلام کے متوازی دعووں کی بہ نسبت یہ بات مجھے حقیقت سے قریب تر لگتی ہے۔ یہی وہ موقف ہے جس کی ترجمانی کے لئے میں نے اپنی کتاب کی گزشتہ چار جلدیں تصنیف کی ہیں۔ [۱]

صوفی ازم مذہب کے میدان میں ایرانیوں کا اعلیٰ ترین اظہار ہے۔ آپ کو یہاں وہی خصوصیات ملیں گی جو کبھی زرتشت کے مذہب میں پائی گئی تھیں یا خود رگ وید میں بھی۔ داراشکوہ نے اُپ نِشد Upnishad کا ترجمہ کیا تھا اور "صوفی ازم و ویدانت کا مرج البحرین" عنوان سے ایک کتاب تصنیف کی تھی۔ اس نے یہ دکھایا تھا کہ یہ دونوں چیزیں ایک ہی ہیں۔ [۱]

حوالے:

1. S. Radha Krishnan/The Creative life/ P 27,30,50, 51, 52, 55
2. S.L. Malhotra /Social and Political Orientations of Neo-Vedantism/P107,14
3. Jalaul Haque/Nation and Nation worship in India/P-108
4. M.K. Gandhi/Hindu Dharma/P-7, 390
5. Jawahar Lal Nehru/Discovery of India/ P 52-53, 54-55,199
6. The Hindu/ 31 Oct'93/P 6
7. انکار یلی / اپریل ۱۹۹۲ء / ص: ۴۹
8. The Hindu/26 Sept.'93/P-4
9. The Hindu/13 April'93/P-17

آگے ہم ہندوتوا کی اہم شخصیات کا تعارف دے رہے ہیں جو انیسویں اور بیسویں صدی کے دوران گذری ہیں۔

دیانند سرسوتی (۱۸۲۴ء تا ۱۸۸۳ء)

آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند کی پیدائش مہاراشٹر میں ۱۸۲۴ء میں ہوئی تھی۔ سنسکرت زبان بولنے والے برہمن ہونے کی وجہ سے دیانند جی سنسکرت میں ہی لکھتے تھے۔ لیکن کیشو چندر سین کے مشورہ پر وہ ہندی میں تقریر کرنے لگے تھے۔

سوامی دیانند نے ۱۸۷۵ء میں اپنی مشہور کتاب "ستیارتھ پرکاش" شائع کی تھی۔ ستیارتھ پرکاش کی پہلی اشاعت میں ۱۲ ابواب تھے۔ اب نہیں معلوم ان کے علاوہ اور کتنے ابواب نہیں تھے۔ ان کے انتقال کے بعد بھی ہوشیاری سے مذکورہ باب اس میں شامل کر دیا گیا، جو مسلمانوں کے خلاف ہے۔ اس کے علاوہ اپنے ہندوتوا کے نشر و اشاعت کے لیے رگ وید بھاشیہ، یجروید بھاشیہ جیسی کتابیں لکھیں۔ ستیارتھ پرکاش کے جواب میں مولانا ثناء اللہ امرتسری نے "حق پرکاش" اور مولانا امام الدین رام نگری صاحب نے "قرآن ورگ روشن" کے نام سے کتابیں لکھیں، جو اہل علم کے درمیان کافی مقبول ہوئیں نیز امت کی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا۔

ویدک ہندو دھرم کے حامی سرسوتی جی نے ۱۰ اپریل ۱۸۷۵ء کو ممبئی میں آریہ سماج کی بنیاد ڈالی۔ ہندو سماج میں طبقاتی نظام کی وجہ سے جتنی دوریاں تھیں وہ اتنی ہی تیزی سے دوسرے مذاہب کے دروازے کھٹکھٹا رہی تھیں۔ ہندو دھرم کو اس خراب حالت سے باہر نکالنے کے لیے انہوں نے اس تحریک کی شروعات کی تاکہ لوگ ہندو دھرم نہ چھوڑیں۔

بعض لوگوں کے مطابق آریہ سماج کے قیام کے وقت ہندو قوم بے جان ہو گئی تھی۔ دیانند سرسوتی نے ہندوؤں کی اس کمزوری کو ختم کیا اور اس کو ایک نئی زندگی عطا کی۔

رام دھاری سنگھ دنکر کہتے ہیں "سوامی دیانند کے شاگردوں نے اعلان کیا کہ ہندو مذہب ترک کیے ہوئے لوگ کسی بھی حالت میں اپنے مذہب میں واپس آ سکتے ہیں اور غیر ہندو بھی اگر چاہیں تو ہندو مذہب قبول کر سکتے ہیں۔ یہ صرف اصلاح کی آواز نہیں تھی بلکہ بیدار ہندوتو کی صدائے جنگ تھی۔" (سنسکرتی کے چار ادھیائے صفحہ ۵۰۹)

دیانند سرسوتی ۱۸۸۳ء میں اس دنیا سے چل بسے۔ وہ غیر شادی شدہ تھے۔ (بحوالہ: سنسکرتی کے چار ادھیائے۔ رام دھاری سنگھ دنکر ادیاچل، راشٹر کوی دنکر پتھ راجندر نگر پٹنہ ۸۰۰۰۱۰)

بال گنگا دھر تلک (۱۸۵۶ء تا ۱۹۲۰ء)

جدید ہندوتو کے بانی چتپاون برہمن لوک مانیہ بال گنگا دھر تلک کی پیدائش مہاراشٹر کے رتناگری ضلع کے چکل گاؤں میں ۲۳ جولائی ۱۸۵۶ء میں ہوئی تھی۔

اپنے قول، تحریر اور تقریر سے موجودہ انتہا پسند ہندوتو کی بنیاد ڈالنے والے تلک کے متعلق دنکر نے کہا ہے کہ راجا رام موہن رائے اور راناڈے نے ہندوتو کے پہلے مورچہ پر جنگ کی تھی جو دفاع کا مورچہ تھا۔ لیکن تلک نے جارحانہ حکمت عملی اختیار کی کیونکہ تلک جارحیت کے اصول کو دفاع کا بہترین ذریعہ مانتے تھے۔

تلک نے کئی کتابیں لکھیں ہیں جن میں گیتا رہسیہ، دی آرین، دی آرکٹک ہوم ان دی ویداز، ویدک کرونولوجی اینڈ ویدانگ جیوتش، اہم ہیں۔

دنکر نے گیتا رہسیہ کو جدید ہندوتو کی بنیادی کتاب مانا ہے اور کہا ہے کہ گیتا ایک بار تو کرشن کے منہ سے نکلی لیکن دوسری بار اس کی اصل وضاحت تلک نے کی۔ اس کتاب کے ذریعہ تلک نے ہندوؤں میں ہندوتو کے تئیں محبت پیدا کرنے اور انہیں ہندو راشٹر کے کاز کے لیے تیار کرنا چاہتے تھے۔

تلک اپنے وقت کے معزز صحافی بھی تھے "کیسری اور مراٹھا" نام کے اخباروں میں وہ انگریزوں کے خلاف آگ تو اگلتے ہی تھے، مسلمانوں کے خلاف ان کا رویہ تقریباً ایسا ہی تھا۔

مسلمانوں کو ظالم ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ۲۴ مارچ ۱۸۹۱ء کے کیسری میں تلک لکھتے ہیں "مسلمانوں نے ایک ہاتھ میں تلوار اور ایک ہاتھ میں قرآن لے کر ہندوؤں کو چوٹی کٹانے اور داڑھی بڑھانے پر مجبور کیا۔" (تلک اینڈ گوکھلے صفحہ ۶۰)

مہاراشٹر میں ہندو اور مسلمان بہت دنوں سے ایک ساتھ محرم مناتے آرہے تھے تلک کو یہ بالکل ہی ناپسند تھا کہ ہندو مسلمانوں کا

تھا۔ لیکن وہ ہندوؤں کو محرم منانے سے روکنا چاہتے تھے۔ بدقسمتی سے ۱۱ اگست ۱۸۹۳ء کو بمبئی شہر میں فرقہ وارانہ فساد بھڑک اٹھا۔ اس موقع کا فائدہ اٹھا کر تلک نے محرم کے مقابلہ گنپتی مہوتسو شروع کیا۔ اس میں انہیں کافی کامیابی ملی جس کا فائدہ اٹھا کر تلک نے شیواجی مہوتسو بھی شروع کروا دیا جس سے ہندو انتہا پسندی کی داغ بیل پڑی۔

ان تقریبات کے موقع پر ان تحریک چلانے والے لوگ مسجدوں کے سامنے باجا بجاتے اور ناچنے گانے لگے۔ ایک بار گنپتی مہوتسو کے موقع پر جب لوگ ناچنے گانے لگے تو نمازیوں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانے یہاں تک کہ جلوس میں شامل لوگوں نے مسجد میں داخل ہو کر کافی توڑ پھوڑ مچائی لوگ زخمی ہوئے ان زخمیوں میں سے ایک صاحب کا صبح ہوتے ہوتے انتقال بھی ہو گیا۔ تلک اینڈ گوکھلے کے مصنف وال پرٹ نے اسے جدید انتہا پسند ہندوتو کا آغاز کہا ہے۔

گنپتی اور شیواجی مہوتسو کے موقع پر فرقہ وارانہ فسادات کا ہونا ایک معمولی بات ہو گئی۔ یہاں سوال یہ اٹھتا ہے کہ ان مہوتسو کے موقع پر اگر فسادات بھڑک اٹھتے تھے تو تلک اسے کیوں جاری رکھنا چاہتے تھے؟ تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ چار طبقات میں منقسم ہندو سماج میں انتشار اور ٹوٹ پھوٹ بڑھتی جا رہی تھی، دلت اور پسماندہ طبقے کے لوگ اعلیٰ ذات کے لوگوں کے ظلم سے بچنے کے لیے دوسرے مذاہب کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہیں ہندو مذہب کے دائرے سے باہر جانے سے روکنے کے لیے فرقہ وارانہ تعصب سے اچھا کوئی دوسرا ذریعہ ان کے پاس نہ تھا۔

پونہ نیو انگلش اسکول فرگس کالج، گورکشک منڈلی، بھارت دستو پرچارنی سبھا، اکھاڑے اور لاٹھی کلب کا قیام اور "سوراج ہمارا پیدائشی حق ہے" کا نعرہ دینے والے لوک مانیہ تلک کا انتقال ۳ر اگست ۱۹۲۰ء کو بمبئی میں ہو گیا۔ (بحوالہ: سنگھ ورکش کے بیج، ڈاکٹر کیشو رائے ہیڈگوار سی پی بھشی کر، سروچی پرکاشن کیشو کنج نئی دہلی ۵۹ دوسری اشاعت ۱۹۸۸ء)

پنڈت مدن موہن مالویہ (۱۸۶۱ تا ۱۹۴۶ء)

بنارس ہندو یونیورسٹی کے بانی، ہندو مہاسبھا کے سابق صدر پنڈت مدن موہن مالویہ الہ آباد میں ۲۵ دسمبر ۱۸۶۱ء میں سنسکرت زبان جاننے والے خاندان میں پیدا ہوئے تھے۔ الہ آباد میں انہوں نے تعلیم حاصل کی اور ایک وکیل کی حیثیت سے اپنی معاشی زندگی کی شروعات کی تھی۔

مالویہ ایک مشہور صحافی اور قابل مقرر تھے۔ انہوں نے ہندی روزنامہ "ہندوستان" کی ادارت کی اور "ہندوستان ٹائمس" کے بورڈ آف ڈائریکٹرس کے صدر بھی رہے۔ انہوں نے "دی لیڈر" نام کا اخبار بھی جاری کیا [illegible]

ہندو سنسکرتی کے کٹر پیرو کار [illegible] کے فروغ کے لیے بنارس ہندو یونیورسٹی قائم کی اور [illegible] میں ہی یہاں آر ایس ایس کی شاخ بھی قائم ہوئی۔ [illegible] مالویہ خود ہی اس یونیورسٹی کے وائس چانسلر رہے لیکن بعد میں انہوں نے مشہور ماہر تعلیم اور [illegible] کو وائس چانسلر بنا دیا۔

پنڈت مالویہ نے شدھی تحریک کی حمایت کی اور اسے [illegible] تعاون دیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ لوگ جو پہلے ہندو تھے اور بعد میں عیسائی یا مسلمان ہو گئے انہیں ہندو دھرم میں دوبارہ واپس آ جانا چاہیے۔ ہندو مہاسبھا کو بھی ان کا تعاون ملتا رہا۔ انہوں نے کانگریس کے کئی اجلاس کی صدارت بھی کی۔

"نمک ستیاگرہ" میں شامل ہونے پر انہیں جیل بھی جانا پڑا۔ وہ سوراج پارٹی کے صف اول کے لیڈر رہے تھے۔ ۱۹۳۴ء میں انہوں نے خود اینٹی نیشنلسٹ پارٹی قائم کی۔ ۱۲ر نومبر ۱۹۴۶ء کو پنڈت مالویہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

سوامی وویکانند (۱۸۶۳ تا ۱۹۰۲ء)

راما کرشنا پرم ہنس کے شاگرد نریندر ناتھ دت کلکتہ میں ۱۲ر

جلد ہی سنگلہ میں پیدا ہوئے۔ سنیاس لینے کے بعد سوامی وویکانند کہلائے۔ دنکر نے وویکانند کو بابائے تمدن و قومیت کہا ہے۔

سوامی وویکانند نے طبقوں میں بٹے ہندو سماج کو اپنی تہذیب تاریخ اور روحانی روایات سے جوڑ کر ان کے اندر ہندوتو کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ انہیں سنگھ پریوار اور غیر سنگھ ہندو دونوں ہی اپنا محرک مانتے ہیں۔ مردہ ہندوتو کو زندہ کرنے والے سوامی وویکانند ہندو دھرم اور تہذیب و تمدن کے رہنما تھے۔ نیتا جی سبھاش چندر بوس نے سوامی وویکانند کے مذہب کے متعلق کہا ہے "سوامی وویکانند کا مذہب جذبہ حب الوطنی بڑھانے والا مذہب تھا۔" (سنسکرتی کے چار ادھیائے صفحہ ۵۸۶)

سوامی وویکانند نے امریکا میں ۱۸۹۳ء میں منعقدہ عالمی مذاہب کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے ہندو دھرم کا اتنے شاندار طریقے سے تعارف کرایا کہ اس سے قبل نہ اس طرح کا تعارف ہوا تھا اور نہ اس کے بعد سے لیکر آج تک اتنے موثر ڈھنگ سے ایسا تعارف کرایا جا سکا۔ دنکر نے انہیں ویاس اور بالمیکی کے درجہ میں رکھا ہے۔

سوامی وویکانند کو سنگھ پریوار انتہا پسند ہندوتو کا محرک مانتا ہے اور کہتا ہے کہ سوامی جی نے رودر شیو اور کالی کو لوگوں کے لیے قابل پرستش بنا دیا۔

لیکن سوامی وویکانند نے اسلام کی مخالفت کی تھی یا نہیں اس سوال پر اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ دنکر کہتے ہیں کہ ہندوتو کے کٹر حامی ہونے کے باوجود سوامی جی نے اسلام کی مخالفت نہیں کی جب کہ ارون شوری اس کے برعکس کہتے ہیں کہ ہندوتو کے کٹر حامی ہونے کے ناتے سوامی جی نے اسلام کی مخالفت کی۔

سوامی وویکانند نے ہندوستانی مذاہب کے متعلق کہا تھا کہ اس کی شکل "اسلامی جسم میں ویدانتی دماغ کی ہونی چاہیئے۔" شاید اسی اصول سے متاثر ہو کر اڈوانی جی مسلمانوں کو محمدی ہندو بنانے کی بات کرتے ہیں۔ لیکن مشہور صحافی پردیپ پنت اسے وویکانند کے افکار و نظریات کا بے جا استعمال مانتے ہیں۔ پنت کا کہنا ہے کہ تمام تر کوششوں کے باوجود کٹر اور اندھی تقلید کرنے والے ہندو گاندھی جی کے خیالات کا اپنے مفادات کی خاطر بے جا استعمال نہیں کر سکتے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان پر مہاتما گاندھی کے قتل کا داغ اتنا گہرا لگا ہوا ہے کہ چار دہائی گزر جانے کے بعد بھی اس داغ کو وہ دھو نہیں سکے ہیں البتہ وہ وویکانند کو فروخت کر رہے ہیں۔ اور جیسا کہ ہم نے کہا وہ وویکانند کے افکار کو سیاق و سباق سے جدا کر کے ہندوستانی عوام کے سامنے مسلسل پیش کر رہے ہیں صرف یہ باور کرانے کے لیے کہ ہم جس ہندو راشٹر کی دہائی دیتے ہیں اس کی جڑیں وویکانند جیسے قد آور درخت سے وابستہ ہیں۔ حالانکہ شکاگو میں تقریر کرتے ہوئے وویکانند نے ہندو مذہب کے مختلف پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی تھی لیکن انہوں نے اپنی پوری تقریر میں نہ تو کہیں ہندو راشٹر کی بات کی تھی اور نہ ہی ہندو مذہب کی اندھی تقلید کی تائید کی تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وویکانند ہندوتو کے (ہندو راشٹر واد) کے نہیں بلکہ ہندو مذہب کے نمائندے اور مفکر تھے۔ (سندھیا پرہری نئی دہلی ۲۵، ۱۵ نومبر ۱۹۹۳ء) (بحوالہ: شیاما پرساد مکھرجی، ایک جیونی۔ بلراج مدھوک۔ نراج پرکاشن ۲۸/۱ پنجابی باغ دہلی ۲۶)

ساورکر (۱۸۸۳ء تا ۱۹۶۶ء)

ہندوتو کے کٹر حامی، فاضل مقرر، ماہر سیاست داں اور ہندو مہاسبھا کے سابق صدر ونائک دامودر ساورکر کی پیدائش ناسک (مہاراشٹر) کے نزدیک بھاگر گاؤں کے ایک چتپاون برہمن خاندان میں ۲۸ مئی ۱۸۸۳ء کو ہوئی تھی۔ وہ بہت ہی ہونہار طالب علم تھے جب وہ دس سال کے تھے تو ان کی ایک نظم پونہ کے ایک مشہور اخبار میں شائع ہوئی تھی۔ انہوں نے طالب علمی کے زمانہ ہی سے اخبارات و رسائل کی بڑی پابندی و دلچسپی کے ساتھ مطالعہ روزمرہ کا معمول بنا لیا تھا، ان کے مزاج میں انتہا پسندی شامل تھی ۱۸۹۳ء میں جب وہ طالب علم تھے بمبئی میں ہندو مسلم فسادات ہوئے۔ اس کے رد عمل میں انہوں نے اسکول کے طالب علموں کا ایک گروپ بنا کر گاؤں کی مسجد پر پتھراؤ کیا، اور مسجد کے دروازے کھڑکی وغیرہ توڑ ڈالے یہی بات ان

کی بعد کی زندگی میں بھی دیکھنے کو ملی۔ سولہ سال کی عمر میں ہی انہوں نے سیاست کے میدان میں قدم رکھا۔ ۱۹۰۰ء کے آغاز میں ساورکر نے "مترو میلا" نام کی ایک ترومنڈلی۔(حلقۂ احباب) تشکیل دی تھی جس کا نام آگے چل کر "ابھینو بھارت" (جدید بھارت) ہو گیا۔ کالج کی طالب علمی کے زمانے میں انہوں نے ۱۹۰۵ء میں غیر ملکی کپڑوں کو جلا دیا جس کی وجہ سے انہیں کالج سے نکال دیا گیا تھا۔

وہ ہندوتو کے پرزور حامی تھے۔ ہندوتو کی نشر و اشاعت کے لیے وہ پوری زندگی قلم تلوار اور زبان سے جدوجہد کرتے رہے۔ "مارو کاٹو" مسلک کے ماننے والے تھے جس کی مخالفت گاندھی جی نے کی۔ دھننجے کیر نے اسے شیواجی اور گوتم کے بیچ جنگ سے تشبیہ دیا ہے۔

۱۹۰۶ء میں وہ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے لندن چلے گئے وہاں انہوں نے "فری انڈیا سوسائٹی" قائم کی۔

۱۹۰۷ء میں انگریزوں نے ۱۸۵۷ء کے غدر کی یاد میں یکم مئی کو یوم فتح کے طور پر منایا۔ اس کی مخالفت میں ساورکر کی رہنمائی میں ۱۰ مئی کو ہندوستانی طلبہ نے "یوم شہداء" کے نام کے ڈائمنڈ جبلی منائی۔ ساورکر نے کئی کتابیں لکھی ہیں جن میں چند خاص خاص درج ذیل ہیں۔ کرانتی کاری کی چٹھیاں، ہندو پادشاہی، دی فرسٹ انڈین وار آف انڈیپینڈینس ۱۸۵۷ء، ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی، ہندوتو، گومانتک (ناول) موپلا (ناول)، کرانتی کاناد (مضامین)، اہشاپ (ڈرامہ)، اششتر اور شاشتر (ڈرامہ)

۱۹۰۹ء میں لندن کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے ساورکر نے کہا تھا کہ شری رام چندر کے بغیر ہندوستانی زندگی بے معنی ہوگی ہندو ہندوستان کا دل ہے۔

شری بابو راؤ ساورکر نے سری ساورکر کی ترغیب سے "رتنا گری ہندو مہا سبھا" کی بنیاد ڈالی، جس کا مقصد تھا ہندوؤں کو متحد و منظم کرنا اور بھارت کو ہندو راشٹر بنا کر ہندتو کی نشر و اشاعت کرنا۔

ہندوتو یا ہندو راشٹر واد ساورکر کا فلسفۂ حیات اور آدرش تھا۔

یہودی ریاست کی حمایت میں ساورکر نے اپنی کتاب "ہندوتو" میں لکھا ہے کہ "فلسطین میں یہودی ملک بننے پر مجھے اتنی ہی خوشی ہوگی جتنی ہمارے یہودی دوستوں کو۔ (صفحہ ۲۹ ساورکر اینڈ ہز لائف ٹائمز) وہ کہتے ہیں کہ مسلمان پہلے مسلمان ہے اور آخر میں مسلمان ہے لیکن ہندوستانی کبھی نہیں ہے۔" ساورکر ہندتو کو ہندوازم سے زیادہ وسیع مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہندوازم تو صرف مذہبی اصول ہے لیکن ہندتو تو اپنے اندر سماجی سیاسی، تہذیبی، لسانی وغیرہ زندگی کے تمام گوشوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔

جدوجہد آزادی میں وہ کئی مرتبہ جیل گئے۔ پاکستان بننے سے قبل "اکھنڈ ہندوستان" کے نام سے تحریک چلائی اور "پاکستان مخالف دن" منایا۔ ملک کو آزادی ملنے پر ان کی تنظیم ہندو مہاسبھا نے ان کی قیادت میں "یوم آزادی" نہیں منایا۔ صرف ایک آدمی نے بھگوا جھنڈا لہرا دیا۔

۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو جب آر ایس ایس کے کارکن ناتھورام ونائک گوڈسے نے گولی مار کر گاندھی جی کو قتل کر دیا تو بپھری ہوئی بھیڑ نے ساورکر کے مکان "ساورکر سدن" پر پتھراؤ کیا اور کھڑکیاں دروازے وغیرہ توڑ ڈالے۔

گوڈسے سے ساورکر کے تعلق ہونے کے شبہ میں پولیس نے انہیں گرفتار کر لیا تو سال بھر بعد ہی جیل سے چھوٹے۔

۱۹۳۹ء میں ہندو مہا سبھا کے سالانہ اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے ساورکر نے ہندو نوجوانوں کو ہزاروں ہزار کی تعداد میں ہندوستانی افواج (بحری، بری، فضائی) میں بھرتی ہونے کی ترغیب دی تھی۔

ساورکر کا انتقال ۲۶ فروری ۱۹۶۶ء کو ہوا۔ (بحوالہ: گرودگول والکر - پروفیسر دھرم ویر۔ ہند پاکیٹ بکس (پرائیوٹ لیمیٹڈ) جی ٹی روڈ شاہدرا دہلی ۳۲)

(نوٹ :۔ مسٹر لال کرشن اڈوانی کے اس تبصرہ پر کہ ناتھو رام گوڈسے کا آر ایس ایس سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ گوپال گوڈسے کہتے ہیں کہ اڈوانی کا بیان بزدلی کی وجہ سے آیا۔ بھاجپا کہہ سکتی ہے کہ ہم قتل کی حمایت نہیں کرتے ہیں، لیکن ناتھو رام کی اپنی دلیل ہو سکتی ہے۔ اب اڈوانی کہتے ہیں کہ ناتھو رام آر ایس ایس کے کارکن نہیں رہے، یہ غلط ہے۔ میرے بھائی قتل سے پہلے آر ایس ایس کے کارکن تھے۔ (نو بھارت ٹائمس ۶ دسمبر ۱۹۹۳ء)

ڈاکٹر ہیڈگیوار (۱۸۸۹ء تا ۱۹۴۰ء)

آر ایس ایس کے بانی اور پہلے سنگھ سنچالک (صدر) شری ہیڈگیوار کی پیدائش، ناگپور کے ایک غریب برہمن خاندان میں یکم اپریل ۱۸۸۹ء کو ہوئی تھی چھوت چھات سے تباہ حال ہندو سماج کو متحد کرنے کے لیے اس نے ہندوؤں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا کر کے انتہا پسند ہندوتو کو فروغ دینے کی خدمت انجام دی۔

جب وہ اسکول میں طالب علم تھے اس وقت ایک اسکول انسپکٹر کا استقبال انہوں نے وندے ماترم کہہ کر کیا تھا جس کی سزا میں اسکول سے ان کا اخراج ہو گیا تھا۔

۱۹۱۰ء میں کلکتہ میں ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنے کے دوران ان کی ملاقات انقلابیوں کی تنظیم "انوشیلن سمیتی" کے رہنما شری پولن

بہاری داس سے ہوئی۔ پولن بہاری نے انہیں چوری چھپے ہتھیار وغیرہ انقلابیوں تک پہنچانے کی ذمہ داری سونپی۔

ہیڈگوار نوجوانوں میں ہندوتو کا جذبہ بھڑکانے پر خاص توجہ دیتے تھے۔ اس لیے جہاں بھی موقعہ ملتا وہ انتہائی اشتعال انگیز تقریر کرتے تھے۔

" تحریک خلافت کی تائید کے لیے کانگریس کے سالانہ اجلاس میں ایک قرارداد پاس ہوئی تو ہیڈگوار نے گاندھی جی کی یہ کہہ کر مخالفت کی کہ "گاندھی جی مسلمانوں کی ضرورت سے زیادہ مدد کر رہے ہیں۔

ہیڈگوار نے ہندوتو کی نشر و اشاعت کے لیے "سنکلپ" "سواتنتر یہ" وغیرہ اخبارات و رسائل کی بھی ادارت کی۔ انہوں نے سنگھ کے کام کی توسیع کے لیے بہت سے اسکول بھی کھولے اور آر ایس ایس کے کارکنوں کو سنگھ کا پیغام بچے بچے تک پہنچانے کے لیے استاد بننے کی ترغیب دی۔

" ڈاکٹر ہیڈگوار نے ۱۹۲۵ء میں "سنگھ" کو قائم کیا۔ جو آگے چل کر "راشٹریہ سویم سیوک سنگھ" میں تبدیل ہو گیا۔ سنگھ کی پہلی شاکھا ناگپور میں قائم کی گئی۔

ہندو راشٹر کے اصول کو ہیڈگوار نے سنگھ کا بنیادی اصول بنایا۔ شاکھاؤں میں سنگھ کے احکام اور دعائیں سنسکرت زبان میں پڑھی جاتی ہیں۔

" تحریک خلافت" کے ناکام ہو جانے پر ملک میں بڑے پیمانہ پر فرقہ وارانہ فسادات ہوئے۔ ہندو فسادیوں کو "بہادر" کے خطاب سے نوازا گیا۔ اسی دوران ہیڈگوار نے "ڈنڈی" کے نام سے "شو بھایاترا" نکالی۔ جس میں مسجدوں کے سامنے آر ایس ایس کے کارکنوں نے بھجن کرتن کیا، ہڑبونگ مچائی۔ ایک مسجد کے سامنے ڈھول بجانے والے جب ڈرنے لگے تو ہیڈگوار نے خود ڈھول بجایا۔

ہیڈگوار ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ بھارت ہندو راشٹر ہے۔ ہندوؤں کا کوئی بھی کام راشٹریہ ہی کہلائے گا۔ ہندوتو ہی حب الوطنی ہے۔ ہندو دھرم، ہندو کلچر، اور ہندو سماج کو محفوظ کر کے مکمل آزادی حاصل کر کے ہندو راشٹر کو قائم کرنا ہی سنگھ کا نصب العین ہے، بھگوا جھنڈا ہی ہمارا استاد ہے کوئی مخصوص شخصیت نہیں۔

ہیڈگوار نے سنگھ کے اغراض و مقاصد کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کے لیے چھ تہواروں کو سنگھ کے پروگرام میں شامل کیا۔ وجے دشمی، مکر سنکرانتی، ورش پرتیپدا، گرو پورنیما۔ (اس میں بھگوا جھنڈا کی پوجا ہوتی ہے) رکشا بندھن، اور ہندو سامراج دوس۔

مسلمانوں و دیگر اقلیتوں کے تعلق سے ہیڈگوار نے کہا تھا "غیر ملکیوں کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ ہندوؤں کے ہندوستان میں

رہتے ہیں ۔۔"

مسلمانوں کے تعلق سے کہا تھا!

" یہ دس کروڑ لوگ کبھی ہندو تھے۔ "

ساگھو پندر راؤ نے ہیڈگوار پر "ہٹلر کے نقش قدم پر کام کرنے کا الزام لگایا تھا اور مدھیہ پردیش کی سرکار نے ۱۹۲۴ء میں سنگھ کو فرقہ پرست تنظیم قرار دیا تھا۔ اور اس میں سرکاری ملازمین کو شامل ہونے سے منع کر دیا تھا۔

ہیڈگوار کا انتقال ۲۱ جون ۱۹۴۰ء کو ہوا۔ (بحوالہ: تلک اینڈ گوکھلے ۔۔ ایس ۔ اے ۔ وا لپرٹ ۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۔ دوسرا ایڈیشن سنہ ۱۹۹۱ء)

شیاما پرساد مکھرجی (۱۹۰۱ء تا ۱۹۵۳ء)

جن سنگھ کے بانی شیاما پرساد مکھرجی کی پیدائش کلکتہ کے ایک برہمن خاندان میں ۷، جولائی سنہ ۱۹۰۱ء میں ہوئی تھی۔ مکھرجی ہندو توا کے اس انتہا پسند اور خطرناک شکل کے حامی تھے جس کا بدترین مظاہرہ ۶، دسمبر سنہ ۱۹۹۲ء کو اجودھیا میں ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے فرقہ پرستی کی آگ پورے ملک میں پھیل گئی تھی۔

شیاما پرساد بڑے ہی ذہین طالب علم تھے۔ آئی اے، بی اے اور ایم اے کے امتحانات میں فرسٹ ڈویژن کے ساتھ اول پوزیشن لاتے رہے۔ انہوں نے طالب علمی کے زمانہ میں ہی صحافت شروع کر دی تھی کالیج میگزین، بنگوانی اور دی نیشنلسٹ جیسے رسالوں کی ادارت بھی کی۔ مکھرجی کئی بار ریاستی اسمبلی کے ممبر بھی منتخب ہوئے تھے اور سب سے کم عمر میں کلکتہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہونے کا شرف بھی انہیں حاصل ہوا تھا۔ دہلی میں جب ان کی کوشش سے بھارتیہ جن سنگھ کا قیام عمل میں آیا تو اس کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ وہ ہندو مہاسبھا کے قائم مقام صدر بھی رہے۔

بھارتیہ جنتا پارٹی کے سابق صدر ڈاکٹر مرلی منوہر جوشی کہتے ہیں۔ " وہ نظریاتی اعتبار سے سردار پٹیل کے بہت قریبی سمجھے جاتے تھے۔ (پرگیا پرواہ صفحہ ۹۷)

ڈاکٹر مکھرجی کے بارے میں بلراج مدھوک لکھتے ہیں۔ " ان کا یقین تھا کہ آزاد ہندستان میں ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کے مسائل حل ہو سکتے ہیں اگر ملک کے تہذیب و تمدن سماجی و سیاسی مسائل پر ان کے خیالات کا ہندوکرن یا راشٹرکرن کر دیا جائے۔ (شیاما پرساد مکھرجی: ایک جیونی صفحہ ۱۱۸)

ڈاکٹر مکھرجی نے شیخ عبداللہ کے متعلق ایک بار کہا تھا " اس قوم پر کبھی بھروسہ نہ کرو۔" (ایضاً صفحہ ۲۷۶)

کشمیر کو کلی طور پر ہندوستان کے ساتھ ضم کرنے اور دفعہ ۳۷۰ کو ختم کرنے کے لیے پرجا پریشد کے لوگ وہاں ڈائریکٹ ایکشن کا مطالبہ کر رہے تھے۔ ڈاکٹر مکھرجی نے ان کے مطالبہ کے حق میں کہا تھا اگر ہم قوت کا استعمال نہ کریں تو کشمیر سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ (ایضاً صفحہ ۱۹۳)

انہوں نے یہ بھی کہا تھا" ہم قانون لیں گے یا قربانی دیں گے" (ایضاً صفحہ ۱۹۵)

پنڈت نہرو نے ڈاکٹر مکھرجی سے تحریک واپس لینے کی درخواست کرتے ہوئے لکھا:

جموں وکشمیر کا مسئلہ حل کرنے کا سیدھا طریقہ یہ ہے کہ تحریک پوری طرح واپس لے لی جائے۔ مجھے امید ہے کہ آپ پرجا پریشد کی رہنمائی کریں گے۔ (ایضاً صفحہ ۲۴۷)

جب تحریک واپس نہیں لی گئی تو پنڈت نہرو نے دوبارہ لکھا" آپ اس تحریک کو واپس لینے کے لیے اپنے اثرات کا استعمال کریں" (ایضاً صفحہ ۲۵۴)

اس کے باوجود جب تحریک واپس نہیں لی گئی تو نہرو نے لکھا:

" میرے خیال میں پرجا پریشد کی یہ تحریک نہ صرف فرقہ پرستانہ ہے بلکہ اس ہندوستان میں موجود فرقہ پرستانہ تنگ نظر روش والے ذہن کی حمایت بھی حاصل ہے۔ میرے لیے واحد راستہ صرف یہی رہ جاتا ہے کہ اس بالکل ہی غلط تحریک کی مخالفت کی جائے۔ (ایضاً ص ۲۵۱) جموں وکشمیر کے داخلہ پر پابندی اور اپنی علالت کے باوجود ڈاکٹر مکھرجی پرجا پریشد تحریک کی قریب سے حمایت کرنے کے لیے جموں کے لیے روانہ ہو گئے۔ ڈاکٹر مکھرجی مادھوپور چیک پوسٹ کے قریب راوی کے کنارے پہنچے ہی تھے کہ کشمیر کی پولیس نے انہیں گرفتار کر لیا۔ ڈاکٹر مکھرجی کی گرفتاری کے لیے عوامی حفاظتی قانون کے ضمن میں جو وارنٹ جاری کیا گیا تھا اس میں لکھا تھا۔

" ڈاکٹر مکھرجی نے ایسا کام کیا ہے، کر رہے ہیں اور کرنے والے ہیں جس سے ملک کی سلامتی اور امن خطرے میں ہے۔ (ایضاً ص ۲۸۷)

بخار اور ٹانگ میں تکلیف کے بڑھ جانے کی وجہ سے ۲۳ جون سنہ ۱۹۵۳ء کو جیل ہی میں ان کا انتقال ہو گیا۔ (بحوالہ: دی گریٹ انڈین پیٹ ریاٹس ۔ پی راجیشور راو، متل پبلیکیشن)

گول والکر (۱۹۰۶ء تا ۱۹۷۲ء)

وشو ہندو پریشد اور ونواسی آشرم نام کے اداروں کے بانی اور آر ایس ایس کے دوسرے سرسنگھ چالک شری مادھو راؤ سداشیو راؤ گول والکر کی پیدائش برہمن خاندان میں ۱۹، فروری سنہ ۱۹۰۶ء کو مہاراشٹر میں ہوئی تھی انہوں نے بنارس ہندو یونیورسٹی سے بی ایس سی اور پھر ایم ایس سی کیا۔ اور وہ وہیں لکچرر ہو گئے۔ سوامی وویکانند ہیڈگوار جیسے لوگوں کے خیالات سے بہت متاثر تھے سنہ ۱۹۳۴ء میں وہ آر ایس ایس کی مرکزی شاخ کے قائم مقام صدر مقرر ہوئے۔

گول والکر نے شادی نہیں کی تھی۔ بلکہ ساری عمر سنگھ کا کام کرتے رہے خلافت تحریک کو وہ اکھل آفت تحریک کہتے تھے اور ہندو مسلم فسادات کو مسلم فساد۔ ہندوتو کے کٹر حامی گول والکر کہتے تھے کہ ہندو ہی ہندوستان کی واحد قوم ہے۔ باقی لوگ غیر ملکی ہیں جو باہر سے آکر یہاں بس گئے ہیں۔ ہندو مسلم اتحاد کو وہ خود اعتمادی کی کمی کہتے تھے۔ انہوں نے ہیڈگوار کے نقش قدم پر چل کر۔ "ہندوتو ہی راشٹریہ ہے" کے نعرے کے ذریعے ہندوتو کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ انہوں نے کئی کتابیں بھی لکھی ہیں جن میں بنچ آف تھاٹ، دی آر آور نیشن ہوڈ ڈیفائنڈ قابل ذکر ہیں۔ گول والکر نے اپنی کتاب "دی آر آور نیشن ہوڈ ڈیفائنڈ" میں مسلمانوں کے متعلق لکھا ہے۔ " ایسے غیر ملکیوں کے لیے دو ہی راستے کھلے ہیں یا تو وہ قومی تہذیب میں شامل ہو جائیں یا وہ راشٹر سے اجازت حاصل کرنے کے بعد ہی ملک میں رہیں اور جب راشٹر اجازت واپس لے لے تو ہندوستان چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں اقلیتوں کے سلسلے میں بھی یہی نظریہ صحیح ہے۔"

گول والکر کے اس قول کو پڑھ کر یہ بخوبی کہا جا سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف تعصب پھیلا کر طبقوں میں بری طرح منقسم ہندو قوم کو کسی طرح ہندو قوم میں رکھنا چاہتے تھے۔ وہ اس عظیم نفرت کو ہی اپنی کامیابی کی بنیاد مان کر چلتے تھے۔

ایک بار انہوں نے کہا "ہمارا مفاد ہی ملکی مفاد ہے ہم جو کام کریں گے ملک کے لیے ہوگا ہمارے مخالف ہمارے راہ میں روڑا اٹکانے والے غیر ملکی ہیں۔ مراد یہ ہے کہ آر ایس ایس والے خواہ ذلیل حرکتیں کریں سب کے سب ملک کے مفاد میں ہوں گے۔ برے کاموں سے انہیں روکنا بھی راشٹریتا کے خلاف سمجھا جائے گا۔ یہ تو وہی بات ہوگی کہ ایک نااہل برہمن بھی تعظیم کے لائق ہے لیکن ایک قابل شودر نہیں۔ اقلیت خواہ کتنا ہی بہتر کام کیوں نہ کریں وہ غیر ملکی ہی رہیں گے"، سنگھ نفرت پھیلا کر ہی ہندو ذات کو منظم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

آزادی کے وقت بڑے پیمانے پر فرقہ وارانہ فساد ہوئے جس میں آر ایس ایس والوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اس کے بعد دہلی میں ریاستی وزیر اعلیٰ اور وزیر داخلہ کا اجلاس بلا کر اس بات پر غور کیا گیا کہ سنگھ کی تشدد آمیز کارروائیوں کو کیسے روکا جائے ۱۹۴۸ء میں جب گاندھی جی کا قتل گوڈسے نام کے ایک برہمن نے کر دی تو مہاراشٹر میں برہمن اور غیر برہمن کا اختلاف کافی بڑھ گیا۔

گاندھی جی کے قتل کے ایک مجرم کے حیثیت سے گول والکر کو قید خانہ میں ڈال دیا گیا اور ۴ فروری ۱۹۴۸ء کو سنگھ کو غیر قانونی قرار دیا گیا۔ اسے ۱۸ ماہ بعد جیل سے رہا کیا گیا۔ رہا ہونے کے کچھ دن بعد سنگھ پر پابندی کے سلسلے میں انہوں نے کہا۔ سنگھ پر جو ضرب لگائی گئی ہے

اگر وہ غیر ملکی کا کام ہوتا تو ہم ۴۲ برسوں کی حاصل شدہ قوت سے انہیں مزہ چکھا دیتے۔

"جب جب سماج (ہندو سماج) اپنے پیروں پر کھڑا ہوا ہم نے شدھی کرن کی کامیاب کوشش کی اتحاد اور یکجہتی کا مطلب ایک جیسا ہونا نہیں ہے۔

ان جملوں سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ گول والکر نے بھی دیانند سرسوتی کی طرح طبقاتی نظام کی تائید کی اور جس نے ہندو مذہب کی علحدگی اختیار کر لی تھی انہیں پھر سے اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کے حامی تھے۔

وہ کہتے تھے عیسائیوں اور مسلمانوں کو ہندوستان کے تہذیب وتمدن میں پوری طرح ضم ہو کر یہاں کے قومیت کے دستور کے مطابق ہی زندگی بسر کرنی ہوگی۔ یہاں کے قومی آدرشوں کو سامنے رکھ کر یہاں کے تیوہاروں کو بھی اپنا تیوہار تقریب مانتے ہوئے یہاں کی قومی زندگی کا گن گانا پڑے گا۔ انہیں چھتر پتی شیواجی ہی کی جے بولنی ہوگی، ویدوں کی جیون دھارا کے ساتھ گھل مل کر ہندستان کی "معزز ہستیوں" کی زندگی سے سبق حاصل کر کے ان کی عقیدت کو تسلیم کرتے ہوئے — چاہیں تو مسجد میں جائیں اور پیغمبر کا نام لیں یا کلیسا میں جائیں اور بائبل پڑھیں۔

۳۰ ، اگست ۱۹۶۴ء کو گول والکر سے متاثر ہو کر بمبئی میں وشو ہندو پریشد کا قیام عمل میں آیا۔ علاوہ ازیں انہیں سے متاثر ہو کر سنگھ کے کام کو پھیلانے کے لیے ہزاروں شیشو شکشا کیندر اور متعدد کالج کھولے گئے۔ اکھل بھارتیہ ودیارتھی پریشد، بھارتیہ مزدور سنگھ، بھارتیہ کسان سنگھ، سہکار بھارتی، گرام پنچایت دین دیال شودھ سنستھان، وویکا نند شیلا اسمارک نام سے کئی تنظیمیں عمل میں آئیں۔

۱۹۵۲ء میں سنگھ پریوار نے گول والکر کی رہنمائی میں گوکشی کے خلاف گوہتیا بندی نام سے ایک تحریک چلائی جس کا مقصد مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانے کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ آج بھی کئی پہاڑی قبیلے جنہیں یہ ہندو کہتے ہیں گائے کا گوشت کھاتے ہیں۔

انہوں نے سنگھ سر سنچالک کی حیثیت سے سوئم سیوکوں کو زیادہ سے زیادہ صحافتی میدان میں داخل ہونے کی تلقین کی۔ نتیجتاً آج زیادہ تر اخبارات ورسائل کسی نہ کسی شکل میں سنگھ کی بولی بولتے نظر آتے ہیں۔

پنڈت نہرو کہتے ہیں: "سنگھ فرقہ پرست ہے سنگھ کے لیڈر جو کچھ بولتے ہیں وہ عمل میں نظر نہیں آتا۔"

شری گول والکر کی وفات ناگپور میں ۵ ، جون ۱۹۷۳ء کو ہوئی۔

(بحوالہ: ساورکر اینڈ ہندوتو ٹائمس۔ دھنن جے کیر، اے وی کیر، بھگیشور بھون۔ لیڈی ہارڈنگ روڈ بمبئی ۲۸)

●●

ہندتو۔ مختلف تنظیمیں ذیلی تنظیمیں اور ادارے

محمد رئیس

ہندتو کے مقاصد کے حصول کے لیے متعدد تنظیمیں اور ادارے کام کر رہے ہیں۔ ذیل میں ان میں کچھ کے بارے میں معلومات فراہم کی جارہی ہے۔ اسی سلسلے کی سب سے بڑی تنظیم آر ایس ایس کا تعارف گزشتہ صفحات میں آچکا ہے۔ وشو ہندو پریشد اسکی دوسری بڑی تنظیم ہے۔

وِدّیا بھارتی

ایک خواب: "تعلیمی نظام بھارتی سنسکرتی (کلچر) اور جیون آدرشوں کے (مثالی زندگی) مطابق ہو، بھارت کی روحانی پونجی اور روایات نئی نسل کو سونپی جاسکیں اور نئی نسل اس قابل ہو کر وہ ان روایات اور روحانی پونجی کو زندہ رکھ سکے۔" (... ۵ ... ۱۹۹۲)

اور اس کی تعبیر ....

۱۹۵۲ء میں گورکھپور میں "سرسوتی ششو مندر"

۱۹۵۸ء میں ریاستی سطح کی "ششو شکھشا پربندھ سمیتی" کا قیام

۱۹۷۷ء میں "ودّیا بھارتی" کا قیام

ودیا بھارتی اس وقت اپنے پانچ ہزار اسکولوں کے ساتھ "دنیا کے سب سے بڑا غیر سرکاری تعلیمی ادارہ بن گیا ہے"۔ ان اسکولوں میں دس لاکھ بچے تعلیم پا رہے ہیں۔ ناگالینڈ، میزورم اور میگھالیہ کو چھوڑ کر پورے ملک میں ودیا بھارتی کے ساتھ ۴۲ ریاستی اور علاقائی کمیٹیاں وابستہ ہیں۔ اس کے علاوہ دو تربیتی اداروں سمیت چالیس کالج بھی چلا رہا ہے۔ ششو مندروں کے علاوہ ودیا بھارتی سنسکار کیندر، ششو باٹیکا، اساتذہ ٹریننگ سینٹر، بھارتی ادارۂ تحقیق، شعبۂ تعلیمی تکنیک اور رہائشی اسکول وغیرہ بھی چلا رہی ہے۔ سنسکار کیندر خاص طور پر قبائلی یا پسماندہ علاقوں میں چلائے جارہے ہیں جہاں ان کی تعداد ایک ہزار ہے۔ بھاؤ راؤ دیورس صاحب ودیا بھارتی کے چیف پیٹرن ہیں۔

" ودیا بھارتی کے ایک پمفلٹ کے مطابق، اس کا نصب العین ہے: ایک ایسے راشٹریہ (قومی) تعلیمی نظام کو پروان چڑھانا جو ایسی نوجوان نسل کی نشو و نما کرے جو ہندو اقدار و اسوہ پر یقین کامل رکھتے ہوں۔ گہرائی تک راشٹریہ ہوں۔ اور جسمانی، ذہنی، دانشورانہ اور روحانی اعتبار سے پوری طرح ترقی کر سکیں"۔ چنانچہ سرکاری نصاب کے علاوہ طلبا کو یہاں پر یوگا، سنسکرت، اور اخلاقی تعلیم یعنی ہندو دھنیات کی تعلیم بھی لازماً دی جاتی ہے۔ ودّیا بھارتی کے اسکولوں کی دیواروں کو ہندو تاریخ اور دھنیات کی تصویروں سے مزین کیا جاتا ہے۔ رام ان کے لیے انسانی کردار کا بہترین نمونہ ہیں۔ دہلی ششو مندر کے ایک استاد کے بقول: "ہم اپنے بچوں کو بھارتی سنسکرتی (ہندو ثقافت) کی تعلیم دیتے ہیں۔ زسری سطح سے ہی انہیں اپنے اساتذہ کے پیر چھونا سکھایا جاتا ہے یا یہ کہ جس طرح ہم اپنے جنم دن مناتے ہیں۔ سنسکرت اشلوک پڑھ کر، دیوی سرسوتی کی پوجا کر کے۔ وہ سب بھارتی سنسکرتی کے خطوط پر ہے۔"

تاہم اتر پردیش میں ودّیا بھارتی کے ریاستی تنظیمی سکریٹری برھم دیو شرما کا دعویٰ ہے "مدرسے اور کانونیٹ اسکول تو ایک خاص مذہب سے وابستہ ہوتے ہیں جب کہ ہمارے اسکول کسی مذہب سے اتنا وابستہ نہیں ہیں جتنا کہ وہ راشٹریتا سے وابستہ ہیں۔ ہم لوگ خرافات پسند (Dogmatic) نہیں ہیں"۔ چنانچہ اساتذہ کو بھی ودیا بھارتی کے کسی اسکول میں ملازمت حاصل کرنے کے بعد راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے نظریات سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے ایک خصوصی چار روزہ کیمپ میں تربیت حاصل کرنا ہوتی ہے۔ اساتذہ کے ماہانہ سیمینار بھی منعقد ہوتے ہیں جن کا موضوع بحث "ہندوستان ایک ہندو راشٹر کیوں ہے؟" اور "رام جنم بھومی کی راشٹر کے ثقافتی ورثہ میں کیا اہمیت ہے؟" جیسے موضوعات ہوتے ہیں۔ تبدیلی نصاب اور بالخصوص نئی تاریخ نویسی کے تعلق سے شرما کہتے ہیں۔ "اگر اسلام یا عیسائیت کے نام پر اس ملک میں کچھ جرائم کیے گئے ہیں، تو ہم ان کو چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کریں گے۔" (8 Sunday / 1- 7 Dec' 91)

ودیا بھارتی کے اسکولوں کی سب سے زیادہ تعداد (۱۳۲۵) اتر پردیش میں ہے اس کے بعد مدھیہ پردیش (ایک ہزار) کا نمبر آتا ہے۔ ودیا بھارتی اپنے اسکولوں کی تعداد اگلے پانچ برسوں میں دوگنا یعنی دس ہزار کرنا چاہتی ہے اور تحقیقی ادارے نیز ٹیچر ٹریننگ کالج بھی کھولنا چاہتی ہے۔ اتر پردیش کے بھارتیہ جنتا پارٹی کی سرکار کے دور میں ودیا بھارتی کو اپنے میں کچھ آسانیاں بھی میسر آئی تھیں۔ لیکن اس سے اندازہ لگانا غلط ہوگا کہ اس کے اسکولوں میں فیس کی شرح کچھ کم ہوگی۔ دہلی میں اس کے پرائمری

اسکولوں کی اوسطاً فیس ایک سو روپے اور ثانوی سطح پر اوسطاً ڈھائی سو روپے ماہانہ ہے جب کہ غازی آباد کے دیہی اسکول میں بھی ۲۵ روپے ماہانہ لیے جاتے ہیں۔

مدھیہ پردیش کی بھارتیہ جنتا پارٹی کی حکومت کے دور میں وہاں اس کے ساتھ ۱۸۰۰ اسکول وابستہ ہو گئے تھے اور ودیا بھارتی کو یہ اختیار دے دیا گیا تھا کہ وہ ریاستی تعلیمی بورڈ کے مساوی اپنے امتحانات خود ہی کر سکتی ہے۔ جسے سرکار تسلیم کرے گی۔ یہ ایک قسم کی متوازی تعلیمی بورڈ بن گیا تھا۔ جس پر سرکاری محکمۂ تعلیم کا کوئی کنٹرول نہیں تھا۔ ودیا بھارتی کے اسکولوں میں تقرر پانے والے اساتذہ کے لیے بھی وہ تعلیمی معیار مقرر نہیں کیا گیا ہے جو سرکاری اسکولوں کے لیے لازم ہوتا ہے البتہ ان اساتذہ کے لیے ایک شرط لازمی یہ ہے کہ وہ راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے پرچارک ہوں

ودیا بھارتی ایک ماہنامہ رسالہ "دیوپتر" بھی نکالتی ہے جو "شسشو مندر" کے طلبا کے لیے معاون لٹریچر کی حیثیت رکھتا ہے اس رسالہ میں راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے لیڈروں کی قصیدہ خوانی ہوتی ہے۔ (The Hindu / 8 Oct' 92 / P1)

تنظیمی لحاظ سے ودیا بھارتی کے اسکولوں کو ، حلقوں (Zones) کے زیر اہتمام کر دیا گیا ہے۔ اس طرح پورے ہندوستان کی تقسیم — اتر پردیش ، مدھیہ پردیش ، مشرقی ریاستیں (بہار ، اڑیسہ ، مغربی بنگال ، شمال مشرق — مغربی ریاستیں (راجستھان گجرات) جنوب ، مہاراشٹر۔ ان علاقوں کے تعلیمی اداروں کے علاوہ ودیا بھارتی کے کچھ ذیلی ادارے بھی ہیں:—

۱۔ **ہاف لانگ اسکول** یہ آسام میں قبائلیوں کا رہائشی اسکول ہے جو ۱۹۸۲ء میں قائم کیا گیا تھا۔

۲۔ **جن شکچھا سمیتی** اس کے تحت دیہی علاقوں میں اسکول چلائے جاتے ہیں۔ بھارتی جنتا پارٹی کی سرکار نے ان غیر تسلیم شدہ اسکولوں میں سرکاری امتحانات کرائے تھے۔

۳۔ **سرسوتی سنسکار کیندر** اس کے تحت گندی بستیوں میں دو گھنٹہ کے لیے شبانہ کلاسیں ہر روز لگائی جاتی ہیں۔

۴۔ **بھارتی ادارہ برائے تعلیم تحقیق** اس کا صدر دفتر لکھنؤ میں اور دیگر تحقیقی مراکز جبل پور ، اُجین ، جے پور ، چندی گڈھ ، میرٹھ اور بنارس میں ہیں۔ "ان تحقیقی اداروں نے اب تک کی تحقیق سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ نصابی کتابیں بے لذت ہیں ، دیش کی مٹی سے جڑی ہوئی نہیں ہیں لہٰذا ان میں ترمیم کی جاتی چاہیئے" اتر پردیش اور مدھیہ پردیش کی درسیات میں جو تبدیلیاں کی گئی تھیں ، وہ اسی ادارہ کی سفارش کردہ تھیں۔ (पाञ्चजन्य /5 अप्रैल 1992)

بھارتیہ مزدور سنگھ (BMS)

مزدور طبقات میں کمیونسٹ تحریکات کے بڑھتے ہوئے اثرات کا مقابلہ کرنے کی غرض سے راشٹریہ سویم سیوک سنگھ نے ۱۹۵۵ء میں ایک مزدور تنظیم بھارتیہ مزدور سنگھ کے نام سے قائم کی تھی۔ سنگھ کے ہی ایک سربرآوردہ لیڈر اور ہندتو کے نظریہ ساز دتوپنت ٹھینگڑی کو اس مزدور تنظیم کا سربراہ بنایا گیا۔ لیکن مزدور سنگھ کو پہلی مرتبہ بڑے پیمانہ پر قدم جمانے کا موقع ۱۹۶۷ء میں اس وقت ہاتھ آیا جب مرکزی کانگریسی حکومت کی منظوری سے لائف انشورنس کارپوریشن میں حساب کتاب کے کام کے لیے کمپیوٹر لگانے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ بلراج مدھوک کے مطابق: "اس میں شک نہیں کہ محنت کم کرنے کا ذریعہ ہیں (تاہم) ان کی وجہ سے لوگ ملازمت سے ادھر ادھر ہو جاتے ہیں۔ دراصل یہی ان لوگوں کا ایک بڑا مقصد ہے۔ اور یہ کہ "ہمارے پاس کافی سرمایہ نہیں ہے۔ ہم اس کے لیے غیر ممالک سے بھیک مانگتے ہیں لیکن جو ہمارے پاس ہے ، ہم اسے استعمال نہیں کرتے ہیں۔ ہم اپنی زبردست افرادی قوت کو بے کار رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ کس قسم کی پالیسی ہے ؟"

(Balraj Madhok / on India's Foreign & National Affairs Policy / P 97- 8)

بھارتیہ مزدور سنگھ اپنی مادری تنظیم راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے نظریات کی مطابقت میں "مزدوروں کے معاملہ میں کسی غیر ملکی فلسفہ کو تسلیم نہیں کرتا۔" چنانچہ اس نے "یوم مئی" کے متبادل کے طور پر "وشوکرما جینتی" کو رواج دیا ہے۔ واضح رہے کہ — مائیتھولوجی کے مطابق دست کاری کے دیوتا وشوکرما ہیں اور ہندو دست کاروں مثلاً ہندو لوہاروں اور بڑھیوں میں یہ روایت چلی آ رہی ہے کہ وہ وشوکرما کے یوم پیدائش پر کوئی کام نہیں کرتے اور اپنے اوزاروں کی پوجا کرتے ہیں۔ حکومت ہند نے بھی اس دن کی اہمیت دی ہے اور کارخانوں نیز تعلیمی اداروں میں اس دن چھٹی رکھی جاتی ہے بلکہ بہت سے مقامات پر پوجا اور ہَوَن وغیرہ کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔

بھارتیہ مزدور سنگھ کا جھنڈا ہندتو کے راشٹریہ رنگ ، کیسریا رنگ کا ہے۔ لیکن اس کے فلسفہ میں مغربی سرمایہ داری کا رنگ صاف نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر وہ کہتے ہیں "جو لوگ بھی مزدور کے عنوان سے پکارے جائیں ان سب کے لیے اقتصادی مساوات کا رویہ اپنایا جائے لیکن مہنگائی اور طبقاتی فرق کی بنیاد پر مزدوری کی رقم میں اضافہ تب تک نہ کیا جائے جب تک غیر ملکی قرضوں سے ملک سبک دوش نہ ہو جائے" (اور یہ ظاہر ہے کہ ایسا کبھی ہونے سے رہا) چنانچہ ان کا نعرہ یہ بھی ہے: "راشٹر کی صنعت کاری محنتوں

کو آزادی اور مزدوروں کا راشٹریہ کرن ہے (افکار ملی، اپریل ۱۹۹۲ء، صلا۲)

بھارتیہ مزدور سنگھ کے افراد اپنی تنظیم کو کانگریس پارٹی کی مزدور تنظیم انڈین نیشنل ٹریڈ یونین کانگریس کے بعد ملک کی دوسری بڑی مزدور تنظیم بتلاتے ہیں۔ ملک میں جہاں کہیں بھی صنعتی اکائیاں پائی جاتی ہیں، بھارتیہ مزدور سنگھ کے افراد بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن مہاراشٹر، مدھیہ پردیش، تامل ناڈو، اڑیسہ، گجرات، بہار اور مغربی بنگال میں یہ خاص طور پر سرگرم ہے۔ ایک دعویٰ کے مطابق ۱۹۹۲ء کی ابتداء میں ملک میں اس کی دو ہزار ۶ سو اکائیاں ہیں۔ ممبروں کی تعداد ۳۲ لاکھ ۴۲ ہزار ۹ سو ۵۸ تھی۔ (افکار ملی، اپریل ۱۹۹۲ء، صلا۲)

۱۹۸۷ء میں بیمار کارخانہ (Sick Units) ایکٹ منظور ہو جانے کے بعد بھارتی مزدور سنگھ نے کانی ٹیوبس لمیٹڈ کرمچاری یونین اور بھارتی جوٹ مل مزدور سنگھ کے تعاون سے "دو بیمار کارخانوں کو مزدوروں کی کوآپریٹیوز کی ملکیت میں لاکر سرکاری مالی اداروں کے تعاون سے چالو کرنے" کی اسکیم بھی بنائی ہے۔ یونین کی اپیل پر سپریم کورٹ نے ریاستی سرکار کو حکم دیا کہ مزدوروں کی کوآپریٹیو مندرج کر لی جائے اور پھر ستمبر ۱۹۸۸ء میں فیصلہ دیا کہ مزدوروں کو کارخانہ چلانے کی اجازت دی جائے۔ "مزدوروں نے عہد کیا کہ اگلے تین برسوں میں وہ اپنی مزدوری میں اضافہ کا مطالبہ نہیں کریں گے۔ (بلکہ) پہلے سال مزدوری کا ۵، فیصد اور دوسرے سال ۵، فیصد ہی لیں گے۔" اس طرح کانی ٹیوبس لمیٹڈ کو "سیٹر فار ورکرس مینجمنٹ" کے تحت چلایا گیا۔ اس ادارہ کے سربراہ دامودر ٹھینگڑی سے ۱۲ دیگر بیمار کارخانوں نے بھی رجوع کیا ہے اس طرح بھارتی مزدور سنگھ کی پہل پر مغربی بنگال کے نیو سنٹرل جوٹ ملز کمپنی لمیٹڈ کو بھی چلایا جا رہا ہے۔ (पाञ्चजन्य, 23 अप्रैल 1992 P67-8)

ہندو سیوا پرتشٹھان

۱۹۸۲ء میں بنگلور (کرناٹک) میں شری بیجا ورسوامی کی قیادت میں اس کا قیام عمل میں آیا تھا۔ جو لوگ سیوا بھارتی کے ذریعہ "خدمت گزار" (सेवाव्रती) بنائے جاتے ہیں، ان کا ہی اس ادارے میں تقرر ہوتا ہے۔ آغاز کار میں اخبارات میں اشتہار دیکر ۹ افراد ہی بہم پہنچائے جا سکے تھے۔ آج یہاں ۴۲ مرد اور ۵۴۰ خواتین کام کر رہے ہیں۔ ادارہ کے اغراض و مقاصد میں "تعلیم اطفال، بیداری خواتین، چھوا چھوت کا خاتمہ، سماجی یگانگی، یوگا اور سنسکرت کی ترقی، قومی افتخار کی بیداری اور ثقافتی ترقی دیہاتی ترقیات، حفظان ماحول، دیہی صحت پروگراموں میں سطا اپاہج اور غبی بچوں کی تعلیم و تربیت وغیرہ شامل ہیں"

(पाञ्चजन्य 23 अप्रैल 1992 P63-64)

ہندو سیوا پرتشٹھان کے تین ذیلی ادارے بھی ہیں۔

۱۔ اپاہج سیوا بھارتی اس کی باگ ڈور کلیتاً خواتین کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ پروگرام ۱۲ اپریل ۱۹۸۹ء کو بنگلور اور اس کے مضافات میں شروع کیا گیا تھا اس پروگرام نے اپاہج بچوں کی خدمت کے لیے نو ذمہ داریاں قبول کی ہیں۔ گھر پر علاج اسکیم، سویم سیوا سمیتی، مکمل تعلیم، کم لاگت کارخانے، پیشہ ورانہ تعلیم روزگار، اجتماعی تنظیم (خواتین میں) نصاب تعلیم، مردم خیزی، اور دیگر تنظیموں کے ساتھ تعاون۔

۲۔ سیوا ان ایکشن یہ ذیلی ادارہ اپاہج بچوں کے لیے وقف ہے۔ ۴۰ گاؤں اس اسکیم میں شامل کئے گئے ہیں۔ اپاہج بچوں کی ضروریات تلاش کرکے انھیں دوائیں بہم پہنچانے کے علاوہ ان کے آپریشن کا انتظام بھی کیا جاتا ہے۔

۳۔ شعبۂ سنسکرت یہ شعبہ بڑی تعداد میں لوگوں کو سنسکرت میں بول چال کے لائق بنا چکا ہے ۱۹۸۴ء میں اپنے قیام سے اب تک یہ شعبہ اندرون ملک ہی نہیں بیرونی ممالک میں بھی اپنے کام کی توسیع کر چکا ہے۔ اس کے لیے یہ شعبہ ہزاروں مقامات پر "لیکچر کیمپ" لگاتا ہے۔ "جنوبی کنڑ ضلع کے کندہ پور علاقہ میں ۲۵ خواتین سیوا برتیوں نے کیمپ لگاکر ۸ ہزار سے زائد لوگوں کو تعلیم دی جن میں سے ۵ ہزار سے زائد افراد نے جات پات کا تفرقہ ختم کرکے "سنسکرت سنگم" پروگرام میں حصہ لیا۔"

(पाञ्चजन्य 23 अप्रैल 1992 P63-64)

ہندو سیوا پرتشٹھان کی کچھ اہم سرگرمیاں حسب ذیل ہیں ....

۱۔ ۵۰۰ سے زائد سیوا برتیوں کو تعلیم کے کام میں لگایا ہے۔

۲۔ "راشٹریہ اور اخلاقی سنسکار" بخشنے کی غرض سے سیکڑوں کی تعداد میں "بال گوکل" اور سنسکار کیندر چلائے جا رہے ہیں۔

۳۔ بچوں کی ماؤں کو منظم کرنے کے لیے "ماتری منڈلیاں" قائم کی ہیں جن میں ان ماؤں کو فن موسیقی، سنسکرت، یوگا، گھریلو معالجہ وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔

۴۔ اسپتال بھی چل رہا ہے۔

۵۔ بنگلور میں "مہیلا سوا دلمبن" اسکیم کے تحت کمزور خواتین کو روزگار کی تربیت دے کر خود کفیل بنایا جاتا ہے۔

۶۔ "ودیا ندھی" منصوبہ کے تحت ۱۹۸۳ء سے غریب طلبا کو وظائف دیئے جا رہے ہیں۔ (पाञ्चजन्य 23 अप्रैल 1992 P63-64)

ویویکانند کیندر

۱۹۶۳ء میں ایکناتھ رانا ڈے راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے جنرل سیکریٹری (सरकार्यवाहक) کے عہدے سے ریٹائر ہوئے اور انہیں کل ہند دانشور چیف (बौद्धिक प्रमुख) کی ذمہ داری دی گئی اس وقت شری پادشلا (کنیا کماری) پر سوامی ویویکانند کی یادگار بنانے کا منصوبہ بنا اور اس کی زیادہ تر ذمہ داری رانا ڈے جی پر ہی ڈالی گئی۔ اس پروگرام کی بہت مخالفت کی گئی۔ بالخصوص ـــ مشنریوں کی طرف سے جو اس پہاڑی چوٹی پر "میری ماتا" (Mary) کی مورتی لگانے کی فکر میں تھے۔ لیکن یہ رانا ڈے جی کی پالیسی اور مہارت تھی کہ نیز ان کے خیالات کی غیر معمولی قوت تھی کہ بھارت سرکار سے لے کر تمام ریاستی سرکاروں نے اس میں مالی امداد دی بلکہ بھارت کے راشٹرپتی شری پراہ بینکٹ گری نے اس کا افتتاح بھی کیا۔ (पाञ्चजन्य 5 अप्रैल 1992) اسی دوران رانا ڈے جی کو احساس ہوا کہ یادگار اس وقت تک ادھوری رہے گی جب تک کہ سوامی جی کے آدرشوں کو عملی شکل میں نافذ کرنے والے منصوبے بھی نہ شروع کیے جائیں۔ اس طرح ۱۹۸۲ء میں اس مرکز کا افتتاح ہوا۔

ویویکانند مرکز کی کچھ اہم سرگرمیاں حسب ذیل ہیں :

۱۔ تعلیمی مراکز اس وقت ۱۹۹۲ء یہ مرکز ارونا چل پردیش میں ۱۵ رہائشی اسکول قبائلی بچوں کے لیے چلا رہا ہے۔ آسام میں دو (تن سکیا اور رڈ بر وگنڈھ میں) اندمان میں ایک۔ اور کنیا کماری میں ایک۔ تروینے دلی اور رام ناڈ ضلعوں میں علی الترتیب ۱۵، ۲۸، ۷ بال باڑیاں، چلائی جا رہی ہیں ـــ

۲۔ تربیت اساتذہ ہر بال باڑی، مرکز میں کنیا کماری کمپلکس سے تربیت یافتہ دو اساتذہ بچوں کو پرارتھنا، بھارتی ثقافت اور حروف تہجی پڑھانے کے لیے بھیجے جاتے ہیں۔ ۱۹۷۲ء میں اس مرکز تا عمر خدمت خلق کرنے والے ([illegible]) اساتذہ کا پہلا تربیت یافتہ جتھا پوروانچل میں خدمت انجام دینے کے لیے بھیجا گیا تھا ـــ

۳۔ مراکز صحت انہی ضلعوں میں ۳۱ دیہی صحت کے مراکز بھی چل رہے ہیں۔ تقریباً ۱۲۵ دیہاتوں کے ایک لاکھ دس ہزار افراد کو اس کا فائدہ پہنچ رہا ہے۔ ناگر کوئل میں "شری ماں کلینک" "مفت علاج امراض نسواں" کے لیے چلایا جا رہا ہے ترونیل ویلی ضلع میں ایک اجتماعی شفاخانہ امراض چشم ہے جس نے مختلف کیمپوں میں ۱۵ ہزار لوگوں کا معائنہ اور دو ہزار افراد کا موتیا بند کا آپریشن کیا ہے ـــ

۴۔ یوا کیمپ (نوجوانوں کا کیمپ) نوجوان نسل بالخصوص نوجوان سماجی کارکنان کو تربیت کے لیے یہ کیمپ لگائے جاتے ہیں جن میں پد یاترا، سائیکل یاترا، کھیل کود وغیرہ کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔ اب تک ۱۵۰ کیمپوں میں ۵۰۰۰، نوجوان لڑکوں اور ۲۵۰ کیمپوں میں دو ہزار نوجوان لڑکیوں کو تربیت دی جا چکی ہے ـــ

۵۔ یوا مندر ایک کیمپ کے انعقاد کے دوران عام طور پر ۲۵ سے ۳۰ نوجوان یعنی یوا ([illegible]) جمع ہو کر بھکتی، دیش بھگتی کے گیت، دھرم اور ثقافت پر تبادلہ خیال کرتے ہیں ـــ روزانہ تین گھنٹے شرم دان جسمانی محنت بھی کرتے ہیں۔ مندر میں کی جانے والی خدمات میں مندر کی صفائی، تالابوں کو گہرا کرنا، سڑکیں اور کھیل میدان بنانا وغیرہ بھی شامل ہے۔ ترونیل ویلی اور کنیا کماری ضلعوں میں ۲۵ نل لگائے گئے اور دو کنوؤں کو گہرا کیا گیا ـــ

۶۔ دیپ پوجا ہر مہینہ کسی مقامی مندر میں جمع ہو کر خواتین دیوی ماں کی علامت "دیپک" (چراغ) روشن کرتی ہیں۔ بعض منڈلیوں کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ تقریباً ۲۲۰ مختلف مقامات پر ۶ ہزار دیہی خواتین کو جمع کر کے یہ پروگرام چلتے ہیں اب تک ۶۰ ہزار خواتین اس پروگرام میں حصہ لے چکی ہیں ـــ

۷۔ مقابلے ہر سال تقریباً گیارہ سو اسکولوں کے دس ہزار بچوں کے لیے تعلیمی اور ثقافتی مقابلے کرائے جاتے ہیں۔ اور انعام دیے جاتے ہیں ـــ

۸۔ سنسکرت ۶ تا ۱۶ برس کی عمر کے بچوں کے لیے گاؤں کے مندروں میں سنسکرت کی تعلیم کا اہتمام کیا جاتا ہے ان بچوں کو دیش بھگتی اور بھگوت بھکتی کی تعلیم دینے کے لیے گیت اور دیگر دھرم گرنتھوں (مذہبی صحیفوں) کی کہانیوں کا درس دیا جاتا ہے ـــ

۹۔ اعلیٰ امتحان یونیورسٹی سطح کے طلبا سوامی ویویکانند کی تعلیمات پر مبنی امتحانات میں شریک ہوتے ہیں۔

۱۰۔ فلم مندروں میں تیوہاروں کے مواقع پر دانشوروں کی تقاریر اور فلموں کے ذریعہ اخلاقی اقدار کی تبلیغ کی جاتی ہے۔

۱۱۔ لائبریریاں اس مرکز کی جانب سے مختلف دیہاتوں میں ۶۲ لائبریریاں چلائی جا رہی ہیں۔ ہر لائبریری میں ۳۵۰ سے ۴۰۰ تک کتابیں مہیا ہیں ـــ

۱۲۔ حوادث حوادث زدگان کی امداد کے لیے کارکنان کو مستعد رکھا جاتا ہے۔ رام ناڈ ضلع کے تمل رفیوجیوں کے لیے اس مرکز نے مقامی افراد سے دو ہزار کلوگرام چاول جمع کیا تھا۔ کیلونگوڑا کے فساد زدہ افراد کے لیے ۸۲۰۰ روپیوں کے برتن اور ریلیا نگوڑی ضلع میں جھونپڑیوں کے لیے ۶۵ ہزار روپیوں کا سامان فراہم کرایا تھا ـــ

۱۳۔ امرت یوجنا

خدمتِ خلق کو بڑھاوا دینے کی غرض سے " امرت سورکبھی " نامی منصوبہ چلایا جارہا ہے جس کے تحت خدمت خلق کے نعرے کپڑے کے تھیلوں پر چھاپ کر گھر گھر بہت لوگوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں جس میں وہ روزانہ ایک مٹھی چاول جمع کرتے ہیں جو اختتام ماہ پر مرکز کو دے دیا جاتا ہے۔

بھارتی آدیم جاتی سیوک سنگھ

" اکتوبر ۱۹۴۸ء میں گاندھی کے قریبی دوست ٹھکر باپا کی پہل پر گنگزدے (دہلی) میں واقع " ہریجن سیوک سنگھ " کے دفتر میں کچھ گاندھی وادی سماجی کارکنان اور بن باسی (قبائلی) میں سرگرم سماجی تنظیموں کے نمائندوں کی ایک نشست ہوئی۔ اور اس طرح یہ سیوک سنگھ وجود میں آیا۔ ٹھکر باپا کے لگائے اس پودے کی وقتاً فوقتاً پنڈت گوبند ولبھ پنت، ڈاکٹر راجیندر پرشاد اور مرارجی ڈیسائی جیسے لوگوں کی محبتوں نے آب یاری کی ہے۔ اس طرح یہ پودا رفتہ رفتہ ایک " برگد " بن گیا۔ زمانۂ حال میں اس برگد کی رکھوالی کی ذمہ داری بحیثیت صدر شری جناردن ہری چنچالکر کے سپرد ہے۔ (पाञ्चजन्य, 5 अप्रैल 1992)

ملک بھر میں اپنی تقریباً ایک سو معاون تنظیموں اور تین ہزار کارکنان کی معرفت سے یہ سنگھ آج ۱۸۲۷ سے زیادہ سیوا کیندر (مراکز خدمت) چلا رہا ہے۔ ان مراکز میں بن باسی بچوں کے لیے بال باڑی، آنگن باڑی، یتیم خانے اور پرائمری اسکول، نوجوانوں کے لیے تربیت روزگار کیمپ، بے سہارا خواتین کے لیے گھریلو دستکاری صنعتیں اور مہیلا آشرم، نیز ضعیف العمر افراد کے لیے آشرم اور اسپتال وغیرہ شامل ہیں۔ (حوالہ سابق)

" اس کے علاوہ بن باسی زندگی کے موضوع پر معیاری لٹریچر شائع کرنا، جنگلوں کو اندھا دھند کٹائی کا شکار بننے سے روکنا، بن باسیوں کو ٹھیکیداروں کے استحصال سے بچانے کے لیے جنگلوں کا خود ٹھیکہ لینا اور اسی طرح کے مختلف کام یہ تنظیم کر رہی ہے۔ پورو انچل کے گارو۔ کھاسی قبائل سے لے کر گجرات، ست پڑا، بہار، اترپردیش اور انڈمان تک تمام قبائلی علاقوں میں اسی تنظیم کی اکائیاں سرگرم ہیں۔" (حوالہ سابق)

" قبائلی علاقوں میں پنپ رہے نکسل واد کے بارے میں شری چنچالکر کہتے ہیں: " جو کہیں کہیں نکسل واد کامیاب ہوتا دکھائی دیتا ہے، تو یہ اصل میں سرکار کی ناکامی ہے۔ سرکار اور سرکار کے پٹھو دھنا سیٹھ بن باسی خواتین کے جسمانی استحصال سے لے کر انہیں بندھوا مزدور بنانے تک ہر ممکن طریقے سے ان کا خون چوسنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اس صورت میں نکسلی کامیاب ہو گئے ہیں۔ آپ بن باسیوں کا استحصال ختم کر دیجیے، نکسلیوں کو وہ خود ہی مار مار کر بھگا دیں گے۔ ہمارے ہاں اب خواتین میں تعلیم کا رواج بڑھ رہا ہے۔ شراب کی کھپت گھٹ رہی ہے۔ اور موقع ملنے پر ہمارے قبائلی نوجوان زندگی کے ہر میدان میں اپنی صلاحیتوں کا ثبوت پیش کر دیں گے۔" (حوالہ سابق)

کچھ ثقافتی ادارے

" بھارتی تہذیب کو مغربی تہذیب کی اندھی نقالی سے جو ثقافتی خطرہ لاحق ہے، اس کو ختم کرنے کا ایک اور ہی راستہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ قدیم بھارتی اقدار کے تئیں عقیدت پیدا کی جائے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ کسی سماج کی ثقافت اس کے فن میں منعکس ہوتی ہے اور کسی راشٹر کے ثقافتی زوال سے قبل اس کی فنی ترقی منجمد ہو جاتی ہے۔" (पाञ्चजन्य 5 अप्रैल 1992) ہندتو کو ثقافتی میدان میں مقبول بنانے کے لیے کچھ تنظیمیں خاص طور پر سرگرم ہیں ان کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔

سنسکار بھارتی

یہ ۱۹۸۱ء میں قائم ہوئی تھی اور اس کو " بھگتی تو بیدتا " نے جنم دیا تھا۔ اس کام کی ترغیب دینے میں اہم رول ہری بھاؤ واکنکر کا تھا جنھوں نے " بھارتی تہذیب کو عالمی رخ دینے کی مہم چھیڑ رکھی تھی۔" اس وقت سنسکار بھارتی " ملک گیر ادارہ ہے اور پچیس

میدانوں میں ایک ایک فرد کے تعاون سے سنسکار پیدا کرنے والے پروگرام پیش کر رہا ہے۔" اس کے جنرل سیکریٹری جگدیش پال کا یہ سنسکار بھارتی کا راسخ عقیدہ ہے: "فنون انسان کو نئے سرے تراشنے، بنانے کے عمل میں ایک اہم ذریعہ کا کام کر سکتے ہیں۔ چنانچہ فن کی سنسکاری صلاحیتوں کو پھر سے مؤثر بنانے، ثقافت میں فن کی تخلیقیت کے احیاء، اور فنکاروں نیز فن پسندوں کو "سنسکار کرمی" بنانے کا کام سنسکار بھارتی کر رہا ہے۔" (حوالہ سابق)

سنسکار بھارتی کے اہم مقاصد حسب ذیل ہیں:-

- ملکی فنکاروں اور اس کے اداروں کا تعاون حاصل کرنا۔
- فنون کی تربیت کے لیے کیمپ لگانا اور مقابلے کرنا۔
- فن کو عام کرنا اور سب کے لیے اس کا حصول آسان بنانا۔
- ملکی فنون کو سنسکار دینا۔
- خواتین، دیہی، نونہال فنکاروں کی حوصلہ افزائی کرنا۔
- اچھے لٹریچر (   ) کی تیاری کے لیے ادبا و شعراء کا تعاون حاصل کرنا۔
- ثقافتی گیتوں کی تخلیق کے لیے شاعروں اور عالموں کو راغب کرنا۔

بھارتی وچار کیندر

"یہ ادارہ بھارتی ثقافت پر مبنی ایک نئے فکری انقلاب اور سماجی تعمیر نو کو عام آدمی کے زیادہ سے زیادہ قریب لانے کے لیے سرگرم ہے" یہ اپنی پیش رو تنظیم "پرگیا بھارتی" کا سب سے پہلا ممبر بنا تھا۔ ۱۹۸۲ء میں دتوپنت ٹھینگڑی نے اس ادارے کا افتتاح کیا تھا۔ آج یہ ادارہ کیرالہ میں ہندتو کے دانشورانہ سرگرمیوں کا مرکز بن گیا ہے۔ اس کا صدر دفتر ترواننت پورم میں واقع ہے جہاں اس کی بہت بڑی لائبریری بھی ہے۔

" بھارتی وچار کیندر آج بہت سے مفکرین کا مرکز اتصال بن گیا ہے۔ ۱۹۸۴ء میں یہاں شری اروند کے فلسفہ پر ایک سیمنار منعقد کیا گیا تھا۔ ۱۹۸۵ء میں "جنگ آزادی" کے عنوان پر ۲۵ مختلف مقامات پر تقریریں کرائی گئیں۔ جس میں جسٹس وی آر کرشنا ایّر، چندر شیکھر مینن، کیرالہ کے سابق وزیر اعلیٰ اچیوت مینن وغیرہ مفکرین شریک ہوئے تھے۔ ڈاکٹر ایس، آر، راؤ کا دریافت وادیٔ سندھ دوارکا پر لیکچر بھی بہت مؤثر رہا۔

" بھارتی وچار کیندر کی آج ۳۰ سے زائد شاخیں ہیں۔ جہاں نوجوان دانشور مہینہ میں دو بار میٹنگیں کرتے ہیں۔ کیرالہ کے پڑھے لکھے ہندو دانشورانہ ماحول میں اب ہندتو کو پہلے سے زیادہ مقام حاصل ہو رہا ہے۔" (حوالہ سابق)

تپسیا (ریاضت)

کیرالہ میں ثقافتی اور ادبی سرگرمیوں کا ادارہ ہے: "تپسیا" کوژی کوڈ میں ۱۹۷۷ء میں ہفتہ وار "کیسری" کے زیر سایہ اس کا آغاز ہوا تھا۔ مشہور شعراء، مصنفین اور صحافی مثلاً اکیتم، اچیوتن، نمبودری، آنکوڈیان، پی کے نائر، وی ایم کوراتھ، پروفیسر ایس کے موسادوغیرہ اس کی نشستوں میں بھارتی نقطۂ نظر سے اظہار خیال کے لیے جمع ہوتے تھے۔ ایمرجنسی کے دوران تپسیا کے ذریعہ "عوامی جذبات" کو پیش بھی کیا تھا۔ اس وقت سے تپسیا کا سالانہ جشن ایک اہم ثقافتی تیوہار بن گیا ہے۔

اس کی ۱۵ویں برسی پر "کیرالہ کی ثقافتی کھوج" ایک مذہبی سفر جیسا تھا۔ یہ یاترا کنیا کماری سے شروع ہو کر گوکرن تک گئی اور راستہ میں گرو ویلو تمپی، چٹا بھی سوامی جیسے لوگوں نے اس یاترا کو خطاب کیا۔ تپسیا کے پروگراموں میں بجز کمیونسٹوں کے علاوہ تقریباً سبھی مکاتب فکر کے لوگ بڑی تعداد میں شریک ہوتے ہیں۔ (حوالہ سابق)

سیل (सील)

" آج (۱۹۹۲ء) سے کئی برس قبل ودیارتھی پریشد کے راجکوٹ سیشن میں سیل پروگراموں کے ضمن میں آنے والے پوروانچل کے طلباء و طالبات کو استقبالیہ دیا گیا تھا۔ سیل کا ہندی میں پورا نام ہے بین الریاستی طلباء فلسفۂ حیات (अंतर राज्य छात्र जीवन दर्शन)

ودیارتھی پریشد نے اس پروگرام کی شروعات ۱۹۶۶ء میں کی تھی۔ ہر سال اس پروگرام کے تحت پوروانچل ریاستوں مثلاً آسام، میزورم، ناگا لینڈ، اروناچل، میگھالیہ اور تریپورا کے بن باسی علاقوں کے طلباء و طالبات کا ایک وفد بھارت کی یاترا پر نکلتا ہے جسے ودیارتھی پریشد سے وابستہ افراد کے گھروں میں ٹھہرایا جاتا ہے اور راشٹریہ اسمارکوں (قومی یادگاروں) اور تیرتھ استھانوں کی زیارت کرائی جاتی ہے۔ اس پروگرام سے مستفید ہونے والوں میں اروناچل کے سابق وزیر اعلیٰ گوگانگ اپانگ بھی ہیں۔

کچھ اور ادارے

اکھل بھارتیہ ودیارتھی پریشد

۱۹۴۹ء میں راشٹریہ سویم سیوک سنگھ نے اکھل بھارتیہ ودیارتھی پریشد اپنی معاونت کے لیے قائم کی تھی۔ تاکہ نوجوان نسل کو سنگھ

میں شامل کیا جاتا رہا ہے لیکن اب وہ اپنے آپ میں خود ایک مکمل اور خودمختار ادارہ ہونے کی مدعی ہے۔ سال ۹۲-۱۹۹۱ء میں اس کے ممبران کی تعداد بچاس لاکھ ۶ سو ۷ اسی تھی۔ ۲۔ نومبر ۱۹۹۲ء میں اس کی ۳۸ ویں قومی کانفرنس کانپور میں منعقد ہوئی تھی۔ اس دوران ودیارتھی پریشد اجودھیا تحریک کے سہارے ۔۔۔ طلباء میں اپنی جڑیں مضبوط کرتی چلی گئی اور ۱۹۹۳ء میں اس کے ممبران کی تعداد ۵۵ لاکھ سے متجاوز ہو گئی۔ اس وقت اس کی شاخوں کی تعداد ۱۹۰۰ سے ۲۸۰۰ کے بیچ بتائی جاتی ہے ۔۔ اس کے صدر راج کمار بھاٹیہ ہیں۔ دیگر طلباء تنظیموں کے مقابلہ میں ودیارتھی پریشد کی ایک عجیب و غریب خوبی یہ ہے کہ اس میں طلباء کے ساتھ ساتھ اساتذہ بھی ممبر بن سکتے ہیں۔ اس طرح یہ طلباء تنظیم کلیتاً راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے ہاتھوں میں رہتی ہے۔ راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے بہت سے پروگرام ایسے ہیں جن کی ابتدا اودیارتھی پریشد نے کی تھی ۔۔ اس کی دو مثالیں غیر ملکی گھس پیٹھ مخالفت اور سودیسی تحریک ہیں ۔۔

مئی ۱۹۹۲ء میں ودیارتھی پریشد کی قومی مجلس عاملہ نے دہلی کے چار روزہ اجلاس میں درج ذیل قرار دادیں منظور کی تھیں جس سے اس کی سرگرمیوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ۔۔

- اسلامی فنڈا منٹلزم کا عروج تشویشناک ہے۔ سرکار کو مذہبی فنڈا منٹلزم کی مخالفت کرنا چاہیئے۔
- اس خطرے کے پیش نظر ملک کا سیکورٹی پروگرام مضبوط کیا جانا چاہیئے۔ اس کے لیے سرکار رضاکارانہ تنظیموں کا تعاون حاصل کر سکتی ہے۔
- ٹکنالوجی کو جدید بنانے کے پروگرام شروع کیے جائیں ۔
- ایٹم بم بنایا جائے ۔
- اقوام متحدہ کی کارکردگی قابل اطمینان نہیں ہے۔ اس کے چارٹر اور اس کی کارکردگی میں تبدیلی لانے کے لیے حکومت ہند کو ایک تحریک چلانی چاہیئے۔
- اسرائیل کے ساتھ تعلقات مضبوط کیے جائیں ۔

اکھل بھارتیہ ودیارتھی پریشد کی سرگرمیاں تین بگیھ مخالفت تحریک کے دوران نمایاں طور پر سامنے آئی تھی ۔۔ اس تجربے سے حوصلہ پاکر اکھل بھارتیہ ودیارتھی پریشد نے اپنے طور پر سیاسی پیش رفت کا پروگرام بنانا شروع کر دیا ہے جیسا کہ مئی ۱۹۹۳ء میں اس کی قومی مجلس عاملہ کے ۱۸۰ ممبران نے اپنی چار روزہ دہلی نشست کے فیصلوں سے تاثر دیا ہے۔

- اکھل بھارتیہ ودیارتھی پریشد بیرون ملک کی پروردہ اپنے موجودہ اور متوقع دشمن "اسلامی بنیاد پرستی" سے لے کر بائیں بازو کی انتہاپسندی کے خلاف جارحانہ تحریک شروع کرنے کی منصوبہ بندی کر رہی ہے جس سے اس کے 'ہندوستانی راشٹر' کو خطرہ لاحق ہو۔
- اس کے کل ہند آرگنائزنگ سیکریٹری کا بیان ہے۔ "ہم نہ تو آر ایس ایس کا کوئی فرنٹ ہیں، نہ اس کے اسٹوڈینٹس ونگ ہیں، نہ ہی اس کی پوری ملکیت والا کوئی ادارہ ہیں (یہ ان دنوں کی بات ہے جب آر ایس ایس پر تازہ تازہ پابندی لگی تھی)۔ البتہ ہم سنگھ اسکول کے انداز فکر کا ایک شعبہ ہیں ۔۔"

اکھل بھارتیہ ودیارتھی پریشد نے کچھ ذیلی ادارے بھی قائم کیے ہیں ان میں ۶ اداروں کے نام درج ذیل ہیں :۔

۱۔ عالمی تنظیم برائے طلباء و نوجوانان

یہ تنظیم ۱۹۸۵ء میں شروع کی گئی تھی۔ جولائی ۱۹۹۲ء میں اس کے بین الاقوامی کنونشن کے دہلی میں انعقاد کا پروگرام تھا۔ اس کنونشن میں مختلف ممالک سے دو سو مندوبین کو مدعو کیا گیا تھا ۔۔

۲۔ اسٹوڈینٹس فار ڈیولپمنٹ

یہ ایک نیا فورم ہے جس کے تحت طلباء کو سنگھ مکتب فکر کے ترقیاتی ماڈل سے روشناس کرایا جائے گا۔ اکھل بھارتیہ ودیارتھی پریشد اگرچہ اپنے معاشی پروگراموں میں بائیں بازو کی تنظیموں کی نقالی ہی کر رہی ہے، پھر بھی اس نے اس کو ہندتو کی اشاعت کا بہانہ بنایا ہے۔

۳۔ فارن اسٹوڈینٹس یونین

اس پروگرام کے تحت غیر ملکی طلباء یونینوں کے ساتھ قریبی تعلقات کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔ فی الحال یہ کام ان ہندوستانی طلباء کی معرفت انجام دیا جائے گا جو غیر ملکی یونیورسٹیوں میں تعلیم و تعلم سے وابستہ ہیں ۔

۴۔ سیوا کیمپس

یہ منصوبہ امسال ور تعلیمی اداروں سے بدعنوانیوں اور تعلیمی بے ضابطگیوں کے خاتمہ" کے لیے شروع کیا گیا ہے۔ اس سرگرمیوں کے اہم مراکز عثمانیہ یونیورسٹی، الہ آباد یونیورسٹی، لکھنؤ یونیورسٹی، پونے یونیورسٹی پٹنہ یونیورسٹی، بہار یونیورسٹی، اور جواہر لال نہرو یونیورسٹی بنیں گے ۔ جہاں پر اکھل بھارتیہ ودیارتھی پریشد کا خاصا زور پایا جاتا ہے" (नई दुनिया/8-14 नवंबर/۲۱۱) "سیوا کیمپس" پروگرام کو سوامی وویکانند کی صد سالہ یادگار سے وابستہ کیا گیا ہے ۔

۵۔ تپسیا

۶۔ گھس پیٹھ ورودھی آندولن (دراندازی مخالف مہم)

آخری دو پلیٹ فارموں کی تفصیلات علیحدہ سے بیان کی گئی ہیں ۔۔

ہندو مراتھن، انگلینڈ

۱۹۸۴ء میں بریڈ یونیورسٹی میں "ہندو سنگم" کے پلیٹ فارم سے برطانیہ میں مقیم ہندوؤں کو منظم کر کے کچھ سماجی سرگرمیاں

شروع کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا۔ ان سرگرمیوں کا ایک حصّہ ہے "ہندو مراتھن (دوڑ)" ۲۲۔ دسمبر ۱۹۹۱ء کو اس ہندو دوڑ کا ۸ واں مقابلہ منعقد کیا گیا تھا جس کے مہمان خصوصی تھے بھارتیہ جنتا پارٹی کے اس وقت کے صدر مرلی منوہر جوشی جو جرمنی سے وہاں لائے گئے تھے۔ ۷۰ ہزار افراد کے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے مرلی منوہر جوشی نے ہندو بھائیوں اور بہنوں کا خاص طور پر استقبال کیا اور ان کے ساتھ اظہار یکجہتی کرتے ہوئے انہوں نے اپنی تقریر میں کہا۔ "کھیل کود ہمیشہ سے ہندو زندگی کا جزو رہے ہیں۔ ہندوستان میں خوبصورت شہزادیاں کھلاڑیوں سے شادی کرنا پسند کرتی تھیں۔ دروپدی نے ارجن (جو برہمن کے بھیس میں تھے) سے اسی بنا پر شادی کی تھی کہ وہ صف اوّل کے نشانہ باز تھے۔ حالانکہ وہاں بہت سے شاہزادے موجود تھے جو دروپدی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے سکتے تھے لیکن یہ ارجن ہی تھے جو نشانہ بازی میں ممتاز تھے اور وہ مچھلی کی آنکھ پھوڑنے میں کامیاب رہے۔ اسی طرح سیتا نے رام کے ساتھ اس وجہ سے شادی کی کہ وہ کمان کو جھکا اور توڑ سکے دمینتی نے نل کے ساتھ اس لیے شادی کی کہ وہ گھڑ سواری میں ماہر تھے" اس پروگرام کے انعقاد میں وہ لوگ آگے آگے تھے جنھوں نے ہندوستان یا برطانیہ میں سنگھ سے تربیت پائی ہے یا اس سے وابستہ رہے ہیں۔

(Organiser/1 Dec 91/P.10)

ہندو فورم، انگلینڈ

گذشتہ دسمبر میں برطانیہ کے فسادات کے دوران یہ ادارہ برطانیہ میں لوگوں کو شرم دلانے میں اور ہندوستانی اخبارات میں برطانوی "فسادیوں" کی مذمت کرنے میں سرگرم رہا ہے۔ ہندو فورم کی جانب سے اس سے قبل بھی اجودھیا قضیہ اور دیگر ہندوستانی مسائل پر راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے نکتۂ نظر سے تنقید کی جاتی رہی ہے۔ ہندو فورم کی جانب سے لکھے گئے مراسلات کا ایک نمونہ ہندتو کی صحافت کے ضمن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

ان دو کے علاوہ کچھ اور ادارے بھی برطانیہ میں قائم ہیں جو ہندوستان کے ہندتو کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ یہ ادارے بالعموم راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے ہی پیدا دار ہیں۔

ہندو یہودی دوستی سنگھ

اسرائیل کے ساتھ حکومت ہند کے سفارتی تعلقات قائم ہوتے ہی وشو ہندو پریشد نے "ہندو یہودی دوستی سنگھ" کا خاکہ تیار کر لیا ہے۔ ہندو یہودی دوستی سنگھ کا قیام وشو ہندو پریشد کی بمبئی شاخ کے زیر اہتمام عمل میں لایا جائے گا۔ فی الحال اس کی ضرورت کے بارے میں پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے۔ مثال کے طور پر ہندو یہودی دوستی کے کچھ مشترک اوصاف تلاش کیے گئے ہیں۔

دونوں (ہندو اور یہودی) اپنی تہذیب کی حفاظت کے لیے صدیوں سے حملوں کا سامنا کر رہے ہیں۔
دونوں کا دور مہا بھارت کے دور سے شروع ہوتا ہے۔
دونوں قومیں آج تک زندہ ہیں۔
دونوں کو تقریباً ایک ساتھ آزادی ملی۔
دنیا میں دونوں کے دشمن بھی ایک ہی جیسے ہیں۔

P 13

وشو ہندو پریشد کے نکتۂ نظر سے یہی مماثلتیں ہندوؤں اور یہودیوں کے مابین قریبی تعلق کی ضرورت کا اثبات کرتی ہیں۔ چنانچہ ہندو یہودی سنگھ اپنی سرگرمیوں کے پہلے مرحلے میں دونوں ممالک کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے مابین قلبی دوستی کو فروغ دیگا۔

بھارتیہ کسان سنگھ

اس تنظیم کے بانی راشٹریہ سویم سنگھ کے نظریہ ساز دتوپنت ٹھینگڑی ہیں۔ یہ تنظیم زمینداروں کے مفادات کے تحفظ اور کسان مزدوروں میں ہندتو کی تبلیغ کا کام کر رہی ہے۔

انسداد جذام کا بھارتیہ سنگھ

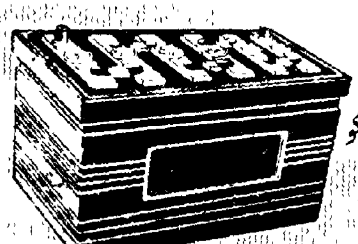
یہ شفاخانہ سداشیو اگووند کاترے نے گرو گولوالکر کے آشیرواد سے بلاس پور (مدھیہ پردیش) میں قائم کیا۔ اس آشرم میں ۸۰ مریض رہتے ہیں جنھیں خوراک، کپڑے اور دوائیں مفت فراہم کی جاتی ہیں۔ ادارہ کے پاس ۵۰ ایکڑ کھیتی ہے جسے ان مریضوں نے پیدا وار کے قابل بنا لیا ہے۔

پنجاب پیڑت سیوا پروگرام سمیتی

۱۹۸۴ء سے یہ سمیتی ہندو سکھ بھائی چارہ کے لیے کام کر رہی ہے۔ اس کے کنوینر پرکاش چندر جوشی ہیں، صدر ہیں ڈاکٹر ہری بلاس رائے اور جنرل سکریٹری راج پال گپتا۔ "سمیتی یتیم بچوں کی پرورش، پڑھائی لکھائی، بیوگان کو روزگار فراہمی، یتیم لڑکیوں کی شادی، دہشت گردی کے مجروحین کے علاج کا کام کر رہی ہے"

بھارتی ادارہ برائے زرعی صنعت

منی بھائی ڈیسائی ۲۴ اگست ۱۹۶۷ء سے اس ادارے کے ذریعہ ہزاروں گاؤں میں روزگار کے مواقع پیدا کر چکے ہیں۔ ۱۹۷۷ء میں شجر کاری پروگرام بھی شروع کیا گیا تھا۔ جنوبی گجرات کے پانچ ہزار بن باسی خاندانوں کے لیے بھی ایک بڑا پروگرام چلایا جا رہا ہے ادارہ کے اہم میدان کار ہیں۔ زراعت پر مبنی پروگرام، پانی فراہمی



صحت انسانی اور بن باسیوں کے سماجی مطالعہ کا استعمال، یہاں یہ ایک اطلاعاتی مرکز بھی قائم ہے۔ کاموں کے لیے کمپیوٹر نیٹ ورک قائم کیا گیا ہے۔

نرمان مزدور سنگم پنچائت

۲؍ اکتوبر ۱۹۸۲ء کو اس کا قیام دہلی کے تعمیراتی مزدوروں کو منظم کرنے کی غرض سے عمل میں لایا گیا ہے اور روہنی علاقہ کو ان کی سرگرمیوں کا مرکز بنایا گیا تھا۔ دسمبر ۱۹۸۶ء میں اس تنظیم نے "قومی مہم تنظیم" سے پلیٹ فارم سے پارلیمنٹ کی پٹیشن کمیٹی کو ایک درخواست دی تھی کہ ملک بھر کے تعمیراتی مزدوروں کے لیے مرکزی قوانین وضع کیے جائیں جس کے بعد پہلی مرتبہ راجیہ سبھا میں دسمبر ۱۹ء میں اس طرح کا بل لایا گیا۔

گیان پربودھنی

پونے کی یہ تنظیم تین تعلیمی ادارے چلاتی ہے۔ ایک انٹرمیڈیٹ سطح کا ہے جس میں قائدانہ صلاحیت، تخلیقیت، انتظامی صلاحیت اور کمپیوٹرز پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ دوسرا پونے میں ابتدائی تعلیم کے لیے ہے۔ تیسرا دیہی بچوں کے لیے زرعی اسکول ہے۔ پربودھنی بیشہ ورانہ اسکول بھی چلاتی ہے اور پونے میں مارشل آرٹس مثلاً جوڈو اور کراٹے کے ۵ مراکز بھی قائم کیے ہیں۔ پربودھنی کے شعبۂ تحقیق کو پونے یونیورسٹی نے تسلیم کر لیا ہے۔ یہاں اب تک ۱۵ ہزار طلبا کی نفسیات پر تحقیق کی جا چکی ہے۔ پربودھنی اس وقت "ہندو سنسکار کے احیاء" اور "لطیف (ادھیاتمک) آیوروید" جیسے موضوعات پر تحقیق کر رہی ہے۔

جن کلیان سمیتی

یہ کانچی کے شنکر آچاریہ جے اندر سرسوتی کے ماتحت قائم ادارہ ہے لیکن گذشتہ دنوں میں شنکر آچاریہ جس طرح سرگرم رہے ہیں، اس کے پیش نظر اس کا ذکر یہاں کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ پچھلے دنوں آچاریہ جے اندر سرسوتی نے حیدرآباد کی ایک پریس کانفرنس میں یہ انکشاف کیا تھا کہ "جن کلیان سمیتی نے پرانے مندروں کا کام بڑے پیمانہ پر شروع کیا ہے اور بہت سے مندروں کی تعمیر تو ریاستی انڈومینٹ ڈپارٹمنٹ کی مالی ... امداد سے کی جا چکی ہے۔ انہوں نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ جن کلیان سمیتی ان کالونیوں میں مندر تعمیر کرائے گی جہاں پر ہریجن اور پسماندہ طبقات کے لوگ رہتے ہیں۔

فرینڈز آف بی جے پی (امریکہ)

یہ فورم امریکہ میں مقیم بھارتی جنتا پارٹی کے حامیوں نے کر رکھا ہے۔ اس کے ذریعہ بھارتی جنتا پارٹی اندرون و بیرون ملک سیاسی حمایت کے علاوہ ہندتو کی تبلیغ اور اس کی امیج بہتر بنانے کا کام بھی کیا جاتا ہے۔ اس ادارے کی جانب سے ہندستان کے ہندتو نواز سیاسی لیڈروں اور صحافیوں کی تقاریر وغیرہ کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔

بھارتی اتہاس وسنسکرتی پریشد (ہندوستانی تاریخ اور کلچرل انجمن)

یہ ادارہ ہندتو لابی نے انڈین ہسٹری کانگریس کے متبادل کے طور پر قائم کیا گیا ہے۔ اجودھیا تنازعہ میں یہ کافی سرگرم رہا ہے۔ اس کے تنظیمی سکریٹری ڈاکٹر سوراج پرکاش گپت ہیں۔ ۱۹۹۱ء میں انڈین ہسٹری کانگریس کے اجودھیا ریزولیشن کا بائیکاٹ کرتے ہوئے اس ادارہ سے وابستہ مؤرخین نے بھوپال سرکار کی مدد سے اپنی علیحدہ ہسٹری کانفرنس منعقد کی تھی، اگرچہ اس ادارہ کی جانب سے اس الزام کی تردید کی گئی تھی کہ "۶ لاکھ تو بڑی بات ہے، مدھیہ پردیش سرکار سے ہم نے ۶ روپے بھی نہیں لیے"، ان کی تاریخ نویسی بھی اسی رنگ کی ہوتی ہے۔

اتہاس شودھک منڈل

یہ ادارہ "بے مثال مؤرخ" پی این اوک کا اپنا ادارہ ہے۔ پی این اوک سے مسلم قاری بخوبی واقف ہیں۔ وہ تمام اہم تاریخی عمارات (جیسے تاج محل وغیرہ) کو ہندوؤں کا بنایا ہوا بتاتے ہیں۔ ان کا دعویٰ یہ بھی ہے کہ ان کی تحقیق نویسی سے عملی فائدہ بھی ہو رہا ہے: "۱۹۶۴–۶۵ء میں احمد آباد کی جامع مسجد کے مسلم ٹرسٹیوں نے میسرز کے سی برادرز پر مقدمہ کر دیا کیوں کہ ان کی بلڈنگ جامع مسجد سے اونچی ہو گئی تھی۔ میں نے مسلمانوں کو چیلنج کیا اور کہا کہ جامع مسجد تو قبضہ کیا ہوا ایک ہندو مندر ہے۔ اس پر احمد آباد کے مسلمانوں نے اپنا مقدمہ فوراً واپس لے لیا۔"

بھارت سادھو سماج

بنیادی طور پر سوامی سروپانند کا ادارہ ہے اور سادھوؤں کی دیکھ بھال کا کام کرتا رہا ہے۔ ۶ر دسمبر ۱۹۹۲ء کے بعد جب وشو ہندو پریشد اور اس کے تمام ساتھی ہندوستانی عوام میں بری طرح ناکام ہو گئے تو کانگریسی لیڈروں کی ایماء پر بھی چندراگوال عرف چندرا سوامی نے اس پلیٹ فارم کو اجودھیا میں مندر کے لیے یگیہ کرانے کی غرض سے استعمال کیا تھا۔

دھرم رکھشا منڈل

اجین کے شنکر آچاریہ سوامی ودیانند اس ادارہ کے

سربراہ ہیں۔ حالیہ ایام میں وہ اس بات کے لیے کوشاں رہے ہیں کہ "مندر کو کسی سیاسی پارٹی کا نشان امتیاز نہیں بننے دیا جائے گا یعنی مندر کی بازی کانگریس کے کریڈٹ میں نہیں جانے دی جائیگی۔

بھارت سنکرتی پریشد

بھارت سنکرتی پریشد کا صدر دفتر نئی دہلی کے رام کرشنا پورم سیکٹر ۶ علاقہ میں واقع سنکٹ موچن آشرم میں قائم ہے اور اس کے جنرل سیکریٹری آچاریہ رام ناتھ "سمن" ہیں۔ بھارت سنکرت پریشد کے اب تک کی سب سے بڑی سرگرمی پچھلے دنوں واشنگٹن میں "گلوب وژن ۲۰۰۰" کے عنوان سے منعقدہ سیمنار کی شکل میں تھی جس میں ہندتو کے موضوع پر ایک بڑی نمائش کا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔

واشنگٹن کانفرنس کے اطلاع نامہ میں کہا گیا تھا "امریکہ کی ہندو تنظیموں نے مل کر ۲۱ ویں صدی کے لیے ایک سیریل پروگرام چلانے کا فیصلہ کیا ہے .... ۱۸۹۳ء میں شکاگو میں منعقدہ عالمی مذاہب کانفرنس میں سوامی وویکانند کی تقریر کے سو برس پورے ہونے پر امریکہ میں مختلف پروگراموں کا انعقاد ہوگا" (पांचजन्य)

گلوبل وژن ۲۰۰۰ کا عملی اہتمام وشو ہندو پریشد (امریکہ) کے زیر اہتمام کیا گیا تھا اور اس کے چیرمین ڈاکٹر مہیش مہتا نے حکومت امریکہ پر الزام لگایا تھا۔ "انتہائی غیر متوقع طور پر ہندوستان مقیم امریکن سفارتخانہ بہت سے مندوبین، فنکاروں اور لیڈروں کو ویزا نہیں دے رہا ہے" وشو ہندو پریشد (امریکہ) کا یہ بھی الزام تھا کہ حکومت ہند اس کانفرنس کے خلاف "منفی مہم" چلا رہی ہے۔ بہرحال امریکی رائے عامہ میں اس کانفرس کو ہندو بنیاد پرستی کی علامت سمجھا گیا تھا اور اس کے تانے بانے صاف نظر آرہے تھے۔

(The Pioneer , 6 Aug 93)

بجرنگ دل

"بجرنگ دل کے چیف کی حیثیت سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ طاقت ہی واحد قانون ہے۔" بجرنگ دل کے سربراہ اور حالیہ ممبر پارلیمنٹ ونے کٹیار (विनय कटियार) نے یہ بات "فرنٹ لائن" (۲۴ اپریل ۱۹۹۲ء) سے کہی تھی۔ بجرنگ دل کا لہجہ کبھی بھی نرم نہیں رہا ہے اور اس کے افراد کی سرگرمیاں بھی مشتبہ رہی ہیں پھر بھی ٹریبونل نے سب سے پہلے اس پر سے پابندی ہٹائی تھی۔ اس بجرنگ دل کے دو ممبران ونے کٹیار اور بی ایل شرما سب سے زیادہ شعلہ بیانی کرتے ہیں۔ اتفاق سے اس وقت یہ دونوں ہی ممبر پارلیمان ہیں لیکن ان کے بیانات و اعلانات کا رنگ کچھ اس طرح کا ہوتا ہے:

ونے کٹیار "اگر پر امن طریقہ سے مندر نہ بنانے دیا گیا تو طاقت کا استعمال کریں گے" (افکار ملی، نومبر ۱۹۹۱ء، ص ۲۹)

اگر بجرنگ دل کے کارکنان کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا ہوتا تو کوئی رام دشمن حکومت کبھی بھی مرکز میں اقتدار حاصل نہ کر سکتی تھی" ہمارا راشٹر ایک ہندو راشٹر ہے اور وہ تمام لوگ جو اکثریت کے جذبات کا احترام نہیں کرتے، انہیں اس ملک میں رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں اور مسلمان اور عیسائی ہندوستان میں رہنا چاہتے ہیں تو انہیں یہ دو نکات تسلیم کرنے ہونگے۔ ایک، انہیں گائے کا احترام کرنا ہوگا اور دوئم، وہ مادر وطن کے خلاف نہ جائیں۔ (ہندو ۱۲ جولائی ۹۳ء ص ۳)

بی ایل شرما "ایک جارح ہندو سماج ہی اس ملک کے مسائل کا حل ہے" "کاشی وشواناتھ اور متھرا کے مندر بھارتیہ جنتا پارٹی کے منشور میں نہ رہے ہوں، راشٹریہ سوئم سنگھ کے باتیوں کے منشوروں میں تو وہ موجود رہے ہیں۔" (دی ہندو ۲ جولائی ۹۳ء) "یہ ہندو قوم ہے اسے جگانے کے لیے اس کی دُم مروڑنی پڑتی ہے۔ یہ موقع تو کر دیا مروا دو ابھی نہیں تو کبھی نہیں کا ہے۔" (افکار ملی، دسمبر ۱۹۹۲ء ص ۴۷)

۱۹۹۱ء میں ونے کٹیار نے بتایا تھا کہ صرف اتر پردیش میں بجرنگ دل کی تعداد لاکھوں میں ہے اور ۵۰ ہزار نئے کارکنوں کی بھرتی کی گئی ہے۔ ابتدا میں بجرنگ دل کو پنجاب کی شیوسینا کے طرز پر اتر پردیش میں "ہندوؤں اور ہندو مفادات کے تحفظ" کی غرض سے وشو ہندو پریشد کی ایک ذیلی تنظیم کے بطور قائم کیا گیا تھا لیکن جلد ہی "جے شری رام" اور "ہر ہر مہادیو" کے نعرہ کے ساتھ بجرنگ دل تیزی کے ساتھ ایک جنگجو بن گئی۔ اس کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو اجودھیا قضیہ اور دوسری یہ کہ راشٹریہ سوئم سیوک سنگھ "آدرنوں" ــــــــ کو بھی ہندو ثابت کرنا چاہتا تھا جب کہ ان پسماندہ طبقات میں ورن نظام سے علیحدگی اختیار کرنے کی باتیں کی جانے لگی تھیں۔

ہندتو کی نئے سرے سے تشریح کرنے کی ضرورت کا احساس

نئی دہلی: بی جے پی کے سینئر لیڈر اٹل بہاری باجپئی نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ پارٹی کو اپنا امیج سدھارنے پر زور دینا چاہیے۔ ان کا احساس ہے کہ عوام میں بی جے پی کو ایک انتہا پسند غیر متوازن اور نقاب اسلام کے تصور کی مخالف جماعت سمجھا جاتا ہے۔ بعض دوسرے لیڈروں کا کہنا ہے کہ اسے برہمنوں اور بنیوں کی پارٹی کہا جانے لگا ہے۔ اطلاعات کے مطابق حالیہ اسمبلی انتخابات میں پارٹی کی شکست کے پیش نظر یہ احساس ابھرا ہے کہ پارٹی میں پسماندہ طبقات کی شمولیت پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔ انہیں نہ صرف کارکن کی سطح پر بڑی تعداد میں لیا جائے بلکہ مختلف عہدوں پر بھی انہیں فائز کیا جائے۔

روزنامہ ہندو (۲ جنوری ۱۹۹۴ء) کی ایک رپورٹ کے مطابق پارٹی کے سینئر لیڈر ہندتو کی مطلق کے مطابق تعبیر و تشریح پر بھی غور کر رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہندتو کو برہمنیت کے مترادف سمجھا جانے لگا ہے۔ لہٰذا اس تصور کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ پارٹی ذرائع کا کہنا ہے کہ اس سلسلہ میں کوششیں بھی شروع ہو چکی ہیں۔ ہریانہ میں جگت پرکاش ندا اور اتر پردیش میں کلیان سنگھ کا پارٹی لیڈر منتخب کیا جانا اس کی ایک کڑی ہے۔

ہندتو کی اہم کتابیں اور رسالے

ترتیب: محمد الیاس حسین

مقولہ مشہور ہے کہ "تلوار کی بہ نسبت قلم زیادہ طاقت ور ہوتا ہے" لہذا ہندتو تحریک نے قلم کا بھی خوب استعمال کیا ہے۔ گزشتہ ڈیڑھ سو سال کے دوران مختلف زبانوں کی کتب کی لائبریریاں تیار کرکے رکھدی ہیں۔ رسائل بڑی تعداد میں شائع ہورہے ہیں۔ ذیل میں کچھ اہم کتابوں اور رسالوں کے نام دیئے جارہے ہیں۔ جن سے ہندتو تحریک کے منشاء و مقصد اور مزاج کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔

हिन्दी

भारतीय साहित्य सदन की पुस्तके -

सावरकर	१ हिन्दू पद पादशाही, राजधानी ग्रथागार
	वितरक- सुरुचि साहित्य, नई दिल्ली
	२ गोमातक (उपन्यास)
	३ हिन्दुत्व के पच प्राण (निबन्ध सग्रह)
	भारतीय साहित्य सदन, नई दिल्ली-१
बलराज मधोक	(१) हिन्दूराष्ट्र (२) भारतीयकरण
	(३) भारतीय जनसघ एक राष्ट्रीयमत
	(४) श्यामा प्रसाद मुखर्जी एक जीवनी
गुरुदत्त	(५) भारत मे राष्ट्र
	(६) भारत गांधी-नेहरू की छाया मे

पता- 'भारती साहित्य सदन' की पुस्तके भारती साहित्य सदन सदन ३०/९० कनॉट सर्कस, नई दिल्ली-१ से प्राप्त की जा सकती है।

जागृति प्रकाशन की कुछ प्रमुख किताबे -

बाबा साहब आप्टे	१ हमारे राष्ट्रीय जीवन की परम्परा	२५ ००
	२ भारतीय समाज चिन्तन	१८ ००
	३ पौराणिक कथा दर्शन	८ ००
मा० स० गोलवलकर	४ सघ दर्शन	१६ ००
	५ हमारे डॉक्टर जी	३ ५०
	६ गुरु-दक्षिणा	४ ००
	७ शिवाजी की महानता	२ ५०
	८ राष्ट्रीय एकात्मकता एक विश्लेषण	३ ००
	९ हम और हमारे विद्यार्थी	३ ००
दीनदयाल उपाध्याय	१० एकात्म मानववाद	१० ००
	११ अखण्ड भारत और मुस्लिम समस्या	३ ००
	१२ हिन्दू सस्कृति की विशेषता	३ ५०
	१३ स्वतत्रता की साधना और सिद्धी	२ ००
	१४ दीनदयाल उपाध्याय की वाणी	३ ००
डॉ० नित्यानन्द	१५ मुस्लिम तुष्टीकरण की मृग-मरीचिका	१० ००
	१६ भारतीय सघर्ष का इतिहास	१० ००
वि० श्री वाकणकर	१७ हम भी नहा डरते मौत से (कहानियाँ)	१० ००
प्रतापनारायण मिश्र	१८ जब लहू ने पुकारा (कहानियाँ)	१० ००
	१९ जब मौत बन गई खेल (कहानियाँ)	१० ००
डॉ० शत्रुघ्न	२० अनरुक पाँव (कहानियाँ)	१० ००
हो० वे० शेषाद्रि	२१ हिन्दू-युग का उषाकाल	७ ००
	२२ हिन्दू-पुनर्जागरण की लहर	३ ००
दत्तोपत ठेगड़ी	२३ दीनदयाल व्यक्ति और विचार	३ ००
	२४ चिन्तन पाथेय	६ ००
	२५ पुराना नीव नया निर्माण	३ ५०
नरेन्द्र सहगल	२६ हमारी भूलो का स्मारक	
	धर्मान्तरित कश्मीर	१५ ००
कृष्णानन्द	२७ सविधान की भावना और सघ	४ ००
	२८ काग्रेस और सघ	
	कितने निकट कितने दूर	३ ००
वि० श्री वाकणकर	२९ वैदिक आर्य सभ्यता एक चिन्तन	६ ००
रज्जू भैया	३० डॉ० हेडगेवार की राष्ट्र को देन	३ ५०
श्याम बहादुर वर्मा	३१ युग पुरुष श्रीराम	६ ००
ल०श्री भिडे	३२ भारतीय राष्ट्रीयता का पुनर्जागरण	३ ००
श्रीमती एनी बेसेंट	३३ हिन्दू-धर्म	५ ००
	राज्य का हिन्दू आदर्श	५ ००
रतनसिंह शाडिल्य	३४ किसान-आन्दोलन	५ ००
कृष्णराव मोहरीर	३५ प्रथम सघ शाखा	२ ००
कु० सी० सुदर्शन	३६ धर्मान्तरण अथवा राष्ट्रांतरण	३ ००

पता जागृति प्रकाशन, एफ०-१०९, सैक्टर-२७ नोएडा-२०१३०१

मा० स० गोलवलकर	राष्ट्र (सकलित) , जानकी प्रकाशन १२१, साउथ एवेन्यू नयी दिल्ली ११०००१
प्रो० धर्मवीर	गुरु गोलवलकर, हिन्द पॉकेट बुक्स (प्रा०लि०) जी०टी० रोड, शाहदरा, दिल्ली-३२
गयाप्रसाद उपाध्याय (सम्पादक)	श्रीराम जन्मभूमि मुक्ति यज्ञ (पुस्तिका) प्रकाशक उषा रानी, विश्व हिन्दू परिषद्, पश्चिम उत्तर प्रदेश, १८/४०६, माईथान, आगरा २८२००३

सुरुचि प्रकाशन की पुस्तकें :-

हरदास बाल शास्त्री	वैदिक राष्ट्रदर्शन (तीन खण्डो मे)
पातुरकर एव अदीश	स्वराज्य सस्थापक शिवाजी (दो खण्डो मे)
सी०पी० भिशीकर	सघ वृक्ष के बीज डॉ० हेडगेवार

पता सुरुचि प्रकाशन, केशवकुज, नई दिल्ली-५५

सुरुचि-साहित्य, नई दिल्ली की पुस्तके -

वेद प्रकाश भाटिया	आर० एस० एस० लोकतत्र का प्रहरी,
	आर० एस० एस० एक झलक
बाला साहब देवरस	हिन्दुत्व तत्व और व्यवहार
	राष्ट्रीय जीवन की अग्निपरीक्षा
	वर्तमान चुनौती और सघ

ओम प्रकाश कोहली — राष्ट्रीय सुरक्षा के मोर्चा पर
अमरकान्त केशव आप्टे — डॉ हेडगवार नाग मुद्रणालय, नागपुर
दीनदयाल उपाध्याय — अमर शहीद

हिन्दी पुस्तक बुक्स —

बाला साहब देवरस — हिन्दू भारतीय, अपना साहित्य, जालधर
सघ शाखा, अपना साहित्य, जालधर

मा० स० गोलवलकर — दिशाबोध, भारतीय विचार साधना, पूना--
राष्ट्रभक्ति लिए हृदय में सघ-सदेश
मुद्रणालय, पटना
विपत्ति में सघ और स्वयसेवक,
मॉडर्न प्रिन्टर, इदौर

मधुसूदन वमन मोघे — भारतीयकरण, राष्ट्रीय धर्म पुस्तक प्रकाशन
इकनाथ रानाडे — हिन्दूराष्ट्र का जीवन-लक्ष्य स्वदेश प्रेस,
लखनऊ (उ०प्र०)
समग्र सावरकर वाङ्गमय — महाराष्ट्र पुस्तक हिन्दू सभा, पूना

दयानन्द संस्थान की पुस्तके और फोल्डर्स -

क्या आप सारा भारत दारूल इस्लाम बनने देंगे ?
हिन्दू जागो ! देश बचाओ !
राकेश रानी — इस्लाम में क्या है ?
सावरकर — मोपला
सावरकर — हम सब हिन्दू हैं

पता दयानन्द सस्थान, आर्यसमाज,
करौल बाग, नई दिल्ली-११०००५

सूर्य भारती प्रकाशन की पुस्तके -

गुरुदत्त — हिन्दूराष्ट्र
सावरकर — प्रतिशोध
विराज — हम हिन्दू है
हरिभाबू देसाई — महात्मा सावरकर

पता सूर्यभारती प्रकाशन,
नई सड़क, दिल्ली- ११०००६

विश्व हिन्दू परिषद् के प्रकाशन -

हिन्दत्व मोदरा सर्वे (हिन्दी)
विज्ञान युगान्त हिन्दू धर्म (मराठी)
हिन्दूधर्म की महिमा (हिन्दी)
सावधान - हिन्दू जनसख्या का क्रमिक ह्रास (मराठी)
हिन्दू धर्म अणे सस्कृति (गुजराती)
सस्कार प्रयोग (हिन्दी)

पता विश्व हिन्दू परिषद (पूर्व)
उ० प्र०, ४९४, कृष्ण नगर, प्रयाग-३

ENGLISH BOOKS

1 K R Malkani — The Politics of Ayodhya and Hindu Muslim relations, 1993
2 C P Bhishikar — Concept of Rashtra
3 Sheshadri, Sudarshan, Rao etc — Why Hindu Rashtra? Suruchi Publication, New Delhi-55
4. Pradeep Naryak — The Politics of Ayodhya -Rise of Communalism and Future Voting Behaviour
5 Harsh Narain — Ayodhya Temple Mosque Dispute- Focus of Muslim Sources, Peguin
6 WK Andersen & S D Damle — The Brotherhood in Saffron, Vistar Publication, New Delhi, 1987
7 Tapan Basu — Khaki Shorts and Saffron Flags, Orient Longman 1993
8. Balraj Madhok — Indian Nationalism, Bharati Sahitya Sadan, New Delhi-1
9 Manga Ram Varshney — Janasangh R.S S and Balraj Madhok, Manga Ram Varshney Aligarh (U.P)
10. Dhananjay Keer — Savarkar and His Times, A V Keer, 77, Bageshwar Bhuwan, Lady Herdinge Road, Bombay 1950
11 Stanley A Walpert — Tilak and Gokhley, Oxford University Press 1991
12 Deendayal Upadhyay — Integral Humanism, Jagriti Prakashan F-109, Seeector-27 Noida, U.P. 201301
13 Elenjimittan, Anthony — Philosophy and Action of the R S.S for Hind Swaraj, Laxmi Publications
14 D R Goyal — Rashtriya Swayamsevak Sangh Radhakrishan, Prakashan
15 Balraj Madhok — A Hindu Rashtra, Swastik Prakashan, Delhi
16 Dina Nath Mishra — R.S S. Myth and Reality, Vikash Publishing House, Ghaziabad 1980
17 V D Savarkar — Hindutva . Who is Hindu? Veer Savarkar Prakashan, Bombay.
18 Relevance of Hindu Dharma in the modern world
Address B H P (East) U P, 494, Krishna Nagar, Prayaga-211003
19 Organiser (Weekly)
Bharat Prakashan Delhi Ltd
29, Rani Jhansi Road,
New Delhi-110055

MARATHI BOOKS

1 C P Bhishikar — Keshav Sanghanirmatma, Bharatiya Vichar Sadhana, Pune, 1979
C P Bhishikar — Shri Guruji, Bharatiya Vichar Sadhana, Pune, 82
2 Rambhau Bundale — Vidarbhacha Mukti Sangarsha, Bharatiya Vichar Sadhana, Nagpur
3 Arbind Godbole — Savarkar Vichar Darshan, Popular Prakashan, Bombay
4 Balshastri Hardas — Dharma Veer Dr. Munje Yanche Charitra
(Two vols) Vedatil Rashtra- darshan,
(Two Vols) Kal Prakashan
5 Gangadhor Indurkar — Rashtriya Swayam Sevak Sangh Kal, Aaj ani Udya
Shrividya Prakashan, 1983
6 Dattopant Bapurao Thegadi
:Hindu Rashtra Sankalpana, Bharatiya Vichar Sadhana, Pune, 1979
:Rashtrapurusha Chhatrapati Shivaji, Bharatiya Vichar Sadhana, 1979
:Sangha Shakhanche Samarthya,

Bharatiya Vichar Sadhana , 1979
:Shri Guruji Samagra Darshan
(Seven Vols), Bharatiya
Vichar Sadhana, Nagpur
:Hindu Mahasabha Parva (Two Vols)
Veer Savarkar Prakashan, Bombay

पत्र—पत्रिकाएँ

१ जनज्ञान　(हिन्दी मासिक,
प्रधान कार्यालय　वेद नगर महात्मा वेद भिक्षु सेवाश्रम
इब्राहीमपुर पो. मुखमेलपुर दिल्ली-३६
२ राष्ट्रधर्म　(हिन्दी मासिक,
पो० बॉ० [illegible], डा० रघुवीर नगर
लखनऊ (यू० पी०)
३ हिन्दू-विश्व　(हिन्दी अंग्रेजी मासिक)
[illegible] गोसाई टोला प्रयाग [illegible]
(कनाडा ब्रिटेन में भी यह पत्रिका
अंग्रेजी में छपती है।)
(उपर्युक्त पते से ही यह पत्रिका
मंगायी जा सकती है।)

४ पाञ्चजन्य　(साप्ताहिक)
भारत प्रकाशन (दिल्ली) लिमिटेड
२९, [illegible] मार्ग, नई दिल्ली [illegible]
५ संघ संदेश　बर्मिंघम इंग्लैंड
६ विश्व हिन्दू वार्ता　(बंगला त्रैमासिक), कलकत्ता
७ हिन्दू चेतना　(उड़िया मासिक), कटक
८ विश्व मंगलम्　(हिन्दी साप्ताहिक) [illegible]
९ भारतीय तत्व प्रचार　(तेलुगु मासिक) विजयवाड़ा
१० धर्म श्री　(कन्नड़ मासिक), बंगलौर
११ [illegible] हिन्दू [illegible]　(मलयालम मासिक) [illegible] केरल
१२ हिन्दू चेतना　(हिन्दी मासिक), दिल्ली
१३ हिन्दू [illegible] समाचार　(तमिल मासिक) मद्रास
१४ [illegible]　(मराठी मासिक), पूना
१५ विश्व हिन्दू समाचार　(गुजराती मासिक) अहमदाबाद
१६ साधना　(शिवसेना का दैनिक समाचार पत्र) बम्बई
१७ आर्गनाइजर　(साप्ताहिक)

भारत प्रकाशन (दिल्ली) लिमिटेड
[illegible] मार्ग नई दिल्ली [illegible]

M.S. Golwalkar : Bunch of Thoughts,
Jagarana Prakashan, [illegible]
Distributor [illegible]
[illegible], NEW DELHI [illegible]
V.D. Savarkar : [illegible]
Bharati Sahitya [illegible], NEW DELHI-25

میدانِ سیاست بھی میدانِ جہاد ہے

جہاد فقط تلواروں کے ٹکرانے ہی کو نہیں کہتے، نیک نیت داعیانِ حق کے لئے میدانِ سیاست بھی میدانِ جہاد ہے۔ اس دَلدل میں اگر وہ حریف کا شکار ہوجاتے ہیں تو ہزار بار ہوں۔ مشیّت الٰہی اور تکوینی امور کا واحد ذمّہ دار خالقِ کائنات ہے۔

مشیّت یہی تھی کہ کتنے ہی نبیوں کو ان کی قوم ظلم و تشدّد کی بھٹی میں جھونک دے، زخموں سے چور کر دے، آروں سے چیر ڈالے مگر ڈیوٹی پھر بھی آخر تک یہی رہی کہ اپنی قوم کے آگے وہی دعوتِ حق پیش کرتا رہے۔

اسی طرح اقامتِ دین کی تحریکیں اگر ہزار بھی سیاست کے ہاتھوں فنا کے گھاٹ اترتی رہیں گی تو ڈیوٹی ان کی بہرحال یہی باقی رہے گی کہ حق کو مسندِ اقتدار پر بٹھانے کی خاطر سیاست کی دَلدل میں قدم رکھیں اور اسی ابتلا، آفت اور انجام کا سامنا کریں جو مشیّتِ ایزدی نے مقدر کر دی ہیں ــ جسے ہلاکت اور ابتلاء سے گریز ہو وہ اقامتِ دین کا نام ہی کیوں لے اور یہ دعوے کیوں کرے کہ میں حکومتِ الٰہیہ کی منزل کا مسافر ہوں۔

یہ قدم قدم بلائیں یہ سوادِ کوئے جاناں
وہ یہیں سے لوٹ جائے جسے زندگی ہو پیاری

عامر عثمانیؒ
مدیر: "تجلّی"
فروری/مارچ ۱۹۶۵ء

بقیہ: ہندتو کے شارحین: کچھ نمائندہ تحریریں۔ صفحہ ۹۸ سے آگے

بارے میں ہندو نکتۂ نظر یہ ہے کہ اس کی لفظ پرسنالٹی (شخصیت) سے بہتر تشریح نہیں کی جا سکتی ــــ ہندو مفکرین کے مطابق موکچھ (نجات، मोक्ष) وہ نہیں ہے جو علیحدگی میں حاصل کی جا سکے۔ اس کے مطابق: आत्मनो मोक्षाथ जगद्हिताय च یعنی روح کا حصول نجات اور دنیا کی فلاح ساتھ ساتھ ہوتی ہے۔ اس نکتۂ نظر سے انھوں نے صرف یہ تسلیم ہی نہیں کیا کہ वसुधैव कुटुम्बकम عالم انسانیت ایک کنبہ ہے بلکہ انھوں نے پوری انسانیت کو قدرت کا جزو مربوط بھی تسلیم کیا ــــ یہ अगागी भाव یعنی جسم و اجزائے بدن کے تعلق کا احساس، دنیا میں کسی طرح کا ٹکراؤ نہیں بلکہ ہر جگہ تعاون باہمی اور خیرسگالی دیکھتا ہے۔

قدیم بھارت کی سماجی، سیاسی اور معاشی ساخت کی بنیاد فرد کے سماج کے ساتھ مربوط تعلقات، سماج کے تئیں فرد کی اور فرد کے تئیں سماج کی ذمہ داریاں، قدرت اور قادر مطلق کے بیچ باہمی انحصار کے تصورات پر قائم تھی۔ غیر مروج ہونے سے قبل اسی سماجی۔ سیاسی۔ معاشی ڈھانچہ نے ہندو سماج کی ایک لمبے عرصہ تک خدمت بھی کی لیکن سماجی ڈھانچہ کا بنیادی فلسفہ ہمیشہ کی طرح برقرار رہا کیونکہ وہ "سناتن" تھا یعنی وہ ہر زمانہ میں موزوں تھا۔ سائنس کی حالیہ تحقیقات بھی انھیں نتائج کے قریب ہیں۔

اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ۲۱ ویں صدی کے سبھی مسائل کا حل اسی مقدس نکتۂ نظر (ہندو نکتۂ نظر) سے تلاش کرنا ہوگا۔ ہمیں اپنے سبھی سماجی، سیاسی اور معاشی نظاموں کو اس کے مطابق ڈھالنا ہوگا۔ بھارت میں اس سمت میں کام شروع ہو بھی چکا ہے ــــ اس طرح یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ۲۱ ویں صدی ہندو صدی ہوگی[11]

پی پرمیشورن: کمیونزم کے بعد؟

ایک عام خیال یہ تھا کہ کمیونزم استعمار دشمن ہے ــــ لیکن تقدیر کی یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ سوویت یونین میں کمیونزم کے انہدام کو ساری دنیا میں بالعموم ایک سلطنت کا زوال کہا گیا ــــ جو کمیونسٹ سوویت یونین پر حکمراں تھے، وہ اپنی پیش رو زار شاہی کے خلیفہ ہی نہیں تھے بلکہ وہ استعماری اور توسیع پسند قوتوں کے ساتھ بھی کچھ مشترک خصوصیات رکھتے تھے۔

جب ہم کہتے ہیں کہ ایک سلطنت منہدم ہو گئی، تو اس کا ٹھیک ٹھیک مطلب کیا ہوتا ہے؟ یہاں ہماری مراد دو باتوں سے ہوتی ہے، اول یہ کہ کمیونزم ایک آئیڈیولوجی کی حیثیت سے ناکام ہو گیا ــــ دوئم یہ کہ ہمارا منشا یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک سیاسی اور دستوری ہئیت کی حیثیت سے سوویت یونین کا وجود ختم ہو چکا ہے۔

ایک دوسرا امکان جس کے بارے میں بین الاقوامی منظر نامہ کے سنجیدہ مبصرین نے بہت کچھ تشویش ظاہر کی ہے کہ مختلف وسط ایشیائی جمہوریائیں جنھوں نے ابھی حال میں آزادی کا مزہ چکھا ہے، مستقبل قریب میں کیا رویہ اپنائیں گی۔ بنیادی طور پر یہ مسلم جمہوریائیں ہیں جن کے درمیان روسی اقلیت کی قابل ذکر تعداد پائی جاتی ہے۔ ان کے انتہائی حریت پسند عوام سوویت یونین کا جزو کبھی بھی نہیں بنے، نہ تو جذباتی طور پر نہ ہی نظریاتی لحاظ سے۔ پورے وسط ایشیائی خطہ میں سیاسی اور جغرافیائی حدود کو عبور کرتی ہوئی ایک انڈر گراؤنڈ اسلامی بنیاد پرست تحریک ہمیشہ چلتی رہی ہے۔ نہ تو زار اور نہ ہی کمیونسٹ اس کو سدھانے میں کامیاب ہوئے، خواہ جبر و ظلم کے ذریعہ خواہ ترغیبات کی راہ سے۔ اس سختی کے پیچھے ایک بڑی وجہ تھی ان اسلامی جمہوریاؤں کی مشرق وسطیٰ کے مسلم ممالک نیز افغانستان اور ریاست پاکستان سے قربت

ماسکو کے سخت کنٹرول سے نکلنے کے بعد اور مرتکز کمیونسٹ حکومت کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی غالب امکان یہ ہے کہ یہ اسلامی جمہوریائیں ملحقہ مسلم ممالک کے بنیاد پرست زور و شور میں آجائیں جو کہ ہندوستان کے ایک مختصر سے وقفہ کے سوا افریقہ تا پاکستان اور بنگلہ دیش، ملائشیا و انڈونیشیا تک بنا روک ٹوک مسلسل ہے ایسی کسی پیش رفت یعنی اس اسلامی بنیاد پرستی کے ابھار کے نتائج جو پورے کرۂ ارض میں ٹھاٹھیں مار رہا ہے، باقی دنیا کے لیے پریشان کن ہو سکتے ہیں۔ یہ لازمی ہے کہ اس کی وجہ سے جموں و کشمیر میں عدم استحکام کا عمل تیز تر ہو جائے ارض ہند پر مسلم فرقہ پرستی کو ایک تازہ حوصلہ بھی ملے۔ ایک طاقتور نفسیاتی سبب ہے جو اس میں حقیقت کا رنگ بھرتا ہے۔ سندھ کے راستہ عربوں کے ابتدائی حملوں کو چھوڑ کر، تقریباً تمام مسلم لشکر کشی جو موج در موج ہوئی ہے اور بڑی تباہی کا سبب بنی ہے وہ سب وسط ایشیا یا اس کے قرب سے ہوئی ہے۔ بابر کا حملہ اس کی نمایاں مثال ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کی نفسیات تاہنوز وسط ایشیائی تعلقات کے زیر اثر ہے۔

اس بات کا بھی بڑے پیمانہ پر یقین پایا جاتا ہے کہ کمیونزم کے انہدام نے مغربی سرمایہ داری کے لیے کھلا میدان چھوڑ دیا ہے جس کا کہ سرمایہ داری کے امریکی چیمپئنوں کے زیر قیادت طبقہ میں ساری دنیا میں پرجوش خیر مقدم کیا جا رہا ہے۔

رومن کیتھولک چرچ ساری دنیا میں سوشلزم کے زوال اور موت سے پیدا حالات کا جائزہ لینے کے لیے میدان میں آگیا ہے۔ حالیہ پیش رفت میں چرچ کے رول کے بارے میں پوپ جان پال ثانی نے واضح طور پر اور تفصیل کے ساتھ بیان بھی دیا ہے۔ حال میں جاری کیے گئے ایک پاپائی فرمان کے مطابق پوپ نے اتنے سارے ممالک میں کمیونسٹ نظام کے انہدام کا خیر مقدم کیا ہے۔ انھوں نے کھل کر اعتراف کیا ہے کہ چرچ کے پاس کوئی ماڈل نہیں ہے جسے وہ پیش کر سکے۔ پوپ کے مطابق استحصالی سرمایہ داری لائق مذمت

ہے ۔۔۔۔ پوپ نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ چرچ کا سماجی فلسفہ اس کی الٰہیات (Theology) کا ایک حصہ ہے اور اپنے آپ میں اشاعتِ مسیحیت کا ایک جائزہ اوزار ہے ۔۔۔۔ یہ بات بھی کہی جا سکتی ہے کہ اب سے قبل مغربی استعمار کے فروغ کو عیسائی چرچ کی حمایت حاصل تھی۔ اس کے بدلہ میں استعمار کو جہاں بھی دخل حاصل ہوا اس نے مشنری سرگرمیوں کے لیے آسانیاں پیدا کی تھیں۔ تاریخ کے موجودہ مرحلہ میں یہی رویہ ایک بار پھر سامنے آسکتا ہے، پہلے سے کہیں زیادہ خوبصورت انداز میں۔ مارکسی یہ استدلال کرتے ہیں کہ اگر ہم گورباچیف کی لائن کی حمایت کرتے ہیں تو انجام کار یہ معاملہ ہم پر ہی پلٹنے والا ہے۔ لیکن یہ استدلال قطعاً صحیح نہیں ہے کیونکہ ہندوستان اور سوویت یونین کا موازنہ ہی مضحکہ خیز ہے۔ ہندوستان کا یہ تصور کہ وہ ہمالیہ سے کنیا کماری تک وسیع ہے اتنا ہی قدیم ہے جتنے کہ وید۔ ہندوستان کے عوام کے لیے یہ ان کا مشترک مادر وطن بھی تھا اور ارضِ مقدس بھی، ایک سرے سے دوسرے سرے تک یہ ملک بے شمار مراکز زیارت، متبرک دریاؤں اور مقدس پہاڑوں سے معمور ہے جسے لاتعداد سنتوں اور مہاتماؤں کے زندہ رشتوں سے جواز بخشا ہے اور جو زیارت گاہوں کے باہمی روابط کی روایات سے وابستہ ہے۔ یہ تہذیبی وحدت غلطیوں سے پاک تھی اس لحاظ سے ہر ہندوستانی کا دل ایک ہی لے میں دھڑکتا تھا۔ یہ کوئی سیاسی یا انتظامی وحدت محض نہیں تھی۔ جسے فوجی ایکشن کے ڈر سے برقرار رکھا گیا تھا۔ جیسا کہ سوامی وویکانند اور اروبندو گھوش نے کہا ہے: یہ روحانی نیشنلزم تھا جس نے ہندوستانی نفسیات کی گہرائیوں میں اپنی جڑیں بنائی تھیں۔

کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ علیحدگی پسندانہ تحریکات سے ہندوستان کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وہ تو پہلے سے موجود ہے۔ لیکن یہ تہذیبی یک جہتی کا احساس کمزور ہو جانے کی وجہ سے ہے۔ اور یہ صورت حال الٹی پالیسیوں اور مسخ شدہ اعتبارات کے باعث پیدا ہوئی ہے۔ سیکولرزم کے ایسے تصور نے جو ہندو دشمن اور اقلیت نواز ہے، اس نے بلقان زدگی (Balkanisation) کی یہ صورت پیدا کرنے میں کچھ کم رول نہیں ادا کیا ہے۔ اس کی تصحیح کرنی ہوگی۔ ہندوستان کے لیے یہ وقت نہیں ہے کہ وہ ایک باغی ارجن کا رول ادا کرے۔ اس کے برخلاف روح زماں لارڈ کرشنا آواز دے رہے ہیں کہ اٹھ کھڑے ہو اور اس 'کروچھیتر' کے چیلنج کا مقابلہ کرو جو ہمارے لیے ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے لیے خطرہ بن گیا ہے۔ اس الوہی دعوت کو خاطر میں لاکر اور اپنے ایک ایک رگ وریشہ کو مستعد کر کے بلاشبہ ہم ایک بہترین گھڑی پر اکیسویں
آئیے ہم شری اروبندو و آشرم کی ماتا کے ان پیغمبرانہ الفاظ کو اپنا رہنما بنائیں: "ہندوستان دنیا کا گرو ہوگا۔ لیکن ہمیں کچھ کرنا ہوگا [۱۲]

جے دو بھاشی: راشٹریہ کلچر

جب آپ فرقہ پرستی پر گفتگو کرتے ہیں تو اجودھیا کا ذکر کیے بغیر نہیں رہ سکتے ۔۔۔۔ اجودھیا نقلی سیکولر حضرات کے خلاف جنگ کی علامت بن گیا ہے ۔۔۔۔ عوامی نظروں کے سامنے اجودھیا چار پانچ برس تک رہا ہے یا شاید کچھ کم ہی لیکن اس نے تاریخ میں اپنا مقام بنا لیا ہے، جلیانوالہ اور سومناتھ کے برابر عزت کا مقام اجودھیا کے بعد حوالے بدل گئے ہیں۔ نئے حالات میں نہرو ازم غیر متعلق ہو گیا ہے اور یہ ممکن ہے کہ اس نئے سیکولرزم پر گاندھی یا نہرو کا حوالہ دیے بغیر گفتگو کی جا سکے۔

یہ نیا سیکولرزم نقلی سیکولرزم کے برعکس بالکل نئے سوالات کرتا ہے اور راشٹریہ کلچر کے پیرایہ میں نیشنلزم کی از سر نو تعریف کرتا ہے۔ نہرو پسندوں نے سیکولرزم کی اپنی تعریف میں کلچر اور مذہب کو غیر ضروری کہہ کر مسترد کر دیا تھا۔ یہ ان کی بڑی بھول تھی، ایک ایسی ہی غلطی جیسی کہ مارکسوادیوں نے مذہب کو عوام کی افیم کہہ کر کی تھی۔ نہرو وادی یقین رکھتے تھے کہ وہ ایک نئے ہندوستان کی تعمیر کر رہے ہیں جس میں مذہب کا کوئی مقام نہ ہوگا۔ کمیونسٹ بھی یہ یقین رکھتے تھے کہ وہ ایک نیا روس تخلیق کر رہے ہیں جہاں مذہب کے لیے کوئی جگہ نہ ہوگی۔ دونوں ہی غلط ثابت ہو چکے ہیں۔ قومی کلچر میں مذہب ایک طاقتور عنصر ہوتا ہے جسے غیر متعلق کہہ کر مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ جس طرح کہ کلچر سے عاری کوئی فرد نہیں ہو سکتا، ٹھیک اسی طرح کوئی راشٹر (قوم) اپنے راشٹریہ کلچر سے مبرا نہیں ہو سکتا۔ اس طرح کے کسی بھی لازمی رشتہ کے بغیر ممالک

پرندوں کو چاک کرسکے اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ جو جسد ([पिण्ड]) ہے وہ آفاق ہے۔ انھوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ روح اور خدا دونوں ہی لامحدود، غیر مشکل، غیر فانی اور بعید از زمان ہیں اس لیے وہ لامتناہی ہیں۔ ور جو لامتناہی ہوتے ہیں، وہ ایک ہوتے ہیں۔ ایک جیسے ہوتے ہیں۔

انھوں نے یہ بھی دیکھا کہ انسان مختلف غلافوں سے خاندان، پڑوس، احباب، گاؤں، معاشرہ، ضلع، صوبہ، دیش، انسانیت، قدرت وغیرہ سے گھرا ہوتا ہے۔ فطری طور سے جب ایک شخص کی شناخت خاندان سے جڑتی ہے تو اپنے اہل خاندان کے لیے وہ اپنی خوشیاں داؤ پر لگا کر جی توڑ کوشش کرتا ہے۔ جب وہ اس سے بڑے اور بڑے طبقہ کے ساتھ خود کو جوڑتا ہے تو اس طبقہ کا دکھ سکھ اس کو اپنا لگتا ہے۔ جتنے بڑے طبقہ کے ساتھ وہ خود کو جوڑتا ہے، اس کی خوشیاں اتنی ہی وسیع ہوتی جاتی ہیں اور جب وہ اپنی شناخت کو وجود کامل سے وابستہ کرلیتا ہے تو وہ پرماتما سے ہم آہنگ ہوجاتا ہے۔

ہندو دانشوری کی یہ خوبی رہی ہے کہ اس کے پاس اس حالت کو پہنچے ہوئے لاتعداد انسان رہے ہیں۔ سبھی دیشوں اور فرقوں کی حدود پار کر کے پورے عالم انسانیت کے ساتھ اخوت کے اسی جذبہ سے سرشار ہوکر سوامی وویکانند نے شکاگو میں منعقد دھرم سنسد (مذاہب کی پارلیمنٹ) میں حاضر لوگوں کو "امریکہ کے بھائیوں اور بہنو" کہہ کر مخاطب کیا تھا ـــــ اسی فلسفہ نے سائنس داں شری جگدیش چندر باسو کو تجربات کی بنیاد پر یہ ثابت کرنے کے لیے راغب کیا تھا کہ سکھ دکھ کا احساس انسانوں اور جانوروں کو جس طرح ہوتا ہے، ویسے ہی پیڑ پودوں کو بھی ہوتا ہے۔ اسی شعور کے ذریعہ سنت گیانیشور نے ایک بھینس کو پیٹے جانے کے درد کا احساس اپنی پیٹھ پر کیا تھا اور اسی کی وجہ سے شری رام کرشن پرم ہنس گھاس کی اس تکلیف کو محسوس کر پائے جو گائے کے ذریعہ اسے روندے جانے کے وقت اسے ہوتی ہوگی۔

سیاسی میدان میں تاریخ کے پاس ایسے مستند حقائق موجود ہیں کہ ہندوں نے کبھی دوسروں کا سیاسی استحصال نہیں کیا: कृण्वते विश्वमार्यम

(آؤ پوری دنیا کو آریہ بنائیں)

اس نعرہ کے ساتھ انھوں نے دنیا کے ثقافتی عروج کے لیے کام کیا۔ ان کے ثقافتی اثرات کو ساری دنیا میں محسوس کیا گیا اور آج بھی اس کے ثبوت امریکہ سے لے کر انڈونیشیا نیز سائبیریا سے لے کر افریقہ تک میں ملتے ہیں۔

جسے یوروپ میں انسانی انفرادیت کہا جاتا ہے، اس کے

منتشر ہو جاتے ہیں جس طرح کہ افراد بھی یقیناً ہو جاتے ہیں جب کہ ان سے کلچر واپس لے لیا جائے۔ روس کو دیکھ لیجئے۔

سوویت یونین کیوں منتشر ہوا؟ کیونکہ اسے پکڑے رہنے والی کوئی چیز نہ تھی۔ آپ ان ضروری رشتوں کو تباہ کر دیجئے جو لوگوں کو ایک ساتھ رکھتے ہیں اور آپ سماج کو ہی تباہ کر دیں گے۔ یہ رشتے مادی رشتے نہیں ہوتے نہ ہی وہ تجارتی لین دین کے رشتے ہوتے ہیں۔ یہ رشتے تہذیبی ہوتے ہیں جو ذاتی اور خاندانی رشتوں اور اس سے بھی زیادہ صحیح اور غلط کے تصورات کی بنیاد بنتے ہیں۔ جو کہ بنیادی طور پر مذہبی تصورات ہیں یا ان کی جڑیں مذہب میں نہاں ہیں۔ یہی وہ تصورات ہیں جو قومی کلچر کی بنیادی تشکیل کرتے ہیں۔ ان کے بغیر خواہ ریاست کتنی ہی طاقتور کیوں نہ ہو، نہ تو کسی راشٹر کا وجود ممکن ہے اور نہ ہی کسی ملک کا۔ دنیا کی طاقتور ترین ریاست منہدم ہو کر زمین جا سکتی ہے جیسا کہ سوویت یونین میں ہوا اور ہندوستانی ریاست نے بھی ۱۹۴۷ء میں اس کا تجربہ کیا۔

الہ آباد سیمینار میں ہم میں سے کچھ لوگوں نے یہی سوال اٹھانے کی کوشش کی تھی کیونکہ اجودھیا مباحثہ کی الف بے یہ ہے کہ ہندوستان کا راشٹریہ کلچر کیا ہے؟" اس کا ایک ہی جواب ہو سکتا ہے: وہ ہندو ہے۔ ہندوستانی کلچر سے اس کا ہندو پن چھین لیجئے اور آپ کے پاس ایک بڑا سا صفر رہ جائے گا [۱۳]

پنڈت مدن موہن مالویہ: طاقتور ہندو

یہ طے ہے کہ جب تک ہندو ایک جاتی کی حیثیت سے کمر کس کر تیار نہیں ہو جائیں گے، تب تک ہندو مسلم مسئلہ اپنی تمام تر خوفناکی کے ساتھ برقرار رہے گا۔ ہندو نیتاؤں کی جیسی ذمہ داری اپنی مادرِ وطن کے تئیں ہے۔ ویسی ہی اپنے دھرم، سنسکرتی اور اپنے ہندو بھائیوں کے تئیں ہے۔ یہ اشد ضروری ہے کہ ہندو خود کو منظم کریں، متحد ایک ہو کر کام کریں، بے لوث، اور دیش بھگت کارکنان کا ایک جتھا تیار کریں جس کا ایک ہی مقصد ہو: سیوا

پچھلے کچھ مہینوں سے ہندوؤں کے اوپر سوچ سمجھ کر جو بے شمار مظالم کئے جا رہے ہیں، ان میں سے کچھ یہ ہیں: زبردستی تبدیلی مذہب، ہندو مرد و خواتین اور بچوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک، عورتوں کے ساتھ زنا، بچوں کا بیدردی سے قتل، مقدس مقامات۔ مندروں کی تباہی اور ہندو دوکانوں اور مکانوں کی لوٹ یہ صورت حال وقتی نہیں ہے اور ہندو جاتی کو رہنا ہے تو اسے کمر کس کر تیار رہو جانا چاہئے۔ اس میں جنگ بازی کا فقدان ہے۔ اور ایک ہی قوم میں آپس میں لڑائی جھگڑے کی ذہنیت سے دلی نفرت ہے۔ یہ ہندوؤں کی نفسیات کا فائدہ اٹھا کر مسلمانوں نے اپنے مطالبات میں اضافہ کر دیا ہے اور ان پر مذہبی رنگ چڑھا کر نیا جوش بھر دیا ہے۔ ہندوؤں اور دوسری جاتوں کی سیاسی ترقی کانگریس کے ہاتھوں میں محفوظ مانی جا سکتی ہے مگر ہندوؤں کے خالص فرقہ وارانہ اور مذہبی، ثقافتی اور سماجی ترقی کے سوالات پر آخری فیصلہ کرنے کا حق بلاشبہ کسی ایسی ہندو تنظیم کو ہی حاصل ہے جو اس کی جانب سے بولنے اور سرگرم ہونے میں اس کی نمائندگی کرتی ہو۔ تبدیلی مذہب یقینی طور پر روکا جانا چاہئے۔ ساتھ ایسے مسلمانوں کو اور خاص طور سے ان کو جن کی جبری تبدیلی مذہب کرائی گئی ہو اور جو ہندو ہونا چاہتے ہیں، ان کو خصوصی سہولتیں دی جانی چاہئیں ——— ہندوؤں کو بے خوف ہو کر بہادر اور مضبوط بننا چاہئے۔ فوجی تعلیم حاصل کرنا چاہئے۔ سویم سیوک سنگھ کی تنظیم بنانی چاہئے۔ اور اپنے دفاع کے لئے ایک مرکزی سویم سیوک سنگھ فورس تشکیل دینی چاہئے۔ [۸]

نانا جی دیش مکھ

مسلمان دوسرے مذاہب کے مقلدوں سے سیکولر کردار و اخلاق کی امید تو رکھتے ہیں لیکن خود دوسرے مذاہب کے اطوار و عبادات کو عزت کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب اور دوسرے مسلم ملکوں میں غیر مسلموں کے لئے مذہبی آزادی ممنوع ہے اور قوانین و آئین میں انھیں مساوی اختیارات بھی حاصل نہیں ہیں۔

(اس سیکولرزم پر دوبارہ سوچیں)

اگر مسلمانانِ ہند ہندوؤں کو اپنا بھائی اور ملک میں شہری کے ناطے اپنا ہم سفر سمجھتے ہیں تو انھیں کم از کم تین خاص عبادت گاہوں متھرا، کاشی اور اجودھیا میں گرائے گئے مندروں کی تعمیر نو میں رخنہ نہیں ڈالنا چاہئے کیونکہ یہ تینوں مقامات علی الترتیب رام، کرشن، اور شیو شنکر سے منسوب ہیں جنھیں ہندوستان کی تہذیب کا بانی مانا جاتا ہے۔

(رام جنم بھومی آندولن کیوں؟)

حوالے

1 Veer Savarkar/Hindutva

2

3 Guruji Golwalkar/Bunch of Thought

4

5 दीनदयाल उपाध्याय / राष्ट्र जीवन की दिशा

दीनदयाल उपाध्याय / राष्ट्र प्रवृत्त और विकृति

7 चन्द्रशेखर परमानन्द भिषीकर / पं० दीनदयाल उपाध्याय / विचार दर्शन - भाग 5

8 पान्चजन्य / 22 दिसम्बर 1991

9 The Organiser/ 31 March 1992/P-9

10 K.R. Malkani/What does Hindutva Mean/Hindustan Times/10 Oct'93

11 पान्चजन्य / 3 फरवरी 1991 /P-15

12 P.Parameshwaram/Collapse of An Empire: What Next? /The Hindu/26 Nov.' 91/P-17

13. Jay Dubhashi / The Organiser/ 8 Dec.'91 / P-2

اپیل برائے تعمیر بلڈنگ فنڈ

مسلم لڑکیوں کا یتیم خانہ گیا کی تعمیر و توسیع کیلئے

اصحابِ خیر اور اہلِ ثروت حضرات سے مالی تعاون کی اپیل

یہ ادارہ ہندوستان کی ریاست بہار، بنگال و اڑیسہ میں اپنی طرز کا پہلا اور واحد اقامتی (RESIDNTIAL) ادارہ ہے۔

حدیث میں ہے:
"اولاد کے لئے والدین کا بہترین عطیہ اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت ہے۔"

یاد رکھئے!

"ماں کی گود بچے کی پہلی درس گاہ ہے۔" (حدیث)
"ایک لڑکی کو پڑھانا ایک خاندان کو پڑھانے کے برابر ہے۔" (معاویہؓ)
"ماں ایک مدرسہ ہے جب تم اسے تیار کر لوگے تو گویا ایک پاکیزہ نسل تیار کر لوگے۔" (عربی مفکر)
"بچے جنت کے پھول ہیں اور لڑکیاں جنت کی ضمانت۔"
(حدیث)

ایک پاکیزہ اور صالح معاشرہ کی تشکیل صالح عورت کی مدد کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ ہمارے اسلاف نے جن ماؤں کی گود میں تعلیم پائی تھی وہ دینی حمیت اور اسلامی غیرت کے جذبے سے سرشار تھیں قرآن اور اسلام بچپن ہی سے ان کی نفسیات میں جذب تھا۔ اس لئے ان کی گود سے ایسے ایسے فرزندانِ توحید نکلے جس پر ہم مسلمانوں اور اسلامی تاریخ کو ناز ہے ؎

خدا رحم کرتا نہیں اس بشر پر
نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگر پر

جس ادارہ کی ابتداء ۲۱؍ دسمبر ۱۹۸۶ء کو تین یتیم لڑکیوں سے ہوئی تھی اب وہاں باون (۵۲) یتیم طالبات ہیں، جن کا سالانہ خرچ تقریباً تین لاکھ روپے ادارہ برداشت کرتا ہے تعمیری خرچ چھوڑ کر۔ مقیم و غیر مقیم طالبات علاوہ ہیں۔

تعلیم:

درجۂ اطفال تا میٹرک۔ اسلامیات اور عربی کی لازمی تعلیم کے ساتھ پردہ میں رہ کر...... 12 5 6 3 3
شعبۂ حفظ و تجوید بھی ہے 9 11 4

حدیث میں ہے:
"تیرا مال وہی ہے جو تو نے آگے بھیجا ہے اور جو پیچھے چھوڑ مرا وہ تیرے وارث کا مال ہے۔"
"زندگی میں ایک درہم خیرات کرنا اس سے بہتر ہے کہ مرنے کے بعد کوئی تیرے لئے سو درہم خیرات کرے۔"
(حدیث)

جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے سارے عمل ختم ہو جاتے ہیں مگر تین قسم کے عمل باقی رہ جاتے ہیں:

۱۔ صدقۂ جاریہ یعنی صدقہ و خیرات کی ایسی عام شکل جس سے لوگ طویل عرصہ تک فائدہ اٹھاتے رہیں۔
۲۔ ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا رہے۔
۳۔ ایسی نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی رہے۔

حدیث میں ہے:
"جو شخص اپنے کھانے پینے میں سے یتیم کو حصہ دے اس کے لئے اللہ تعالیٰ جنت کو واجب کر دیتا ہے۔"

حافظ شیرازی نے کہا ہے:
"خدا تک جلد پہنچنے کا راستہ خدمتِ خلق کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں۔ یہ راستہ محض ذکر و تسبیح، عبادت، ریاضت اور گدڑی پہننے پر منحصر نہیں ہے۔"

حدیث میں ہے:
"بندوں کی خدمت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خدمت قرار دیا۔"

الحمدللہ!

یہ ادارہ بہت ہی بلند مقاصد کے تحت وجود میں آیا ہے۔ بڑے ہی لمبے اور طویل المدت منصوبے اس کے سامنے ہیں۔

لیکن ان منصوبوں کی تکمیل کے لئے جن مالی وسائل کی ضرورت ہے وہ اسے حاصل نہیں۔ اور وہ آپ کی معاونت کے بغیر ممکن بھی نہیں۔ یہ کوئی وقتی جوش اور جذبے کا نہیں ہے، خالص تعمیری (MISSION) ہے۔ یہ فکر و ذہن کی آب یاری کا وہ کام ہے جس کے لئے ایک عمر درکار ہے۔ آپ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے اس کارِ خیر میں اپنا بھرپور تعاون بڑھا کر تو دیکھیں قطرہ، قطرہ سے دریا اور دریا سے سمندر کس طرح بن جاتے ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ اگر

ہمارا ایمان ہے کہ:
"اگر تم اللہ کے دین کے کاموں میں مدد کے لئے آگے بڑھوگے تو وہ یقیناً تمہاری مدد کرے گا تم ایک قدم آگے بڑھو گے تو وہ دس قدم تمہارے آگے بڑھائے گا اور تمہارے قدم حق پر جما دے گا۔"

خدا کے فضل و کرم اور آپ کے تعاون سے ادارہ نے اپنے کرایہ کے مکان اور اس کے آس پاس کی زمین کو ایک بڑی رقم دے کر خرید لیا ہے۔ مزید زمین اور مکان پھر خریدنے کا منصوبہ ہے۔ ادارہ کی ضروریات کے لئے یہ مکان کسی طرح بھی کفالت نہیں کر رہا ہے اور شدید ضرورت ہے کہ ایک وسیع عمارت ہو۔

ماسٹر پلان

MASTER PLAN کے نقشہ کے تحت تین منزلہ عمارت کی تعمیر پر تقریباً ۳۵ لاکھ روپے خرچ ہوں گے اور صرف گراؤنڈ فلور (GROUND FLOOR) کی تعمیر پر تقریباً ۱۱ سے ۱۲ لاکھ روپئے کا تخمینہ ہے۔ خدا کا نام لے کر چند ہمدرد لوگوں کی اعانت سے چند کمروں کی مستحکم بنیاد ڈالی گئی ہے۔ ۱۷×۲۳ فٹ کے حساب سے مع غسل خانہ و بیت الخلاء، دو ہال کی دیوار کھڑی ہو گئی ہے چھت کی ڈھلائی باقی ہے۔ مزید دو کمروں کی تعمیر کا کام جاری ہے۔ غرض دیہاتی جھونپڑے والا وہ ادارہ جہاں بڑے بڑے نامور علمائے دین، ملی رہنما، گورنر بہار اور دانش ورانِ ملت کی تشریف آوری کی جس کو سعادت حاصل ہوتی رہی ہے۔ جھونپڑے سے محل بننے کی پوری جد و جہد کر رہا ہے۔ ایک مستقل کمپلکس (COMPLFX) بنانے کا منصوبہ ہے جس کے لئے ابھی فوری طور پر صرف بارہ لاکھ 12 LAKH روپئے کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کے اصحابِ خیر و اہلِ ثروت حضرات سے فراخ دلانہ طریقہ پر تعمیری منصوبے کو مکمل کرنے کے لئے مالی تعاون کی بھرپور درخواست ہے تاکہ یہ ننھا سا پودا جلد سے جلد مضبوط اور تناور درخت بن جائے۔

مسلمانوں کے اصحابِ خیر و اہلِ ثروت حضرات خواہ وہ بیرونِ ملک اور ملک کے کسی بھی خطہ اور علاقے کے ہوں۔ ان سے ہماری گذارش ہے کہ اس کارِ خیر میں مالی تعاون فرما کر اللہ تعالیٰ سے اجرِ عظیم حاصل کریں۔

اچھے کام کو آگے بڑھانا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

نوٹ:
ننھی منی معصوم یتیم بچیوں کے ادارہ میں کمرہ بنوانے والے یا ایک خطیر رقم دینے والے کے نام سے سنگِ مرمر کا کتبہ لگایا جائے گا تاکہ دوسرے لوگوں کے دلوں میں کام کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔

چیک و ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:
"THE GAYA MUSLIM GIRLS ORPHANAGE"

فقط والسلام

(ڈاکٹر) **محمد توفیق احمد خاں**
(اعزازی ناظم)

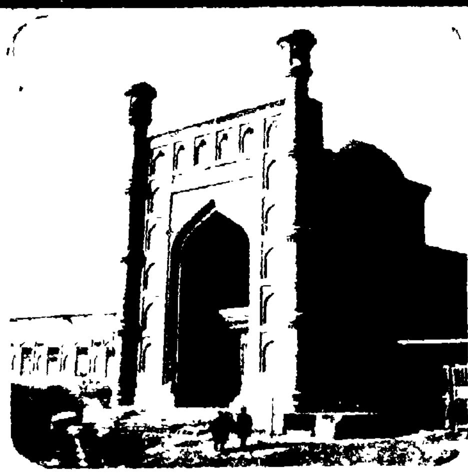
مسلم لڑکیوں کا یتیم خانہ گیا، واقع کلونا، ڈاک خانہ چیرکی ۸۲۴۲۳۷ ضلع گیا، بہار (الہند)

فون: 86-437



"O children of Adam, we have sent down to you clothing in order to cover the shameful parts of your body, and to serve it as protection and decoration, and the best garment is the garment of piety This is one of the signs of God; it may be that the people may learn a lesson from this"

(Quran VII: 26)



"اے اولاد آدم ، ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے کہ تمہارے جسم کے قابل شرم حصوں کو ڈھانکے اور تمہارے لئے جسم کی حفاظت اور زینت کا ذریعہ بھی ہو اور بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے ۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے ۔ شاید لوگ اس سے سبق لیں ۔" (الاعراف : ۲۶)

POSTED ON 9.1.1994 AT DELHI R.M.S Licence No U (D) 41. to Post Without Prepayment

SEH ROZAH
DAAWAT
NEW DELHI-25

PHONE - EDITOR - 6849816
MANAGER-6849539

R.N.I. REGN. NO 522/57
Postal Regn. No DL - 1001/93